سیرت
پیغمبر عالم
صلی اللہ علیہ وسلم
عبدالصمد رحمانی

سیرت پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

(علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ)

سیرت پیغمبرِ عالم

عبدالصمد رحمانی

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹیمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۴

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتی وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا
ترے غلاموں میں بھی نمایاں جو تیرا عکسِ کرم نہ ہوتا
تو بارگاہِ ازل سے ترا خطابِ خیرالامم نہ ہوتا
نہ روحِ حق سے نقاب اٹھانا نہ ظلمتوں کا حجاب
فروغ بخشے نگاہِ عرفاں اگر چراغِ حرم نہ ہوتا

(اقبال سہیل)

ناشر ---------- تخلیقات لاہور
پرنٹرز ---------- طبع فی المطبعة العربية ۳۰ لیک روڈ، بالمقابل ہستی چیمبرز، پرانی انارکلی، لاہور، پاکستان
سن اشاعت ---------- جنوری 1995ء
قیمت ---------- 180/ روپے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

تعارف

محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس جو کائنات کی سب سے بڑی ہستی تھی اور جس میں کونین کی سعادتیں جمع کر دی گئی تھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے لے کر اس وقت تک نہ معلوم کتنی کتابیں "سیرت" کے نام پر ان سعادتوں کو اجاگر کرنے کے لیے لکھی جا چکی ہیں، جن میں احادیث بھی ہیں اور قیامت تک نہ معلوم کتنی اور کتابیں لکھی جائیں گی۔

مگر ہم جانتے ہیں کہ جس طرح اس مادی کون کی ہر قدرتی سعادت اور الٰہی موہبت کی حقیقی حد کے اجاگر کرنے میں ہم آج تک ناکام رہے ہیں اور قدرت روز نئے نئے انکشافات سے ہماری دسترس کو خیرہ بنا رہی ہے اور ہم کو آگے بڑھا رہی ہے، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "کونین کی سعادتوں" کی حد کو اجاگر کرنے میں ہمارے ذہن و قلم ناکام رہے ہیں۔ اس لیے کہ قدرت آپ کی ہر پیش کردہ سعادت پر نئی نئی حقیقتوں کی رونمائی کر کے صداقت کی نئی نئی مہر لگا رہی ہے اور ہر آنے والا دن اپنی نئی نئی کرنوں سے آنے والے مصنف اور سیرت نگار کے لیے نئی نئی روشنی بخش رہا ہے اور ان کو آگے بڑھا رہا ہے۔

اس اعتراف عجز کے ساتھ کہنا یہ ہے کہ اس مختصر رسالہ کا تعلق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی ان گوناگوں مجموعہ سعادتوں سے نہیں ہے، بلکہ سیرت کے صرف اس پہلو سے ہے کہ:

۱- آپ کی بعثت عمومی تھی اور آپ کے ذمہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کا فریضہ تھا۔

۲- اور اس فریضہ کو آپ نے اپنی رسالت کی زندگی کی پہلی فرصت میں (بغیر اس کے کہ ایک دن کی تاخیر کریں یا فرصت کے ایک لمحہ کو ضائع کریں) انجام دیا۔ یعنی عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے سلاطین کے نام آپ نے خطوط لکھے اور سفراء روانہ کیے۔

"بعثت عمومی" کے باب میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ پیغمبران عالم، مصلحان فارس، رہنمایان ہند کے واسطہ سے جو دعوت بھی دنیا کو ملی، کیا اسلام کے سوا تاریخ بتاتی ہے کہ ان دعوتوں میں کوئی دعوت ایسی اٹھی، جس نے پورے عالم کو خطاب کیا ہو؟ یا تاریخ یہ بتاتی ہے کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان میں سے کسی دعوت کے داعی نے اس کا دعویٰ کیا کہ میں خدائے عالم کی طرف سے "پیغمبر عالم" بنا کر مبعوث ہوا ہوں۔۔۔؟

"دعوت عمومی" کے باب میں پہلے اس دعویٰ پر کہ آپ نے اپنی رسالت کی زندگی کی پہلی صرفت میں اس کو انجام دیا، بے لاگ تحقیقی جائزہ ہے کہ واقعیت اس کا ساتھ دیتی ہے یا نہیں؟ کہ جس روز آپ نے عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے خطوط لکھے اور سفراء روانہ کیے، اس کے پہلے مکی اور مدنی زندگی میں اس کا موقعہ نہیں ملا کہ آپ اس فریضہ کو انجام دیتے۔ تحقیقی جائزہ میں اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مکی اور مدنی زندگی کا تحقیقی جائزہ اس طرح لیا جائے، جس طرح بے رحم تاریخ کا منصف مزاج مورخ ہر واقعہ کو روایت و درایت کی روشنی میں اس طرح جانچنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ حسن ظن اور عقیدت کی پرچھائیں بھی اس پر نہ پڑے۔ آخر میں ان خطوط کی تفصیل ہے، جو دعوت اسلامی کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب و عجم کے ذمہ داروں کو لکھے۔ مصنف اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے، یہ کتاب کا مطالعہ بتائے گا۔

و ما توفیقی الا باللہ العزیز العلیم و ما ابری نفسی عن سوء

عبدالصمد رحمانی

ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

دارالتالیف۔ مانڈو۔ بانسی۔ مونگیر۔ بہار

پیش لفظ

مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط چیف ایڈیٹر اخبار "الجمعیۃ" دہلی

اس کتاب کا موضوع سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ اس کے تعارف کی آسان شکل یہ ہے کہ مسلمان خود اس کا مطالعہ کریں اور غیر مسلموں کو مطالعہ کی ترغیب دیں۔ اگر یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانوں کے لیے سیرت پاک داروئے شفا اور ہر مرض کا علاج ہے اور یہی اسلام کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ بھی ہے تو یہ زیر نظر کتاب ان دونوں مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ کتاب کا پڑھنا، اس کا سمجھنا اور اسے زندگی کا دستور العمل بنانا ہی اس کتاب کی روح ہے اور جب مسلمانوں میں یہ روح پیدا ہوگی تو وہی ان کے لیے یوم النجات ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی جو علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، مصنف سے زیادہ محقق واقع ہوئے ہیں اور ان کی تمام تصانیف میں یہ خصوصی وصف پوری طرح نمایاں ہے۔ وسعت مطالعہ کے لحاظ سے مخدوم و محترم کو کسی بڑے سے بڑے محقق کی صف میں جگہ دی جا سکتی ہے اور یہ بات بلامبالغہ انشراح صدر کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قلم اٹھانے کی آپ کے اندر پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور آپ کی تحقیقات پر پورا پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"حرفے چند" لکھنے کی جسارت مجھ جیسے بے بضاعت کو تو کبھی نہ ہونی چاہیے۔ اسی لیے ان سطور میں دیباچہ کا حق ادا نہیں کیا گیا ہے۔ مصنف علام کی نظر صرف اسلام پر ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو دنیا کے اکثر مذاہب پر عبور حاصل ہے۔ تاریخی واقعات سے آپ نے محققانہ استفادہ کیا ہے۔ شروع کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سیرت کے موضوع پر جو واہی روایات مشہور ہو چکی ہیں، ان کی چھان پھٹک میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے اور اس راہ میں عقیدت کے بھاری پتھروں کو حائل ہونے نہیں دیا گیا ہے۔ مصنف علام نے جن کتابوں کے اقتباسات نقل کیے ہیں، ان سب کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جن بزرگوں نے سیرت نبویؐ کے موضوع پر اپنی کتابوں میں کچھ لکھا ہے، ان پر خوامخواہ اپنی جلالت قدر کا سکہ جمانے کی لیے کوئی تنقید نہیں کی گئی ہے بلکہ اکثر حوالے

اپنی تائید میں نقل کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کو جو چیز سب سے زیادہ دلکش بناتی ہے' وہ اس کا انداز نگارش ہے۔ عبارت آرائی میں بناوٹ سے کام نہیں لیا گیا' بلکہ مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جن الفاظ نے ساتھ دیا' وہ بلا تکلف نوک قلم پر آ گئے۔ اس طرح کتاب کا ہر جملہ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہے اور دلوں پر اثر ڈالتا ہے۔ اسی وجہ سے قدرتی طور پر انداز بیان عام فہم اور دلکش ہوگیا ہے۔ اگر پڑھنے والا دس صفحات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو وہ منزلوں آگے بڑھ جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ بات موضوع کی جلالت' عبارت کی حلاوت اور استنباط کی قوت ہی میں پیدا ہو سکتی ہے کہ کتاب کا پڑھنے والا کتاب کو چھوڑنا چاہے' مگر کتاب اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو--- اس سے پہلے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں' ان میں قاضی محمد سلیمان صاحب مرحوم کی "رحمتہ للعالمین" اور علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی "سیرۃ النبی" زیادہ مشہور اور مستند ہیں مگر زیر نظر کتاب کا انداز بیان اور طرز فکر گو ان سب سے جدا ہے مگر ان کی روح اور معنویت کا حامل ہے اور اس معنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے سابقہ افکار کی جانشین بن گئی ہے اور بہت بڑی حد تک ان سے مستغنی کر دیتی ہے۔

چونکہ کتاب کے خطوط محققانہ ہیں' جن میں عصری رجحانات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے' اس لیے اس کی افادیت کا دائرہ بھی وسیع کر دیا گیا ہے اور اسے اطمینان اور خوشی کے ساتھ غیر مسلموں کے حلقوں میں بھی پہنچایا جا سکتا ہے اور تعلیم یافتہ مسلمان بھی اس کے ذریعہ اسلامی افکار و نظریات کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ جہاں تک راقم الحروف کی معلومات کا تعلق ہے' کتاب میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کوئی واقعہ نظرانداز نہیں کیا گیا ہے اور اس طرح اس میں جامعیت کا ایک خاص رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام بنائے اور اس کے ذریعہ ملت کو عروج اور بھٹکی ہوئی قوموں کو ہدایت حاصل ہو۔ (آمین)

فار قلیط--- دہلی

۶ نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ عالم

تاریخ عالم کے سامنے جب بحیثیت مورخ کے کوئی شخص یہ سوال رکھتا ہے کہ تاریخ کی روشنی میں وہ کون شخص ہے جس کی تاریخی زندگی اور جس کے تاریخی وقائع شہادت دیتے ہوں کہ ان کے کارنامہ نبوت کی حیثیت "پیغمبر عالم" کی تھی---؟ تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ مستند اور معتبر روایات سے واقعاتی رنگ میں تاریخ کے طالب علم' تاریخ کے نقاد اور تاریخ کے ماہرین کو مطمئن کر دے گی کہ پیغمبر عالم کی حیثیت سے اس معمورۂ عالم میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ابن ہشام میں ہے:

> جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو "عالم کے لیے رحمت" اور عام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا بنا کر مبعوث کیا۔

اور اسی لیے آپ نے رحمت عالم بن کر اپنے دامن رحمت کے سایہ میں یہود کو بھی' عیسائی کو بھی' مجوسی کو بھی اور کافر و بت پرست کو بھی جگہ دی۔ عربی کو بھی اور عجمی کو بھی جگہ دی اور اعلان فرمایا:

الناس کلهم بنو ادم و ادم من تراب (ترمذی وابوداؤد)

"سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے (پیدا کیے گئے) ہیں"۔

انا شهيد ان العباد كلهم اخوة (نسائی، ابوداؤد)

"میں گواہ ہوں کہ اللہ کے تمام بندے بھائی ہیں"۔

الخلق عيال الله (مشکوٰۃ)

"خدا کی ساری مخلوق، خدا کے فرزند ہیں"۔

لا يفخر احد على احد (مسلم)

"کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر مفاخرت سے کام نہ لے"۔

ليس للعربى فضل على العجمى ولا للعجمى فضل على العربى كلهم ابناء ادم و ادم من تراب (عقد الفرید)

"عربی کے لیے عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور عجمی کے لیے عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں"۔

تاریخ کے صفحات پر واقعاتی رنگ میں، مسجد نبوی کی پرنور مجلس میں ایک ساتھ آپ دیکھیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد ایک ہی بوریہ پر حضرت ابی بن کعب (۱) بھی بیٹھے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام (۲) بھی بیٹھے ہیں، حضرت اسید بن سعید (۳) اور حضرت ثعلبہ بن سعید (۴) بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی (۵) اور صہیب رومی (۶) بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت بلال حبشی (۷) اور حضرت تمیم داری (۸) بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت یامین بن عمیر (۹)، حضرت مخیرق (۱۰) اور حضرت میمون بن یامین (۱۱) بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور جملہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہیں۔ اور اس طرح بیٹھے ہیں کہ ان میں نہ تفریق ملت کا امتیاز باقی ہے کہ یہ یہودی ہیں، یہ عیسائی ہیں، یہ مجوسی ہیں، یہ بت پرست ہیں، نہ تفریق قومیت کا، نہ تفریق نسل کا، نہ تفریق وطن کا۔ بس ایک طوق۔ لا الہ الا اللہ۔ کا ہے جو سب کی گردن میں پڑا ہوا ہے اور ایک مضبوط ڈوری اسلام کی ہے جس نے سب کو المسلم اخو المسلم (مسلم شریف) کے رشتہ میں باندھ رکھا ہے۔ اب یہ گل ہائے رنگارنگ جو ایک رشتہ

اسلام سے بندھے ہوئے تھے، باوجود اپنی اپنی انفرادی خصوصیت کے، انفرادی رنگ و بو کے ایک گلدستہ بنے ہوئے تھے اور باہم ایک دوسرے سے مربوط تھے۔ جن کی وابستگی و پیوستگی کی حقیقت زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر میں یہ تھی۔

المومنون كرجل واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله ان شتكى راسه اشتكى كله (مسلم شریف)

"اہل ایمان کی پوری جماعت ایک "اکیلے انسان" کی طرح ہے۔ اگر اس کی آنکھ دکھے تو سب دکھی ہو جائیں اور اگر اس کا سر دکھے تو سب تکلیف محسوس کریں"۔

ترالمومنين فى تراحمهم و توادهم و تعاطفهم كمثل الجسد اذا شتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحى (متفق علیہ)

"تم مسلمانوں کو ان کے باہمی رحم، محبت اور ہمدردی کے اندر ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم شب بیداری اور بخار کے ساتھ اس کا شریک درد ہو جاتا ہے"۔

تاریخ کے پامال لفظ سے ذہن کو اس غلط فہمی اور دھوکے سے بچانا چاہیے کہ یہاں تاریخ سے میری مراد رطب و یابس کے وہ دفاتر نہیں ہیں جو عہد پیشیں کے رجال اور ان کے واقعات کے متعلق تاریخ کے نام سے آج ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، جن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک خاصی مدت کے بعد، جب ان کے قلمبند کرنے کا خیال ہوا تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ کس و ناکس سے جو کچھ بے سروپا معلومات حاصل ہوئیں (بغیر اس کے کہ التزام صحت کے ساتھ سلسلہ روایت معلوم کیا جائے) قلمبند کر لیے گئے۔ پھر ان ہی بے سروپا معلومات سے قرین قیاس جو واقعات سمجھ میں آئے، انتخاب کر لیے گئے اور دنیا کے سامنے ان ہی بے سروپا معلومات کے منتخب کردہ واقعات کو "ریسرچ" اور "تاریخی تحقیقات" کے نام سے پیش کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات زندگی پر جب ہم تاریخی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ایسے دفاتر مقصود نہیں ہوتے بلکہ ایسے واقعی اور حقیقی دفاتر و وقائع مراد ہوتے ہیں جو اعتقاد و یقین کے اس معیار پر ہوتے ہیں جہاں شک و شبہ

اور وہم و بے اعتمادی کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ وہ کارہائے نبوت، جن کا تعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہے، یا تو ان کا ماخذ قرآن مجید ہے جو موافق و مخالف سب کے نزدیک تاریخی معیار پر قطعی اور یقینی ہے یا احادیث صحیحہ ہیں جو اپنی جگہ پر تحقیق و احتیاط کے ایسے بلند معیار پر ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے یا سیرت کی وہ مستند روایات ہیں جس کی ہر روایت کی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ اس روایت کا بیان کرنے والا جو بات بھی کہے، اس کے متعلق سلسلہ روایت کسی صحابی تک پہنچائے کہ ان کا یہ بیان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی، یا یہ کام کیا، یا اس کام کے لیے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا یا آپ کے سامنے اس طرح گفتگو ہوئی، یا آپ کی موجودگی میں یہ کام اس طرح عمل میں آیا۔

اور سلسلہ روایت میں جتنے نام آئے ہوں، ان کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ سب ثقہ تھے، سچے تھے، اپنی سمجھ اور اپنے حافظہ میں قابل اعتماد تھے، نیک نام تھے، غیر ذمہ دار نہیں تھے۔ احادیث کے رواۃ میں بھی یہ سب چیزیں ملحوظ ہوتی ہیں اور اس سے کچھ اور بھی اونچی چیزیں ہیں جن کا لحاظ محدثین کے ہاں ہوتا ہے اور یہیں سے احادیث اور سیر میں نازک فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ محدثین کے یہاں صدق و دیانت، زہد و عبادت کے ساتھ ایک بڑی نازک اور اونچی چیز روایت حدیث کے منصب کے لیے راوی کے کردار کی بلندی بھی تھی، جس کا وہ لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت یحییٰ بن سعید قطان کا قول ہے کہ:

اتمن الرجل علی مائتہ الف ولا اتمنہ علی حدیث

"میں ایک آدمی کو ایک لاکھ کی رقم کا امین تسلیم کر سکتا ہوں، لیکن ایک حدیث کے بارے میں "امین" نہیں مان سکتا"۔

حضرت امام ربیعہ بن عبدالرحمان کا قول ہے:

ان [۱۲] من اخواننا من فرجو ببرکۃ دعائہ ولو شھد عندنا بشھادہ اقبلنا۔

"ہمارے بھائیوں میں ایسے لوگ ہیں جن کی دعا کی برکت کی ہم امید رکھتے ہیں، حالانکہ وہ اگر ہمارے پاس ایک گواہی دیں تو ہم ان کی گواہی نہیں مان سکتے"۔

"سنن ابو داؤد" کے مصنف امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں محدث ابوالاشعث احمد بن مقدام سے اس لیے روایت نہیں کرتا کہ انہوں نے بصرہ کے نوخیز جوانوں کے جواب میں ان ہی جیسی حرکت کی۔ واقعہ یہ تھا:

بصرہ کے چند نوخیز جوانوں نے اپنی دل لگی کے لیے مذاق کی یہ صورت نکالی تھی کہ بر سر راہ روپے کی چند تھیلیاں ڈال دیتے تھے اور خود ایسی جگہ بیٹھتے تھے کہ راہ چلنے والوں کی نگاہ ان پر نہ پڑے۔ جب غریب راہ گیران لاوارث تھیلیوں کو بر سر راہ دیکھ کر اٹھاتا تو یہ کمین گاہ سے نکل کر ان کی عزت و آبرو سے کھیلنے لگتے اور ان کو محجوب ہونا پڑتا۔ یہ معاملہ جب نہایت تکلیف دہ حد تک پہنچ گیا تو محدث صاحب نے چند لوگوں کو یہ ترکیب بتائی کہ روپے سے خالی تھیلیاں اپنے ساتھ رکھ لو۔ جب بھری تھیلیاں ملیں تو ان کو اٹھالو، اور جب وہ کمین گاہ سے ٹوکیں تو روپے سے خالی تھیلیاں گرا دو۔ اس ترکیب سے ان نوجوانوں کو سزا تو ہو گئی، مگر یہ خود ثقاہت سے گر گئے۔

امام وکیع بڑے محدث تھے مگر ان کے والد سرکاری محکمہ کے خزانچی تھے۔ محض اس منصب کی بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں جب تک ان کو کوئی دوسری روایت نہیں ملتی، تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب)

مسلمان اور صرف مسلمان کو آج اس کا فخر اور بجا فخر ہے کہ راویوں کی حالت کی تحقیق اور چھان بین کے لیے اس نے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا، جس سے ہر زمانہ میں ہر روایت کے مستند اور غیر مستند ہونے کی تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اسی اسماء الرجال کے متعلق جرمن کے مشہور عربی داں فاضل نے اصابہ کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر تاریخ اور تحقیق کی عدالت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی تاریخ اور ان کے عہد کے واقعات کی تاریخ اپنے جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔ نیز مسلمانوں کے پاس اسماء الرجال کے فن پر ایسی بہترین کتابیں موجود ہیں جن کے ذریعہ

سے عہد نبوت اور عہد صحابہ کے رجال اور واقعات کی آج بھی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے عہد رسالت اور عہد صحابہ کے آثار، اخبار اور واقعات جمع کرنے میں اور ان کی حفاظت کرنے میں جو بیش بہا خدمات انجام دیں، وہ دنیا کے کسی گروہ اور کسی عہد کے متعلق آج تک انجام نہیں دی گئیں۔

پھر ان آثار و حالات اور واقعات کے جمع کرنے میں اور حفاظت کرنے میں اور رطب و یابس کو چھانٹنے میں تخریج و تنقید اور تنقیح کے جو اصول قائم کیے اور عملاً جو طریقے اختیار کیے، ان کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل انسانی نے ان سے بہتر طریقے اور اصول اور بلند معیار نہ آج تک دریافت کیے، نہ استعمال کیے۔ یہ خصوصی شرف صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ تحقیق و تنقیح کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع اور زیادہ سے زیادہ بلند معیار جو انسان کے امکان میں تصور کیے جا سکتے ہیں، وہ سب اس گروہ نے اختیار کیے اور پوری قوت ایمانی اور جرات کے ساتھ حکومت کے مقابلہ اور تلوار کے سایہ میں اپنی تنقیح اور تحقیق کے نتائج کے متعلق اعلانات بھی کیے۔

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ "سیرۃ النبی" میں جب اس خصوصیت کی نشاندہی کرنے لگے ہیں تو ان کا محتاط قلم تاریخی ذمہ داریوں کے ساتھ اس حقیقت کے اجاگر کرنے میں مجبور ہو گیا کہ

"فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی، جنہوں نے پورے نوے (۹۰) برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں بر سر منبر حضرت علی پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں اور ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل کی بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانہ میں محدثین نے منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں--- آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ اور عباسیہ، جو

ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے"۔ (سیرۃ النبی، ص ۶۴، ج ۱)

حکومت کے اثر کے بعد دوسرا درجہ درہم و دینار کا ہوتا ہے کہ "زر بر سر فولاد منجد نرم شود" مگر ان کا کردار اتنا بلند ہوتا تھا کہ ان پر یہ درہم و دینار بھی اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ امام معاذ بن معاذؒ کو ایک شخص نے دس ہزار دینار، جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں۔ یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں۔ انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔ (تہذیب التہذیب)

تاریخ کی ایک عجیب بات: عیسائیوں اور یہودیوں کو یقیناً یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں مگر تاریخ کی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ یہودیت اور عیسائیت کے سربراہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے متعلق ان کے پاس تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ یعنی ایسی کوئی کتاب نہیں جس کو تاریخ کی عدالت میں تاریخ کی کتاب کہا جا سکے۔ ان کی زندگی تاریخ کا ماخذ اگر بنایا جا سکتا ہے تو وہ عہد عتیق اور عہد جدید ہیں۔ مگر بدقسمتی سے تحریف کے ہاتھوں دونوں ناقابل اعتماد ہو کر رہ گئے ہیں، جن کا اب اعتراف خود اہل علم عیسائی مصنفین و مورخین اور مذہب کے مقدس ذمہ دار پادریوں کو بھی ہے اور جب کبھی تورات و انجیل کی حفاظت پر تاریخی ثبوت کا ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ اس میں ناکام رہتے ہیں۔

تعلیمی عہد کا ایک واقعہ: میں جب جامع العلوم کانپور میں استاد العلماء حضرت استاذی مولانا غلام یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھ رہا تھا۔ ایک اتوار کو اس شوق میں کہ دیکھیں عیسائی حضرات کس طرح نماز پڑھتے ہیں، عبادت کے گھنٹہ میں گرجا گھر چلا گیا۔ دربان نے ردوکد کے بعد اجازت دے دی۔ عبادت کے فریضہ سے فارغ ہو کر پادری صاحب، جو نہایت خوش اخلاق تھے، مجھ کو دیکھ کر اخلاق سے ملے اور پوچھا:

"مولوی صاحب! کیسے آنا ہوا؟"

میں نے کہا "جناب پادری صاحب! اس اشتیاق میں آ گیا کہ دیکھوں آپ لوگ کس

طرح عبادت کرتے ہیں اور کس طرح نماز پڑھتے ہیں؟"

پادری صاحب نے کہا "یہ آپ کی بڑی فراخ دلی ہے کہ آپ کے دل میں ایسا پاک جذبہ ابھرا اور اس کے لیے زحمت گوارا کی"۔

میں نے کہا "پادری صاحب! عبادت الٰہی تو جملہ ادیان کی مشترک چیز ہے' اس لیے ایک دوسرے کے طریقہ عبادت سے باہم وقوف و اطلاع اہل دین کی حیثیت سے باہمی معاشرت کا ایک خوشگوار باب ہے"۔

پادری صاحب نے فرمایا "یہی تو وجہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح کی پاکیزہ تعلیم کا یہ خصوصی شرف ہے کہ آپ نے پوری فراخ دلی سے اپنے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ اچھی چیز جہاں بھی ملے اس کو لو۔ اس میں عصبیت کو راہ نہ دو"۔

میں نے کہا "بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیم نہایت پاکیزہ ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ عیسائیت کا یہ خصوصی شرف ہے۔ ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اچھی چیز کے بارے میں اس سے بھی زیادہ اونچی تعلیم دی ہے"۔

پادری صاحب نے پوچھا "محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وہ کیا تعلیم ہے؟"

میں نے کہا "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کلمة الحکمة ضالة المومن اچھی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ مطلب یہ کہ اچھی بات کو اپنی کھوئی ہوئی چیز کی طرح جہاں کہیں ملے' جھپٹ کر لے لینا چاہیے۔ پھر اس کی نگہداشت کرنی چاہیے"۔ اس کے بعد پادری صاحب نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور تبلیغی مشنری کے روپ میں آکر پوچھا:

"مولوی صاحب! آپ لوگوں کا تورات اور انجیل کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟"

میں نے کہا "اسلامی عقیدہ ان دونوں کے بارے میں یہ ہے کہ یہ دونوں خدا کی الہامی کتابیں ہیں"۔

پادری صاحب نے کہا "تو پھر آپ کا ان کے عقائد اور احکام پر عمل کیوں نہیں ہے؟"

میں نے کہا "پادری صاحب! تورات و انجیل سے میری مراد وہ تورات و انجیل نہیں ہیں' جن کو عہد عتیق اور عہد جدید کے نام سے آپ ہم کو دیتے ہیں' یہ تو ہمارے اسلامی عقیدہ میں محرف ہیں' اصلی کتابیں نہیں ہیں"۔

یہ سن کر پادری صاحب کے چہرہ پر جو بشاشت کھیل رہی تھی' وہ یک بیک جاتی رہی اور ناگواری اور برہمی کے آثار پیدا ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا یہ برا ہوا۔ اب پادری صاحب اکھڑ جائیں گے۔ چنانچہ پادری صاحب نے برہم ہو کر کہا:

"مولوی صاحب! یہی تنگ دلی آپ لوگوں میں ہے جو کسی اچھی بات کو قبول کرنے نہیں دیتی اور آپ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کا یہ حکم ہے کہ ہر اچھی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ اس کو لے لینا ہی چاہیے"۔

میں نے سنبھل کر پوری متانت کے ساتھ عرض کیا "تو کیا پادری صاحب! ایسی بات نہیں ہے کہ تورات و انجیل دونوں کی دونوں محرف ہیں"۔

پادری صاحب نے گرم اور تند لہجہ میں فرمایا "ہرگز نہیں' اگر آپ اگلے اتوار کو صبح سات آٹھ بجے آجائیں تو اس کے بارے میں' میں آپ کو درس دوں گا کہ تاریخی حیثیت سے تورات و انجیل دونوں اپنی اصلی حالت میں ہیں اور غیر محرف ہیں۔ اور یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے کہ دونوں محرف ہیں۔ چاہے یہ اسلامی عقیدہ ہو یا قرآنی دعویٰ ہو"۔

اب میں دل میں پچھتایا کہ بری طرح پھنس گیا۔ میں تنہا ہوں اور پادری صاحب کی ہر بات پر بالجہر آمین کہنے والے بیسیوں اشخاص کھڑے ہیں۔ میں نے بات کاٹ کر پادری صاحب سے کہا کہ "اب تو شام ہو گئی' مغرب کی نماز کا وقت قریب آگیا' آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس وقت تو میں جاتا ہوں' اگلے اتوار کو آپ کے اس تاریخی درس سے استفادہ کے لیے ضرور حاضر ہو جاؤں گا"۔

پادری صاحب نے کہا "دیکھو مولوی صاحب! ضرور آنا تاکہ آپ کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے اور آپ کو قرآنی دعویٰ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور ہر اچھی بات کو اپنی کھوئی ہوئی چیز سمجھ کر قبول کر لینے کا عملی ثبوت بھی مل جائے"۔

اب جو میں وہاں سے چلا تو ایک طرف اپنی اس حرکت پر پشیمان تھا کہ کیوں خواہ مخواہ گرجا گھر آیا' دوسری طرف پادری صاحب کے چیلنج پر ایمانی غیرت میں تلاطم برپا تھا۔ اس پشیمانی اور غیرت ایمانی کے ملے جلے جذبات میں کھویا ہوا مدرسہ پہنچا۔ رات کو بعض ہم درس ساتھیوں سے تذکرہ کیا تو انہوں نے بجائے ہمدردی کے بری طرح لتاڑا اور مذاق اڑایا کہ بیٹھے بٹھائے آپ پر کیا جنون سوار ہوا کہ گرجا گھر کی سیر میں مبتلا

ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ تم دین کے نادان دوست ہو، تخفیف دین کے مجرم ہو۔ تم نے اپنے کو نہیں قرآن کو چیلنج کا نشانہ بنایا ہے۔ کسی نے کہا، جب تم میدان مناظرہ کے مرد نہ تھے تو یہ وعدہ کیوں کیا کہ اگلے اتوار کو آؤں گا۔ تم کو معلم اخلاق حضرت شیرازی کی یہ نصیحت یاد نہ رہی۔

دگر گر نہ داری طاقت نیش
مکن انگشت در سوراخ کژدم

کسی نے کہا، تم کو قرآن کی یہ آیت بھی یاد نہ رہی

ولا تقف ما لیس لک بہ علم

"جس کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو"۔ (سورہ بنی اسرائیل، ع ۴، پ ۱۵)

دوستوں کے طعنہ ہائے دل خراش نے پشیمان تر بنا دیا۔ مگر غیرت ایمانی نے اس کے لیے نئی راہ کھول دی۔ اب میں اس کے لیے تیار ہو گیا کہ قرآن مجید کی ان تمام آیتوں کو جمع کر لوں، جس میں اہل کتاب کے ہاتھوں تحریف کا ذکر ہے۔ پھر اس دعویٰ کی حقیقت کو سمجھوں جو قرآن نے تحریف کے باب میں کیا ہے اور تفسیروں کی مدد سے ان دلائل کو جمع کر لوں، جن سے تحریف کا ثبوت دیا جا سکے۔ درس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ یہ مشغولیت بھی جاری رہی، یہاں تک کہ یوم المیعاد آ گیا اور تفسیروں سے، جو ہمارے درس نظامیہ کے نصاب میں تھیں، اپنے پلے کچھ نہ پڑا کیونکہ ان کے نزدیک مسئلہ تحریف ایک مصدقہ حقیقت تھی، اس لیے اس کے متعلق کسی دلیل کے ذکر کی ان کے نزدیک حاجت نہ تھی۔ مجبوراً میں نے انجیل کا ایک نسخہ حاصل کیا اور مطالعہ کر کے رومال میں لپیٹ کر احتیاطاً اپنے ساتھ رکھ لیا اور دل میں حسن ظن میں مبتلا تھا کہ ہم تو اس لیے جا رہے ہیں کہ پادری صاحب تورات و انجیل کی حفاظت پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالیں گے اور ہم استفادہ کریں گے۔ چلتے وقت قضاء مبرم کی طرح ہمارے ملامت گر اور ان کی وجہ سے دو چار نوجوان شہر کے بھی، جو بحث و مباحثہ سے دلچسپی رکھتے تھے، خواہ مخواہ ساتھ ہو گئے۔ اس طرح بے پروا نوجوانوں کا ایک قافلہ، جن کی تعداد ایک درجن سے کم نہ تھی، گرجا گھر پہنچا۔ میں دل ہی دل میں اس پر بھی پشیمان تھا کہ یہ برا ہوا، پادری صاحب پر اس کا اثر اچھا نہیں پڑے گا۔

پادری صاحب ذرا دیر سے پہنچے۔ مگر پہنچتے ہی انہوں نے اپنا وسیع کمرہ کھول دیا اور ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سامنے ایک کرسی پر، جو میز کے سامنے تھی اور اس پر چھوٹے بڑے رجسٹر رکھے ہوئے تھے، پادری صاحب بیٹھ گئے۔ پہلے انہوں نے ایک نگاہ ہم لوگوں پر ڈالی اور ہم نے محسوس کیا کہ ان کا تیور بدل گیا ہے۔ شاید وہ سمجھے کہ یہ قافلہ اس لیے تیار ہو کر آیا ہے کہ ان کے گرجا گھر کو مناظرہ کا اکھاڑہ بنا دے۔ اب وہ عیسائی مشنری کے رحم دل، منکسر مزاج، نرم خو، شیریں مقال فرشتہ صفت، روایتی پادری نہ تھے، بلکہ بالکل شاطر مناظر کے روپ میں تھے۔

پادری صاحب نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ آپ لوگ اتنے آدمی ہیں، ہر شخص گفتگو میں حصہ لے گا تو اس طرح سنجیدگی کے ساتھ کوئی علمی بات نہ ہو گی بلکہ ہنگامہ اور گاؤں کی پنچایت ہو جائے گی اور بے سود ہو گی، اس لیے آپ لوگ گفتگو کے لیے اپنے میں سے ایک آدمی کا انتخاب کر لیں۔ اس پر قافلہ والوں نے ایک آواز ہو کر جلدی سے کہہ دیا کہ یہ مولوی عبدالصمد رحمانی گفتگو کریں گے۔ مجھ کو اپنی کرسی چھوڑ کر قافلہ سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ جانا پڑا۔

پادری صاحب نے فرمایا "مولوی صاحب! کیا یہ سچ ہے کہ قرآن کتب مقدسہ تورات و انجیل کو محرف قرار دیتا ہے؟"

میں نے کہا "ہاں پادری صاحب! یہ سچ ہے۔ قرآن نے اہل کتاب پر جا بجا یہ الزام لگایا ہے"۔

(۱) وَلَا تَلْبِسُوا[۱۳] الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ)

"(اے اہل کتاب) حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو"۔

(۲) أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرہ)

"کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ یہود ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں ایک فرقہ تھا جو رات کو سنتا تھا پھر سمجھنے بوجھنے کے بعد تورلت میں تحریف کرتا تھا

اور علم و دانست کے باوجود کرتا تھا"۔

(۳) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُوْنَ (بقرہ)

"افسوس ہے کہ ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر (لوگوں) سے کہتے ہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے اتری ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے کچھ مال حاصل کریں۔ پس افسوس ہے ان کے لیے اس سبب سے کہ ان کے ہاتھوں نے لکھا۔ اور افسوس ہے ان کے لیے اس مال کے سبب سے جو وہ کماتے ہیں"۔

(۴) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ)

"یہ لوگ توراۃ کے الفاظ کو ان کی جگہ سے بے جگہ کر کے تحریف کرتے ہیں"۔

(۵) وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (بقرہ)

"اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے جو تورات پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو موڑ لیتا ہے (یعنی تورات کے اصل الفاظ سے زبان کو موڑ کر محرف کلمات کو پڑھ دیتا ہے) تاکہ تم ان کے محرف کلمات کو تورات کا جز سمجھو۔ حالانکہ وہ تورات کے جز نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے اترے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں سے نہیں (اترے) ہیں۔ اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔

پادری صاحب: "تو ان آیات کی بنا پر قرآن کا دعویٰ ہوا کہ کتب مقدسہ میں تحریف کی گئی ہے؟ اور اب وہ اپنی اصلی حالت پر محفوظ نہیں ہیں؟"

میں نے کہا: "جی ہاں! قرآن کی ان آیتوں کا یہی مطلب ہے"۔

پادری صاحب: "تو اب اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآن کتب مقدسہ کی تحریف کا مدعی ہے؟"

میں نے کہا: "بے شک قرآن مدعی ہے"۔

پادری صاحب: "تو یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مسلمہ اصول ہے...... البینۃ علی المدعی یعنی یہ مدعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرے"۔

میں نے کہا: "بے شک اسلامی عدالت کا یہی اصول ہے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی ارشاد ہے"۔

پادری صاحب: "تو اب میں کہتا ہوں (اور یہ کہتے ہوئے قرآن مجید طاق سے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا) کہ تورات و انجیل کو محرف کہنے والے پر یہ لازم ہے کہ دو تورات اور دو انجیل پیش کرے اور اس کے ذریعہ سے یہ بتائے کہ ان کی اصلی حالت یہ تھی، اب بدلنے کے بعد یہ ہوگئی ہے۔ یعنی کسی میں ایک ہی مقام کی عبارت زیادہ ہے اور دوسرے میں کم ہے۔ کسی میں ایک لفظ ہے، کسی میں نہیں ہے۔ بغیر اس کے تحریف کا ثبوت ناممکن ہے ورنہ دیکھئے یہ قرآن ہے، میں کہتا ہوں یہ محرف ہے، تو کیا آپ فقط اس دعویٰ پر قرآن کو محرف مان لیں گے یا آپ ہم سے مطالبہ کریں گے کہ آپ اس کی تحریف یعنی کمی بیشی پر دلیل لائیں؟"

میں نے کہا: "پادری صاحب! یہ تو مسلم ہے کہ دلیل لانا اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا مدعی پر لازم ہے مگر یہ مسلم نہیں ہے کہ مدعی کو پابند کر دیا جائے کہ تم دعویٰ کو اس طرح ثابت کرو، اور اس طرح کی دلیل سے ثابت کرو۔ میرے ذمہ یہ لازم ہے کہ تورات و انجیل کے محرف ہونے پر دلیل پیش کروں اور تحریف تورات و انجیل کے دعویٰ کو ثابت کروں۔ مگر مجھ پر یہ لازم نہیں ہے کہ تورات و انجیل کی تحریف ثابت کرنے کے لیے دو تورات اور دو انجیل پیش کروں اور یہ دکھلا دوں کہ ایک میں ایک ہی مقام کی عبارت میں زیادتی ہے اور دوسرے میں کمی ہے اور کسی میں کوئی خاص لفظ ہے اور کسی میں نہیں ہے یا ایک ہی واقعہ ہے لیکن اس کا انتساب ایک میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اور دوسرے میں زکریا علیہ السلام کی طرف ہے"۔

پادری صاحب: "مولوی صاحب! کسی کتاب کی تحریف بغیر اس صورت کے، جس کو

میں نے پیش کیا ہے، ثابت نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس صورت کے سوا کوئی دوسری صورت ہو سکتی ہو تو آپ مجھے بتائیں"۔

میں نے کہا: "پادری صاحب! اس کی تو بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے ہاتھ سے ایک کتاب ابھی ابھی آپ کے سامنے اس دعوے کے ساتھ ملے کہ یہ کتاب منظوم ہے، اس میں کہیں نثر نہیں ہے۔ از ابتدا تا انتہا نظم ہی نظم ہے اور اسی وقت اس کتاب کو کھول کر دیکھیں اور اس کے اندر دو ورق میں نثر ہی نثر پائیں۔ تو اس کے اندر یہ دو ورق نثر کا پایا جانا، یہ خود ایسی اندرونی شہادت ہوگی یا نہیں؟ کہ یہ کتاب محرف ہے۔ اس میں تحریف و تبدیل ہوئی ہے۔ پس اسی طرح تورات وانجیل کے اندر ایسی اندرونی (۱۴) شہادت موجود ہو جو پکار پکار کر کہہ رہی ہو کہ ہم محرف ہیں، تو پھر کیوں تحریف ثابت نہیں ہوگی۔ رہا تورات وانجیل کے اندر سے ایسی اندرونی شہادت پیش کرنی، جو خود پکار کر کہہ دے کہ اس میں تحریف و تبدیل ہوئی ہے، وہ میرے ذمہ ہے۔ آپ فرمائیں گے تو میں اندرونی شہادت پیش کر دوں گا، پہلے آپ اس اصول کا اعتراف تو فرمالیں"۔

پادری صاحب نے یہ سن کر گھڑی پر نگاہ ڈالی اور فرمایا "مولوی صاحب! دس بج گئے۔ میری فرصت کا وقت ختم ہو گیا۔ آج مہینہ کی پہلی تاریخ ہے اور مجھ کو ابھی تنخواہ دینی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے کرسی کا رخ بدل کر میز پر رکھے ہوئے رجسٹر کھول کر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اب مجلس کی صورت حال عجیب ہو گئی۔ ہم لوگ پادری صاحب کے ساتھ مشغول اور پادری صاحب رجسٹر کے ساتھ مشغول۔ بالاخر جب دس پندرہ منٹ اس انتظار میں گزر گئے تو میں نے نرم لہجہ میں سنجیدگی سے کہا "پادری صاحب! دس بج چکے ہیں، گرمی کے دن ہیں، دھوپ کی شدت ہے، ہم لوگوں کو جانا ہے جو یہاں سے کافی دور ہے۔ آپ کم سے کم ہمارے پیش کردہ اصول کے متعلق تو اظہار خیال فرمادیں۔ باقی بحث اگر آج آپ کو فرصت نہیں ہے، اگلے اتوار کو ہوگی۔ پھر آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ تورات وانجیل کی حفاظت پر ہم تاریخی حیثیت سے درس دیں گے۔ اس کے متعلق تو آپ نے ایک حرف نہیں فرمایا"۔

اس پر پادری صاحب نے رخ بدل کر فرمایا: "معاف فرمایئے گا، بے شک شدت کی گرمی ہے، باتوں میں اس کا خیال نہ رہا کہ میں آپ کو شربت پلاؤں"۔ یہ کہتے ہوئے

فوراً حکم دے دیا کہ جلد سے جلد شربت لاؤ۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "اب میرے پاس گفتگو کے لیے بالکل وقت نہیں ہے۔ باقی آئندہ کی بات تو جب میں آپ کو اطلاع دوں، اس وقت تشریف لائیں۔ بغیر اطلاع کے آنے کا قصد نہ کریں"۔ اتنے میں برف سے بجھا ہوا شربت آگیا۔ پادری صاحب نے بڑے تپاک سے ہم لوگوں کو پلایا اور ہم لوگ شربت کا شکریہ ادا کر کے واپس چلے آئے اور تورات وانجیل کی حفاظت پر تاریخی درس نہ اس روز پادری صاحب نے دیا، نہ اس کے بعد اس کا موقع عنایت فرمایا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب تاریخ کی بحث آتی ہے تو اسلام، اسلامی کتاب قرآن، اسلام کے سربراہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی عظمت کے سامنے ساری دنیا کی اقوام کو اپنے دین اور اپنے جملہ دینی دعاوی کے حق میں اصفہانی کی زبان میں یہ کہنا پڑتا ہے

ان بخت نداریم کہ ہم بزم تو باشیم
ماؤ سر راہ تو، واہے و نگاہے

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کے حالات معلوم ہیں۔ (وہ بھی تحریفی ماخذ سے، تاریخی ماخذ سے نہیں--- عبدالصمد رحمانی) فارس کے مصلحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں۔ ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے، اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ کے تین سو برس بعد عالم وجود میں آئی۔ (جو آج اپنے احبار کے ہاتھوں محرف ہو کر مجروح و مخدوش ہے-- عبدالصمد رحمانی) (سیرۃ النبی، ص ۳، ج ۱)

مصلحان فارس کی زندگی شاہنامہ میں اور رہنمایان ہندوستان کی زندگی رامائن اور مہابھارت کے افسانوں میں جو کچھ ہے، اس سے رونق بزم، گرمی محفل کا کام تو لیا جا سکتا ہے مگر اس سے نہ تو ہدایت و رہنمائی کا کام لیا جا سکتا ہے، نہ اس کو حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیل راہ بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے سب سے پہلی اور ضروری چیز واقعیت کی جوہریت ہوتی ہے، جو ان میں مفقود ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل

کی زندگی، جو عہد عتیق اور عہد جدید کے محرف دستاویز میں مشتبہ اور ناقابل اعتماد بن کر رہ گئی ہے، ایمان و ایقان کی بنیاد بنانے کے لیے کسی طرح بھی مستند نہیں قرار دیے جا سکتے ہیں۔

زردشت کی تاریخی زندگی کا کیا حال ہے؟ مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے ردوکد میں بسر ہوچکا ہے۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا۔ بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گستاشپ والا قصہ تسلیم کرلیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار قبل مسیح قرار دیا۔ بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھادی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر، بعضوں نے خراسان، بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا، لیکن اب بیسویں صدی کی ابتداء سے اکثر محققین تاریخ گلڈنر کی رائے پر متفق ہوگئے ہیں کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گستاشپ والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مراد وہی گستاشپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا، جسے اوستا کے حصہ "ویندی راو" میں "اریانہ ویجو" سے تعبیر کیا ہے۔ البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گستاشپ تھا۔ اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیے"۔ (ترجمان القرآن، ص ۴۱۵، جلد ۲)

یہ تو زردشت کی ہستی کا حال ہے۔ زردشت کی تعلیم اور اس کا دین آج جس شکل میں ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ مولانا رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے ردعمل سے نہ محفوظ رہ سکی، اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے نہ بچ سکی۔ خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ ازسرنو

مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی"۔ (ترجمان القرآن، ص ۴۱۶، جلد ۲)

پھر آگے چل کر مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہوگیا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انٹانین شہنشاہ روم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کرلی ہے۔ پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں، بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ استخر میں جل کر راکھ ہوگیا۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا، وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا۔ یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہوگیا"۔ (ترجمان القرآن، ص ۴۱۸، جلد ۲)

بہرحال انبیاء بنی اسرائیل ہوں، یا مصلحان فارس ہوں، یا رہنمایان ہند ہوں، کسی کی زندگی کے سر پر واقعیت کا تاج نہیں ہے۔ ان کے افسانوی قبا اور محرف چغہ میں اصل حقیقت کا ایک تار بھی استناد کے ساتھ حقیقت جو نگاہ کو دیدہ ریزی کے بعد بھی نہیں ملتا۔ اور علمی عدالت نے تاریخ کے نام پر افسانہ کو یا اس جیسی چیز کو نہ کبھی قبول کیا ہے اور نہ آج کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کی جوہریت میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا کہ حق و باطل کی حقیقت میں ہوتا ہے۔

بودھ مذہب کے بانی کی زندگی تاریخ کا جز بن سکی؟ اور آج تاریخی حیثیت سے ہمارے اطمینان کے لیے کوئی قابل اعتماد چیز ہے؟ تو واقعیت کہتی ہے کہ میرا دامن اس سے خالی ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ جن کا قلم تاریخی مباحث میں ارباب علم کے یہاں مستند اور بے انتہا محتاط تسلیم شدہ ہے، وہ بھی اس کے لکھنے پر

مجبور ہو گیا کہ:

"قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشیا وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیا وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا مگر تمام ایشیا اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب اور اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے۔ لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بودھ کے زمانہ وجود کی تعیین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے۔ جینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے"۔ (خطبات مدارس)

پھر دوسری جگہ لکھا ہے:

"آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں مگر بایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بودھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ہم ان ہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہو گی"۔

تاریخ کی بحث کو ہم ایک انگریزی کتاب کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں جس کو علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خطبات مدارس کے ص ۶۵ میں نقل کیا ہے۔ ریورنڈ باسورتھ اسمتھ فیلو آف ٹرینٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمد اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لیکچر دیے تھے اور جو

کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے۔

"جو کچھ عام طور پر مذہب کی ابتدا نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے، وہی بد قسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے ابتدائی اور اولین کارکنوں کی نسبت بہت کم --- اور ان کی نسبت، جنھوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔

ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور بہت قریب بھی۔ ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔ لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع، یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔

لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمد ﷺ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی، فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے"۔ (۱۴،۱۵-۱۸۸۹ء)

تاریخ اور افسانہ کا فرق: پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ تاریخ کا مطالعہ کیوں

کیا جاتا ہے؟ قرآن یہ کہتا ہے کہ گزشتہ اقوام و ادوار کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہیے کہ آئندہ کے لیے عبرت حاصل کی جائے یعنی جو کچھ گزر چکا ہے، وہ آئندہ کے لیے ذخیرہ بصیرت ہے اور ماضی ایسا آئینہ ہے جس میں مستقبل کی صورت دیکھ لی جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ مادیات کی خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ہیں۔ یعنی جس طرح آگ کا خاصہ جلانا ہے، جو اس کے ساتھ ہمیشہ قائم رہا ہے اور اس وقت بھی قائم ہے، تو مستقبل کے متعلق بھی ہم اس اذعان و یقین پر مجبور ہیں کہ اس میں یہ خاصہ قائم رہے گا، چاہے اس کو دنیا کے کسی گوشہ میں اور کسی زمانہ میں جلایا جائے اور چاہے اس کا جلانے والا کوئی ایشیا کا رہنے والا ہو یا یورپ کا رہنے والا ہو یا دنیا کے کسی گوشہ کا ہو، پھر چاہے وہ ملحد ہو، منکر ہو، موحد ہو، بت پرست ہو۔ حاصل یہ کہ آگ کا خاصہ جو ماضی میں تھا، وہی حال میں بھی ہر شخص کو نظر آتا ہے اور اس ماضی اور حال کے آئینہ میں ہر مستقبل کی آگ کے خاصہ کو اور اس کے اثر کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے متعلق اپنا فیصلہ اور قطعی رائے دے سکتا ہے۔

یہی حال انسان کے اعمال کا ہے۔ ہر عمل کے دامن میں فطری قانون کام کر رہا ہے، جس نے اس کے ساتھ ایک نتیجہ اور اثر کو باندھ دیا ہے۔ اس لیے جب یہ عمل ہوگا تو اس کے ساتھ اس نتیجہ اور عمل کا ظہور و نمود ہوگا جو قانون قدرت نے اس کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ کیونکہ فطرت کے مقررہ قوانین غیر متبدل ہوتے ہیں، یکساں ہوتے ہیں، عالمگیر ہوتے ہیں، اس لیے جس عمل سے جو نتیجہ ماضی میں ظہور ہو چکا ہے، وہی حال میں ہوگا اور وہی مستقبل میں بھی ہوگا۔

اس لیے تاریخ میں کسی عمل کا کوئی نتیجہ مذکور ہوتا ہے تو صاحب نظر اس ماضی کے آئینہ میں اپنے حال اور مستقبل کو دیکھتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں اور اپنے لیے دلیل راہ بناتے ہیں۔ پس تاریخی سرگزشتیں اور وقائع صحیح معنوں میں دلائل و براہین ہوتے ہیں، اس لیے قرآن میں ان کے متعلق جہاں یہ کہا گیا ہے کہ:

جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (ہود، ع۱، پ۱۲)

"تیرے پاس ان سرگزشتوں میں امر حق آگیا اور نصیحت و موعظت بھی آ گئی اور مومنوں کے لیے یاددہانی بھی آ گئی"۔

ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (ابراہیم)

"اللہ کے پیدا کردہ حادثات و واقعات سے نصیحت۔۔۔ کرو۔ ان سرگزشتوں میں صابر اور شاکر انسان کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں"۔

اب گزشتہ وقائع کو، جو ہمارے لیے ذخیرۂ بصیرت ہیں، کیسا ہونا چاہیے؟ تو یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ ان کو حقیقی اور واقعی ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ واقعی نہ ہوں گے تو ان کے جو نتائج وابستہ کیے ہوئے ملیں گے، وہ بھی واقعی نہ ہوں گے اور جب وقائع اور نتائج دونوں واقعی نہیں ہوئے بلکہ فرضی اور خیالی ہوئے یا مشتبہ ہوئے تو وہ اس قابل نہ رہے کہ ان کو ذخیرۂ بصیرت بنایا جائے یا لائق پیروی سمجھا جائے اور عملی زندگی کی اس پر بنیاد رکھی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو وہ خواہ کسی قدر موثر انداز میں ہی کیوں نہ پیش کیا جائے، کوئی شخص اس کو قابل عمل اور لائق پیروی نہیں سمجھے گا۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جس پر روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے۔

افسانہ، جس کو تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، چونکہ سراسر فرضی اور خیالی قصہ ہوتا ہے، اس لیے کوئی انسان اپنی عملی زندگی کے لیے اس کو بنیاد نہیں بناتا ہے اور نہ طبیعتوں میں اس کے متعلق احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نہ باعتبار واقعیت و صداقت کے اور نہ باعتبار نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہونے کے دل پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کبھی گرمی محفل اور کبھی وقت گزاری اور کبھی تفریح خاطر کے لیے انسان فرضی قصوں سے جی بہلا لیتا ہے۔

بہرحال کسی بڑے سے بڑے شخص کی زندگی کو جب تاریخی معیار سے گرا کر افسانہ بنا دیا جائے گا اور بے سروپا باتیں اس کی زندگی کی طرف انتساب کر دی جائیں گی تو وہ زندگی نہ قابل استناد رہے گی، نہ قابل اعتبار رہے گی، نہ لائق اسوہ رہے گی، نہ ذخیرۂ بصیرت بنے گی اور نہ یہ دلیل و برہان بنے گی۔ کیونکہ افسانہ بن جانے کے بعد رائی پربت بن جاتی ہے اور قطرہ سمندر بن جاتا ہے، پھر اس کے تلاطم میں پہاڑ کے برابر حباب سر اٹھا کر پانی کی سطح پر تیرنے لگتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عنہ کی تاریخ اور ان کا فسانہ ہے۔

تاریخی استناد کے ساتھ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے واقعات جو اسماء رجال اور سیر کی کتابوں اور احادیث کے متفرق ابواب میں محفوظ ہیں، وہ ایک آدھ جز سے زیادہ نہیں ہیں، مگر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی یہی تاریخی زندگی جب فسانہ بنی تو ایک سو جز کی کتاب بن گئی، جو آج داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا کی شکل میں موجود ہے۔ اندازہ کے لیے ہم مختصر نمونہ ذیل میں پیش کرتے ہیں جس سے تاریخ اور فسانہ کا فرق اجاگر ہو کر سامنے آ جائے گا اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ تاریخ کی عمارت کی بنیاد جس قدر ٹھوس اور مضبوط ہوتی ہے، فسانہ کی عمارت کی بنیاد اسی قدر وہم اور فرضی تخیلات اور بے سروپا، من گھڑت اور غیر واقعی باتوں پر ہوتی ہے، جن کی تخلیق قوت متخیلہ کی مدد سے زیب داستان کے لیے کی جاتی ہے۔ افسانہ نویس کا جی جتنا پھیلانا چاہتا ہے پھیلاتا ہے۔

حضرت امیر حمزہ کی تاریخ اور ان کا افسانہ

اسماء رجال، سیر، تاریخ، حدیث کا بیان ہے کہ حضرت ثوبیہؓ نے، جو ابولہب کی لونڈی تھیں، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔

اب جب یہ افسانہ بنا تو یہ ہوا کہ بزرجمہر، جس کو نوشیروان نے آپ کے والد کے پاس بھیجا تھا، جب یہ پیدا ہوئے تو حمزہ نام رکھا اور کہا کہ عادیہ بانو معدی کرب کی ماں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں مشرف باسلام کر کے حمزہ کو دودھ پلانے کے لیے بھیجا ہے، اس کو لے آئیں، چنانچہ وہ لائی گئیں اور حضرت حمزہؓ ان کے سپرد ہوئے۔ پھر بزرجمہر نے کہا کہ چھ دن کے بعد حمزہ کا گہوارہ بالاخانہ پر رکھوا دیجئے گا۔ اس گہوارہ کو کوہ قاف کا بادشاہ، جو پری، جن، دیو، غول کا مسکن ہے، منگوائے گا۔ چنانچہ بالاخانہ پر گہوارہ چھٹے دن رکھا گیا اور اس کو کوہ قاف کے بادشاہ "شہ پال بن شاہ رخ" نے منگوایا۔ گود میں لیا۔ سرمہ سلیمانی آنکھوں میں لگایا۔ دیو، پری، جن، غول، شیر کا دودھ سات روز تک پلوایا۔ پھر ایک گہوارے میں، جس کے ڈنڈے اور پائے زمرد کے تھے اور پٹیاں یاقوت کی اور طرح طرح کے جواہرات بیش قیمت اس میں جڑے ہوئے تھے، اس میں لٹا کر چند لعل شب چراغ ریشم سرخ میں گندھوا کر، گہوارے میں لٹکا کر پری زاد سے کہا، جہاں سے لائے ہو وہاں رکھ آؤ۔

(۲) اسماء رجال، سیر، تاریخ احادیث سے ان کی بیویوں کے جو نام معلوم ہوئے ہیں، وہ تین ہیں: بنت الملۃ، خولہ بنت قیس، سلمیٰ بنت عمیس۔ اب جب یہ فسانہ بنا تو یہ ہوا کہ حضرت حمزہ کی پہلی شادی کوہ قاف کے شہنشاہ کی بیٹی آسمان پری سے ہوئی۔ اس سے ایک لڑکی قریشہ نامی پیدا ہوئی۔ حضرت حمزہ اٹھارہ سال کوہ قاف میں رہے، پھر دوسری شادی شہنشاہ کوہ قاف کے بڑے بھائی کی بیٹی "ریحان پری" سے ہوئی، پھر شہنشاہ نوشیروان کی بیٹی مہرنگار سے ہوئی۔ نکاح بزرجمہر نے پڑھایا۔ سامان عروسی کوہ قاف سے آ کر آسمان پری نے کیا۔ اسی طرح اور شادیوں کا بھی ذکر ہے مثلاً ایک شادی "ناہید مریم" سے ہوئی جو فریدون شاہ والئ یونان کی بیٹی تھیں۔ اسی طرح ایک بیوی کا نام "نارنج پری" تھا۔ ایک بیوی کا نام رابعہ تھا۔ پھر ملکہ مہرنگار کے مرنے کے بعد امیر حمزہ کی شادی ملکہ مہرافروز سے ہوئی جو نوشیروان کی دوسری بیٹی تھیں۔ اسی طرح امیر حمزہ کی اور شادیوں کا بھی ذکر ہے۔

(۳) اسماء رجال، سیر، تاریخ، حدیث کا متفقہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں دار ارقم میں مقیم تھے، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور آخری دم تک اسلام کے خدمت گزار اور فداکار رہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ عمر میں دو تین سال بڑے تھے، اس لیے اس زمانہ میں ان کی عمر پینتالیس، چھیالیس سال کی ہوگی۔

اب افسانے کی زبان سے ان کی اسلام کی خدمت گزاری اور اسلامی تعلق کا حال سنئے کہ کس وقت سے اس کی ابتداء ہوئی۔

امیر حمزہ نے چھٹے سال میں قدم رکھا تھا کہ ان کے ایک عزیز دوست عمرو عیار نے خبر دی کہ گھوڑوں کا سوداگر آیا ہے، چل کر دیکھئے۔ وہاں گئے تو دیکھا کہ ترکی، تازی، ہندی، نجدی ہر قسم کے گھوڑے بندھے ہیں۔ ایک گھوڑا شامیانہ کے نیچے زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بہت منہ زور ہے، کوئی اس کے پاس جا نہیں سکتا۔ اگر کوئی دس قدم بھی چلا دے تو یہ گھوڑا اس کی نذر کر دیا جائے گا۔ امیر حمزہ جست کر کے اس کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔ گھوڑے نے موزے پر منہ ڈالا، ٹاپیں مارنے لگا، کاندھی دی، پشتک جھاڑا۔ امیر حمزہ نے سر پر ایسا گھونسہ مارا کہ بے تاب ہو کر عرق عرق ہو گیا۔ امیر حمزہ نے اس کو قدم پر لگایا، پھر چھاڑ تک، پھر پوئی، پھر سرپٹ دوڑا۔ چوکڑی کرائی تو گھوڑے

کو ہوا لگی اور پچاس کوس تک بگٹٹ چلا گیا۔ امیر حمزہ نے لنگر دے کر اس کی کمر توڑ ڈالی۔ گھوڑا گر گیا۔ اب وہاں سے پاؤں پاؤں چلے تو پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ قدم اٹھانے کا یارا نہ رہا۔ اسی حال میں دیکھا کہ ایک سوار نقاب پوش آ رہا ہے۔ ایک ابلق رنگ کا گھوڑا، کوتل کے طور پر ہمراہ لاتا ہے۔ اس نے آ کر کہا:

"یہ خنگ حضرت اسحاق علیہ السلام کی سواری کا ہے۔ خدا کے حکم سے تیرے لیے لایا ہوں اور تجھ کو نذر کردہ کرنے آیا ہوں۔ یہ سامنے کا پتھر اٹھاؤ۔ اس میں حسب ذیل تبرکات ہیں:

(۱) پیرہن --- حضرت ابراہیم السلام
(۲) خود --- حضرت ہودؑ علیہ السلام
(۳) زرہ --- حضرت داؤدؑ علیہ السلام
(۴) نیزہ --- حضرت نوح علیہ السلام
(۵) دستانہ --- حضرت یوسف علیہ السلام
(۶) موزہ --- حضرت صالح علیہ السلام
(۷) کمر بند و خنجر --- رستم پہلوان
(۸) صمصام و قمقام --- حضرت برخیا علیہ السلام
(۹) گرز --- سام بن نریمان
(۱۰) نیمچہ --- سہراب
(۱۱) ڈھال --- گرشاشپ

امیر حمزہ نے سب کو نکال کر زیب تن کیا تو یہ نقاب پوش، جو حضرت جبریل علیہ السلام تھے، نظر سے اوجھل ہو گئے۔

گویا چھ برس کی عمر میں حضرت جبریل علیہ السلام کو خدا نے امیر حمزہ کے پاس ان کو نظر کردہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس طرح جبریل علیہ السلام پہلے چھ برس کی عمر ہی میں حضرت حمزہ کے پاس آئے اور تقریباً تینتیس برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ یہ تو اسلامی تعلق کا حال ہوا، اب ان کی اسلامی خدمت کا حال سنئے:

ساتویں سال سہیل یمنی سپہ سالار شاہ یمن کے فوجیوں کے کئی ہزار آدمیوں کو جو مکہ مکرمہ میں خزانہ تحصیل کرنے آیا تھا، مار ڈالا اور سہیل یمنی کا کمر بند پکڑ کر گھوڑے

سے اٹھا لیا تو وہ ہزار پہلوانوں کے ساتھ مسلمان ہوا۔

پھر امیر حمزہ یمن گئے اور وہاں فاتح بن کر اس طرح واپس ہوئے کہ منظر شاہ یمن اور نعمان مسلمان ہو گئے اور تیس ہزار پہلوانوں کے ساتھ امیر حمزہ کی معیت میں مکہ مکرمہ آئے۔ (اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی یمن میں اسلام پہنچ گیا تھا)

یمن سے آنے کے بعد کچھ دنوں پر ہشام بن علقمہ خیبری نے جب مکہ پر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے دھاوا کیا تو امیر حمزہ اپنی فوج کو لے کر مقابلہ کو گئے اور رات کو ہی حملہ کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر ہشام اپنے گینڈے پر سوار ہو کر امیر حمزہ کے مقابل ہوا۔ امیر حمزہ نے ایسی تلوار ماری کہ خود فولادی دو حصے کرتی اور استخواں مغز کے پرخچے اڑاتی، گردن کی صراحی قلم کرتی، سینہ میں پہنچ کر کمر سے نکلی اور نمد زین پر اتر آئی اور گینڈے کی پیٹھ کاٹتی ہوئی پیٹ سے نکل آئی۔ اس کے بعد امیر لشکر پر ٹوٹ پڑے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ کچھ بھاگ گئے اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

(۱) امیر حمزہ کا انطابیہ، انطاقیہ، انطاکیہ جانا اور وہاں کے بادشاہ ہام، سام اور مہوزرین کا اسلام قبول کرنا۔

(۲) امیر حمزہ کا یونان جانا اور وہاں فریدون شاہ کا اسلام قبول کرنا۔

(۳) شداد شاہ حبش کا امیر حمزہ کے ہاتھ سے اسلام قبول کرنا۔

(۴) امیر حمزہ کا ہندوستان آنا اور شہنشاہ ہندوستان ملک لندھور سے سراندیپ میں مقابلہ کرنا اور لندھور کا اسلام قبول کرنا اور امیر حمزہ کے ساتھ جانا--- لندھور کا گرز ایک ہزار سات سو من کا تھا۔

(۵) امیر حمزہ کا کشمیر آنا اور شاہ فرجار سرشباں کا مطیع ہونا اور اسلام قبول کرنا۔

اس طرح کی فرضی خرافات اور لایعنی ہفوات سے داستان امیر حمزہ بھری ہوئی ہے، جن سے سیر، تاریخ اور اسماء رجال وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) اسماء رجال، سیر، تاریخ، احادیث کی مستند کتابیں اس پر شاہد ہیں کہ حضرت امیر حمزہ جنگ احد میں (جو مدینہ منورہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے) وحشی نامی ایک حبشی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے، جو ایک پتھر کے پیچھے تاک میں چھپ کر بیٹھا تھا۔

جب حضرت امیر حمزہ اس کے قریب سے گزر رہے تھے تو اس نے حربہ پھینک کر مارا جو ان کی ناف سے گزر کر پار ہو گیا اور وہ شہید ہو گئے۔

جب ان کی شہادت کا واقعہ افسانہ بنا تو یہ ہو گیا:

پور ہندی کی ماں شاہان ہند، روم، چین، حبش، زنگ بار، ترکستان کو مع فوج لے کر مدائن آئی اور ہرمز بھی مع اپنے لشکر کے اس کے ساتھ ہوا اور یہ سب فوج مکہ کے متصل پہنچی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے چچا حمزہ ان سب کے لیے کافی ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو لے کر کفار کے مقابل ہوئے تو کفار نے اتفاق کر کے مل کر حملہ کر دیا، جس سے لندھور اور امیر حمزہ کے پوتے شہید ہو گئے۔ ایک کافر نے پتھر مار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دانت کو شہید کر دیا۔ امیر حمزہ کو خبر ہوئی تو مسلح ہو کر کافروں کو قتل کرتے ہوئے ہرمز تک پہنچے۔ ہرمز تخت چھوڑ کر بھاگا۔ چار کوس تک امیر حمزہ نے اس کا تعاقب کیا۔ کشتوں کے پشتے باندھ دیے۔ جب مظفر و منصور مکہ مکرمہ واپس آ رہے تھے تو اثناء راہ میں ہندہ، جس کے مادر پدر ہندی تھے، جو کمین گاہ میں بیٹھی تھی، ایسی تلوار اشقر پر لگائی کہ چاروں پیر اس کے قلم ہو گئے اور امیر حمزہ زمین پر گر پڑے۔ پھر اس نے زہر آلود تلوار امیر حمزہ کے سر پر ماری کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۵) تمام کتب سیر اور تاریخ کا متفقہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔

اب جب یہ افسانہ کے روپ میں آیا تو خواجہ عبدالمطلب کو اس وقت تک زندہ رکھا گیا جب تک کہ آپ منصب نبوت سے سرفراز ہو گئے۔ داستان امیر حمزہ میں ہے کہ نوشیروان نے بزرجمہر کی آنکھ میں نیل کی سلائی پھروا دی، جس سے اندھے ہو گئے۔ بزرجمہر نے امیر حمزہ سے کہا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ خاتم النبین نے ظہور کیا ہے، پس مکہ مجھ کو بھیج دو کہ زیارت حاصل کروں۔ امیر حمزہ نے بھیج دیا۔ خواجہ عبدالمطلب نے بزرجمہر سے ملاقات کر کے پیغمبر آخر الزمان کا قدم بوس کرایا۔ بزرجمہر نے نعلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک اٹھا کر آنکھوں سے لگائی، فوراً بزرجمہر کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی طرح کی خرافات اور دور از عقل اور فرضی باتوں کا "داستان امیر حمزہ" مجموعہ ہے۔ مثلاً اس میں ایک جگہ امیر حمزہ کے رضاعی بھائی معدی کرب کی خوراک، جو

ان کو امیر حمزہ کے مطبخ سے ملتی تھی، اس کی مختصری فہرست مذکور ہے۔

ناشتہ: اکیس اونٹ کی نہاری۔

دوپہر کا کھانا: ۲۱ ہرن کا گوشت، ۲۱ دنبہ کے کباب، ۲۱ شیشہ انگوری شراب۔

رات کا کھانا: ۲۱ اونٹ، ۲۱ ہرن، ۲۱ دنبہ، ۲۱ بھینس کا قلیہ، ۲۱ من آٹا کی روٹی۔

میں نے دل پر جبر کر کے محض ایک علمی خدمت کے پیش نظر ان خرافات کو "پیغمبر عالم" میں جگہ دی تاکہ تاریخ جس کی بنیاد، اسناد و روایت پر ہوتی ہے اور افسانہ، جس کی بنیاد سراسر فرضی، خیالی، لایعنی اور غیر واقعی باتوں پر ہوتی ہے، ان دونوں کا فرق اجاگر ہو جائے اور یہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے کہ کیوں علم کے دربار کا یہ فیصلہ ہے کہ ہر وہ سرگزشت، جس کی بنیاد اسناد و روایت پر نہ ہو، چاہے اس کا انتساب بڑی سے بڑی شخصیت کی طرف ہو، نہ وہ قابل اعتماد ہے، نہ لائق استناد ہے، نہ وہ اس قابل ہے کہ اس پر عملی زندگی کی بنیاد رکھی جائے اور اس کی پیروی کی جائے اور اسی حکم میں وہ سرگزشت بھی ہے جو اپنی صحت میں مشتبہ ہو۔

اسی بنا پر محققین کا یہ فیصلہ ہے کہ عہد عتیق اور عہد جدید اس لیے قابل اعتماد نہیں ہیں کہ وہ تحریف کے ہاتھوں مشتبہ ہیں اور اسناد سے بھی محروم ہیں اور رامائن اور مہابھارت اور ان جیسی دوسری کتابیں، ان کی حیثیت داستان امیر حمزہ سے اور طلسم ہوشربا سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے علم و تحقیق کے دربار میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

بہرحال کہانی اور افسانہ کو، محرف اور مشتبہ ماخذ کو جب علم و عقل کے دربار میں اور تاریخ و واقعیت کے حدود میں کوئی جگہ نہیں ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ تاریخ کی عدالت میں نہ انبیاء بنی اسرائیل کے لیے کوئی جگہ ہے، نہ مصلحان فارس اور نہ رہنمایان ہند کے لیے کوئی مقام ہے۔ یہ شرف صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو حاصل ہے، جن کے کارہائے نبوت تاریخی معیار پر صحت کے اونچے سے اونچے اصول پر قلمبند کیے ہوئے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں اور اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے کارہائے نبوت کی حیثیت "پیغمبر عالم" کی تھی۔

پھر کارہائے نبوت کے ساتھ ان کے عہد نبوت کے تمام حالات، اخلاق و عادات بھی تاریخی معیار پر موجود ہیں، جس سے آج بھی دنیا یہ معلوم کر سکتی ہے کہ ان کا طرز زندگی، طریق معاشرت، مذاق طبیعت، گھریلو زندگی اور گھر سے باہر کی زندگی کا کیا حال تھا۔ آپ کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ملنے جلنے، ہنسنے بولنے کی ادا کیا تھی؟ عزیزوں سے، دوستوں سے، دشمنوں سے، ہم مذہب سے اور غیر مذاہب والوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا تھا؟ زہد و تقویٰ، عفت و عصمت، جرات و شہامت، بخشش و کرم، عفو و تسامح، انکسار و تواضع، خودداری و غیرت، استغناء و توکل، صبر و ثبات، عزم و استقلال، ایثار و لطف تبتل الی اللہ کا کیا عالم تھا؟ عدل و انصاف، عظمت و رحمت، فرمانروائی و سپہ سالاری میں کیا مقام تھا؟ مظلومی میں صبر و ثبات، مقابلہ میں عزم و رسوخ، معاملہ میں راست بازی اور دیانت، طاقت و اختیار میں درگزر اور عفو عام، جو آپ کی تاریخی زندگی کے نوادرات سے ہیں، بلا مبالغہ اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی کی شخصی زندگی میں اس طرح جمع ہوئے ہوں، تاریخ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور کسی شخصیت کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کی شخصی زندگی میں یہ اوصاف اس طرح جمع ہوئے ہوں--- ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

مذاہب عالم کے مقدس صحیفے: اب یہی سوال اگر مذاہب عالم کے مقدس صحیفوں سے پوچھا جائے کہ تمہارے رسولوں میں سے کون رسول ہے جو خدائے عالم کی جانب سے "پیغمبر عالم" بن کر مبعوث ہوا؟ تو اس امتحان گاہ میں آج جو صحیفہ آگے بڑھ کر جواب دے گا اور آپ کو مطمئن کرے گا، وہ صرف قرآن مجید ہو گا۔ وہ کہے گا کہ میرا ملہم الیہ پیغمبر عالم ہے اور یہ شرف اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا ہے اور رسالت عامہ کا تاج ان ہی کے سر پر رکھا گیا ہے۔ وہی عالمی پیغمبر ہیں اور وہی ابدی پیغمبر ہیں۔

قرآن مجید کے علاوہ جن جن کتابوں کا مقدس صحیفے کے ذیل میں نام لیا جاتا ہے، ان میں بعض تو ایسے ہیں جو اپنے ملہم الیہ سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ مثلاً وید جو

اپنے ملہم الیہ کے بارے میں کلیتاً خاموش ہے۔ اس سے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وید کا نزول کس پر ہوا، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ملہم الیھم کی کیا ذمہ داری ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بعثت ساری دنیا کے لیے ہے یا کسی خاص طبقے اور خاص نسل کے لیے ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اخلاق و عادات، دیانت و امانت، عفت و غیرت کا کیا حال تھا؟

آریہ سماجی مکتب خیال کے لوگ کہتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش میں سینکڑوں کی تعداد میں جوان انسان پرمیشور نے پیدا کیے، جن کو ان کی اصطلاح میں "ایشوری سرشٹی" کہتے ہیں۔ ان ہی میں سے چار آدمیوں پر چار ویدوں کا الہام ہوا، جس کے نام اگنی، وایو، ادت، انگرہ تھے۔

مگر یہ سوال لاینحل ہے کہ ایسی صورت میں کہ خود "وید" اس سے خاموش ہے، یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ چاروں وید ایشوری کتابیں ہیں جبکہ ان کے ملہم الیھم کا بھی ان کے متعلق کوئی بیان نہیں ہے اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ چاروں کتابیں چار آدمیوں پر نازل ہوئی ہیں؟ ایسا کیوں نہ سمجھا جائے کہ تورات کی طرح (جس کے چار حصے ہیں) ایک ہی شخص پر یہ چاروں حصے نازل ہوئے ہوں اور ان چاروں کے مجموعہ کا نام "وید" ہو۔

پھر یہ کہ وید کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے (جبکہ یہ غیر تاریخی دور کا واقعہ ہے) کہاں سے کہا جاتا ہے۔ اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور یہ ماخذ محفوظ شکل میں ہے یا محرف ہے اور جو کچھ بھی ہے، اس کی بنیاد واقعیت پر ہے یا سراپا افسانہ اور کہانی پر ہے؟

آریہ سماجی مکتب خیال کے اس طرز عمل سے کہ:

"اور جو خاندانی نیک چلن شودر ہو تو اس کو منتر سنگھتا چھوڑ کر سب شاستر پڑھائے"۔ (ستیارتھ پرکاش، ص ۴۸)

یہ پتہ چلتا ہے کہ شودر کی تعلیم "شاستر" سے آگے نہیں ہونی چاہیے اور شاستر کی تعلیم بھی اس شودر کو دی جائے گی جو خاندانی نیک چلن ہو اور اس کا لازمی مقتضا یہ ہے کہ وید سارے انسانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ انسان کے ایک خاص طبقہ کے لیے ہے اور ویدک دھرم کا رشی سارے انسانوں پر وید پیش نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا اس مکتب خیال کی بنیاد پر وید کے رشی کا "پیغمبر عالم" ہونا تو کجا، وہ تو کسی خاص ملک کے کسی خاص گاؤں کے بھی سارے انسانوں پر وید کو پیش نہیں کر سکتے۔

بہر حال وید کے رشی چونکہ غیر تاریخی دور کے ہیں اور خود وید بھی ان سے خاموش ہے اور ان کی ذات اور ان کے حالات سے وید کو دور کا بھی تعلق نہیں ہے، لہٰذا یہ تو "پیغمبر عالم" کے سلسلہ میں نہ قابل ذکر ہیں، نہ قابل اعتناء ہیں۔ ان کو تو علم اور تاریخ کی عدالت سے صرف یہ کہہ کر خارج از بحث کر دینا چاہیے ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

عہد عتیق اور عہد جدید: اب مذہب ماننے والی قوموں میں قابل ذکر قوم، جو اپنے پاس الہامی کتاب رکھنے کی مدعی ہے، یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ تورات خدا کی کتاب ہے اور عہد عتیق کا ایک حصہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے اور نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ انجیل خدا کی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے اور عہد جدید کا ایک حصہ ہے۔

ان دونوں کتابوں میں جو کچھ بھی محفوظ یا غیر محفوظ شکل میں میرے سامنے ہے، کسی میں یہ مذکور نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے اپنے متعلق دنیا کو یہ بتایا ہو کہ میں ساری دنیا کی ہدایت کی ذمہ داری کے ساتھ خدائے عالم کی طرف سے پیغمبر عالم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں یا یہ کہ جو دعوت میں لے کر آیا ہوں اور وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں، اس کا تعلق ساری دنیا سے ہے اور دنیا کی تمام قوموں سے ہے! بلکہ بخلاف اس کے ان کی الہامی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ ان کی نبوت اور دعوت کا تعلق ایک خاص نسل سے ہے جو ایک خاص خطہ میں اس وقت محدود تھی۔

تورات کا بیان: تورات میں ہے کہ:

"جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی نوازش فرمائی تو اس کے بعد یہ فرمایا کہ اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم، جو مصری ان پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔ پس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال"۔ (خروج ۳/۱۰)

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس فرمان کے بعد مصر پہنچے تو پھر حکم ہوا:

"جب تو مصر میں داخل ہو تو دیکھ سب معجزے کہ جو میں نے تیرے ہاتھ میں رکھے ہیں، فرعون کے آگے دکھلائیو، لیکن میں اس کے دل کو سخت کر دوں گا کہ وہ ان لوگوں کو جانے نہ دے گا تب تو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹا ہے، سو میں تجھے کہتا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں"۔

(خروج ۴/۳)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کا شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی دعوت کا تعلق، جیسا کہ تورات میں ہے، زندگی بھر صرف بنی اسرائیل سے رکھا۔ قبطیوں کو، جو مصر کے اصلی باشندے تھے، کوئی خطاب نہیں کیا۔ جو بددینی میں چھوٹ پا چکے تھے اور جن کے ظلم و استبداد سے بنی اسرائیل چیخ اٹھے تھے۔

قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کا تعلق صرف قوم بنی اسرائیل سے تھا اور ان کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کے لیے تھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ۔ (سجدہ، ع ۳، پ ۲۱)

"ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، لہٰذا اب اس کے ملنے کے بارے میں کوئی شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا"۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ (صف، ع ۱، پ ۲۸)

"(وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

انجیل کا بیان: متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے:

"میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں"۔ (۱۵/ ۲۴)

اسی طرح مرقس کی انجیل میں ہے کہ ایک یونانی عورت کی درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بچوں کی روٹی کے ٹکڑوں کو کتوں کے سامنے نہیں ڈالا جا سکتا۔ مگر جب اس نے یہ کہا کہ "کتے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں سے کھاتے ہیں" تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمادی۔ مرقس کے الفاظ یہ ہیں:

"پھر وہاں سے اٹھ کر صدر اور صیدا کی سرحدوں میں گیا اور ایک گھر میں داخل ہوا اور نہ چاہتا تھا کہ کوئی جانے مگر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ بلکہ فی الفور ایک عورت، جس کی چھوٹی بیٹی میں "بدروح" تھی، اس کی خبر سن کر آئی اور اس کے قدموں پر گری۔ یہ عورت یونانی تھی اور قوم کی سورفینیکی، اس نے اس سے درخواست کی کہ بدروح کو میری بیٹی سے نکال۔ اس نے اس سے کہا کہ پہلے لڑکے کو سیر ہونے دو کیونکہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینی اچھی نہیں۔ اس نے جواب میں کہا: ہاں خداوند! کتے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں سے کھاتے ہیں۔ اس نے اس سے کہا: اس کلام کے سبب جا، بدروح تیری بیٹی سے نکل گئی"۔ (مرقس، ۲۴ تا ۵/۲۹)

انجیل کے اس بیان کی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ سورہ صف میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (صف، ع۱، پ۲۸)

"(وہ واقعہ یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں اور اس تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے"۔

بہرحال آج مذاہب عالم کے جتنے بھی صحیفے پائے جاتے ہیں، چاہے اپنے ماخذ، اپنی حفاظت کے اعتبار سے کسی بھی درجہ میں ہوں، ان میں سے کوئی بھی اپنے ملہم الیہم کے متعلق یہ شہادت اپنے اندر نہیں رکھتا ہے کہ خدائے عالم کی طرف سے ان کی بعثت

بحیثیت "پیغمبر عالم" کے ہوئی ہے اور نہ ان کے مندرجات میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے کہ خدا نے کسی صحیفہ کے ملہم الیہ کو یہ خطاب فرمایا ہو کہ ہم نے تم کو جملہ انسانوں کے لیے رسول بنایا ہے اور یہ صحیفہ جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ سارے انسانوں کے لیے تم اس صحیفہ کے احکام کو بیان کرو اور اس کی دعوت دو۔

قرآن مجید کا بیان: اب یہی سوال جب ہم قرآن مجید کے سامنے رکھتے ہیں کہ خدائے عالم کی جانب سے کون قدسی صفات انسان پیغمبر عالم بن کر مبعوث ہوا تو قرآن سے ہم کو یہ جواب ملتا ہے کہ یہ شرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب رسالت کے متعلق یہ اعلان کیا ہے:

(۱) اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔

(نسا۔ ع۱۱، پ۱۷)

(۱) "ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (اس کے لیے) خدا کی گواہی کافی ہے"۔

(۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(انبیاء۔ ع۷، پ۱۷)

(۲) "ہم نے آپ کو تمام دنیائے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

(۳) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ (نحل۔ ع۶، پ۱۴)

(۳) "ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ سارے انسانوں کو وہ احکام، جو ان کے لیے نازل کیے گئے، اچھی طرح بیان کر دیں تاکہ وہ لوگ سوچیں"۔

(۴) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (فرقان۔ ع۱، پ۱۸)

(۴) "وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا۔ تاکہ تمام جہان کے لوگوں کے لیے ڈرانے والا ہو"۔

(۵) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۙ

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔
(اعراف۔ ع۲۰، پ۹)

(۵) "اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ کہ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات، وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ"۔

(۶) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (سبا)

(۶) "ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر (خوش خبری سنانے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے"۔

پھر ان کی دعوت و ہدایت کے متعلق، جو قرآن مجید کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملی ہے، یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کوئی مقامی دعوت نہیں ہے بلکہ عالمی اور آفاقی دعوت ہے اور ساری دنیا کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ جو شخص بھی چاہے اپنی درستگی اور استقامت کے لیے اس کو اپنا رہنما بنائے۔ اس مضمون کو قرآن میں بار بار مختلف اسلوب، مختلف پیرایہ بیان اور مختلف تعبیر میں واضح الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں فرمایا گیا ہے:

(۱) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ۔ (تکویر)

(۱) "قرآن دنیا جہان کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے"۔

(۲) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔ (بقرہ۔ ع۲۳، پ۲)

(۲) "رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا سارے انسانوں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ اور ہر طرح کی ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کے لیے برہان

و دلیل ہے"۔

(۳) هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔
(جاثیہ۔ ع۲، پ۲۵)

(۳) "یہ قرآن تمام جہان کے لوگوں کے لیے بصیرتوں کا مجموعہ ہے اور جو قوم بھی یقین لائے، اس کے لیے رحمت و ہدایت ہے"۔

(۴) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا۔
(دہر۔ ع۲، پ۲۹)

(۴) "بے شک یہ نصیحت ہے لہٰذا جو شخص بھی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرے"۔

(۵) هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ابراہیم۔ ع۷، پ۱۳)

(۵) "قرآن سارے انسانوں کے لیے خدا کا پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (عذاب الٰہی) سے ڈرایا جائے۔ اور لوگ اس بات کو جان لیں کہ اللہ ہی واحد معبود ہے اور جو لوگ ارباب دانش ہیں نصیحت حاصل کریں"۔

(۶) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔
(یونس۔ ع۶، پ۱۱)

(۶) "لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے جو روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور ہدایت نامہ ہے اور ایمان والوں کے لیے رحمت ہے"۔

اور چونکہ آپ کی بعثت ساری دنیا کے لیے پیغمبر عالم کی حیثیت سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے پیروؤں کے لیے فریضہ قرار دیا کہ وہ ساری دنیا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو اور قرآنی دعوت کو پیش کریں۔ ارشاد ہے:

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا۔ (بقرہ۔ ع۱، پ۲)

"ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم سارے انسانوں پر (اللہ کے)

گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنیں"۔

گفتار و کردار کی شہادت: انبیاء کرام کے معصوم گروہ کے گفتار و کردار سے اس بات کی شہادت کہ کس نے اتنی بڑی ذمہ داری کا دعویٰ کیا کہ وہ خدائے عالم کی طرف سے پیغمبر عالم بنا کر مبعوث ہوا ہو اور کس نے اس فریضہ کو عملاً انجام دیا۔ اس کے متعلق مذاہب عالم کے مقدس صحیفے کی بحث میں ہم بتا چکے ہیں کہ آج اللہ کے پیغمبر اور رسول کی صف میں جس کو بھی لایا جاتا ہے اور جن کے نام بھی لیے جاتے ہیں' ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو غیر تاریخی دور کے ہیں' ان کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے' اس کو ادعاء محض' خوش عقیدگی اور حسن ظن وغیرہ سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے' لیکن واقعیت کے معیار پر "اظہار حقیقت" نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا اس کو قابل اعتماد اور لائق اعتناء نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کے متعلق ان کے مقدس صحیفے کا بیان ہے کہ ان کی بعثت خاص قوم کے لیے تھی۔ ان کی حیثیت "پیغمبر عالم" کی نہ تھی۔

ان میں ایک اور صرف ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو وحی الٰہی کی زبان میں پیغمبر عالم ہیں اور آپ ہی کی دعوت ساری دنیا اور سارے عالم کے لیے عام ہے۔ اور ہم اس کے متعلق گیارہ آیتیں قرآن مجید کی پیش کر چکے ہیں۔ اس لیے ذیل میں ہم صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کریں گے کہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے کہ آپ نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ خدائے عالم کی طرف سے مجھ کو "پیغمبر عالم" بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم کردار سے بحث کریں گے کہ آپ نے اس فریضہ کو عملاً انجام بھی دیا' جو دراصل اس چھوٹے سے رسالے کا ضروری اور اہم مقصد ہے۔ یعنی ہم کو یہ بتانا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی ذمہ داری کا نہ صرف دعویٰ کیا بلکہ اس کو عملاً انجام بھی دیا اور اس طرح انجام دیا کہ اپنی زندگی کی پہلی فرصت یعنی حصول امن کے پہلے موقع پر سب سے پہلا جو کام کیا' وہ اسلامی دعوت کی ساری دنیا کو تبلیغ تھی' جس کے لیے آپ مبعوث کیے گئے تھے۔

بعثت عمومی کے متعلق چند احادیث: (۱) صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (بخاری ومسلم)

"مجھ کو پانچ باتیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ایک ماہ کی مسافت پر (کہ لوگ خوف زدہ رہتے ہیں) میری مدد رعب سے کی گئی۔ میرے لیے زمین مسجد اور طہارت بنا دی گئی ہے۔ میری امت کے جس شخص کو (جہاں) نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے اور مال غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا' مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ مجھ کو شفاعت کبریٰ کا حق دیا گیا۔ نبی اپنی قوم کی طرف خاص کر مبعوث کیے جاتے تھے' اور میں سارے انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

(۲) اسی کے ہم معنی دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبیون (مسلم)

"چھ باتوں سے مجھ کو انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھ کو جوامع الکلم دیا گیا اور رعب سے میری مدد کی گئی۔ مال غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا اور زمین کو مسجد اور سبب طہارت بنا دیا گیا اور میں تمام انسانی مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا"۔

(۳) مشکوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دارمی کی روایت ہے:

قال اللہ تعالی لمحمد صلے اللہ علیہ وسلم وما ارسلناک الا کافۃ للناس فارسلہ الی الجن والانس۔

"محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تم کو سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' اس لیے اللہ نے آپ کو انسان اور جن دونوں کے لیے رسول بنایا"۔

(۴) ابن سعد کی حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا رسول من ادرک حیا و من یولد بعدی۔ (ابن سعد و کنز العمال' ص ۱۰۱' ج ٦)

"میں اس کا بھی رسول ہوں جس نے مجھ کو زندہ پایا اور اس شخص کے لیے بھی رسول ہوں جو میرے بعد پیدا ہوگا"۔

(۵) خالد بن معدان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت الی الناس کافه فان لم یستجیبوا لی فالی العرب فان لم یستجیبوا لی فالی قریش فان لم یستجیبوا لی فالی بنی هاشم فان لم یستجیبوا فالی وحدی۔ (ابن سعد' ص ۱۲۸' ج ۱)

"میں سارے انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اگر یہ لوگ میری دعوت قبول نہ کریں گے تو عرب کے لیے اور اگر یہ بھی قبول نہ کریں گے تو بنو ہاشم کے لیے اور اگر یہ بھی قبول نہ کریں گے تو صرف اپنی ذات کے لیے"۔

(٦) ابن سعد کی ابو جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت الی الاحمر و الاسود۔ (ص ۱۲۷' ج ۱)

"میں تمام گورے کالے قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں"۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ارسلت الی الناس کافة و ختم بی النبیون۔

"میں سارے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم کر دی گئی ہے"۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی و لا نصرانی ثم یموت و لم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار۔

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جو یہودی اور نصرانی مجھ کو جان لینے کے بعد اس حال میں مرگیا کہ مجھ پر ایمان نہ لا سکا تو اس کا حشر جہنمیوں میں سے ہوگا"۔

(۸) حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور صحن مسجد میں آکر اونٹ سے اترا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھ کر حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا' ناراض نہ ہونا۔ ارشاد ہوا کہ جو پوچھنا ہو' پوچھو۔ اس نے کہا:

اسئلک بربک و رب من قبلک الله ارسلک الی الناس کلهم فقال اللهم نعم۔ (بخاری باب القرات والعرض علی المحدث)

"میں تیرے اور تجھ سے پہلے کے لوگوں کے پروردگار کی قسم کے ساتھ تجھ سے پوچھتا ہوں کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں"۔

(۹) خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو آپ نے عالمی مشن کی عالمی دعوت کے سلسلہ میں جو تبلیغی خط لکھا تھا' اس میں دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی تھا:

سلام علی من اتبع الهدے و امن بالله و رسوله و اشهد ان لا اله الا الله و انی رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیا۔ اسلم تسلم الخ۔۔ (طبقات)

"سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہوا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں ہے اور میں خدا کا پیغمبر ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ جو لوگ زندہ ہیں ان کو

خدا کا پیغام پہنچا دیا جائے۔ تو اسلام کو قبول کر، سلامت رہے گا"۔

====================

حوالہ جات

(۱) ابی بن کعب- یہ خزاعی تھے۔ صحابہ میں سب سے بڑے قاری اور فقہاء صحابہ میں تھے۔ یہ حضور ﷺ کے عہد میں فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین کہتے تھے۔

(۲) عبداللہ بن سلام- یہ مدینہ کے یہودی بنی قینقاع سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہ احبار یہود سے تھے اور یہ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی شہادت حضور ﷺ نے دنیا ہی میں دے دی ہے۔

(۳) اسید بن سعید- ان کا نسبی تعلق قبیلہ ہذل سے تھا جو بنو قریظہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ جب اسلام لے آئے تو یہود نے مختلف طریقوں سے ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت اتری لیسوا سواء من اهل الکتاب امة قائمة یتلون ایات الله اناء اللیل و هم یسجدون۔

(۴) ثعلبہ بن سعید- یہ حضرت اسید کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ حضرت ریحانہؓ جو بنو قریظہ سے تھیں، ان کے اسلام کے یہ باعث ہوئے اور حضور ﷺ کو ان کے اسلام کی خوشخبری دی۔

(۵) سلمان فارسی- یہ مذہبًا مجوسی تھے۔ ان کا شمار ان مجوسیوں میں تھا جو کسی وقت بھی آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے۔ ہجرت کے وقت یہ بنو قریظہ کے ایک شخص کے غلام تھے۔ آپ تشریف لائے تو مشرف باسلام ہوئے۔ اپنے آقا سے مکاتبت پر آزاد ہوئے پھر ہمیشہ کے لیے اسلام کے غلام ہو گئے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی، عمار، سلمان۔

(۶) صہیب رومی- یہ شہر موصل کے پاس لب دجلہ کے رہنے والے تھے۔ یہ قدیم الاسلام ہیں۔ جس وقت یہ اسلام لائے تھے اس وقت صرف تیس آدمی مشرف باسلام ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کی نماز صہیب پڑھائیں گے اور اہل شوریٰ جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ کریں

گے یہ خلافت کی خدمت انجام دیں گے۔

(۷) بلال حبشی- یہ اپنے اسلام میں السابقون الاولون میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو سیدنا کہتے تھے۔ مسجد نبوی کے موذن تھے۔ فتح مکہ میں یہ شرف ملا کہ حکم ہوا کہ "بلال! کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو"۔

(۸) تمیم داری- یہ مذہبا عیسائی تھے۔ معاش کے لیے قریہ عینون میں ایک حصہ حضور ﷺ نے ان کو دیا تھا مگر حضور کی محبت میں ایسے مغلوب الحال تھے کہ عہد نبوی بلکہ خلافت ثلاثہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد نبوی میں قندیل جلائی۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ حضور نے دیکھا تو بہت دعا دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری لڑکی ہوتی تو میں تمیم سے نکاح کر دیتا۔

(۹) یامین بن عمیر- یہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے تھے۔ بڑے مخلص اور فدائی تھے۔ ایک دفعہ تذکرۃً حضور نے فرمایا کہ تم اپنے چچازاد بھائی عمرو بن حجاش کی حرکت دیکھتے ہو کہ دھوکے سے مجھ پر پتھر گرا کر قتل کر دینا چاہتا تھا مگر اللہ نے جبرئیل کے ذریعے مجھے آگاہ کر دیا۔ یامین یہ سن کر اٹھے اور ایک روز موقع پا کر اسے ختم کر دیا۔

(۱۰) مخیرق- ان کا نسبی تعلق بنو نضیر سے تھا۔ یہ علماء یہود سے تھے۔ جنگ احد میں شہادت پائی۔ اور اپنی ساری جائیداد، باغ، مال، حضور ﷺ کے لیے وصیت کر گئے۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کان خیرا عالما یہ نہایت صالح اور عالم تھے۔

(۱۱) میمون بن یامین- یہ بنو قریظہ سے تھے اور یہود کے احباروں سے تھے۔ اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مشرف باسلام ہو گئے۔ اپنے قبیلے میں نہایت ممتاز اور معتمد تھے۔ ایک دفعہ یہود سے آپ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان ایک حکم مقرر کر لو۔ اس کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ میمون کو اپنا حکم مانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت میمون کو بلوایا اور انہوں نے آ کر "اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله" کا اعلان کیا تو یہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ ۱۲

(۱۲) امام ربیعہ اور یحییٰ بن سعید قطان کا یہ قول خطیب نے کفایہ میں لکھا ہے۔
(۱۳) جس کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ ع ۴، پ ۱۵)
(۱۴) تحریف کے متعلق ان پانچوں آیتوں کی تفسیر، تفسیر مظہری میں ان الفاظ میں ہے:

۱- ولا تلبسوا الحق بالباطل- ای لا تخلطوا- واللبس الخلط- وقد یلزمه جعل الشی مشتبها بغیره- ای لا تخلطوا الحق الذی انزلت علیکم من صفة محمد صلے الله علیه وسلم بالباطل الذی تکتبونه ما یدیکم من التغیر حتی لا یمیز بینهما- (ص ۶۳، ج ۱)

۲- افتطمعون الخطاب لرسول الله صلی الله علیه وسلم والمومنین- ان یومنوا ای الیهود لکم ای لاجل دعوتکم او یصدقوکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله یعنی التوراه ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه ای فهموه بلا ریب کنعت محمد صلے الله علیه وسلم وایة الرجم وهم یعلمون الهم کاذبون- هذا قول مجاهد وقتاده و عکرمه والسدی وجماعه- (ص ۸۶، ج ۱)

۳- فویل... للذین یکتبون الکتاب المحرف بایدیهم تاکید کفر له کتبته بیمینی ثم یقولون هذا من عندالله یشتروا به ثمنا قلیلا عرضا من اعراض الدینا- فان جل فهم قلیل بالنسبة الی ما استوجیوه من العذاب- وذالک ان احبار ایهم دخافوا ذهاب ما کلتهم فعمدوا الی صفته فی التوراه وکانت صفته فیها حسن الوجه حسن الشعر- اکحل العینین ربعة- فغیروها وکتبوا، طوال، ازرق سبط الشعر- فاذا سالهم سفلتهم عن صفته قرا واما لتبوه- فیجدونه مخالفا لصفته فیکذبونه فویل لهم مما کتبت ایدیهم من المحرف وویل لهم مما یکسبون من المال

والاعمال- (ص ۸۸، ج ۱)

۴- تحرفون الکلم المنزلة فی التوراة من ایه الرجم والقصاص وغیر ذالک- والکلم اسم جنس او اسم جمع ولیس بجمع ولذالک افرد الضمیر نظرا الی لفظه فی قوله تعالی من بعد مواضعه ای من بعد وضعه الله تعالی مواضعه یعنی یحرفون الکلم عما هو فی التوراه اما لفظا بان یغیرو لا یغیره او معنی بان یحملوه علی ما اربه منه- (ص ۱۱۸، ج ۳)

۵- وان منهم ای من اهل الکتاب لفریقا طائفة وهم کعب بن الاشرف وما لک بن الصیف وحیی بن احطب و ابویاسر وسفتة بن عمرو الشاعر یلون یصرفون السنتهم بالکتاب ای ملتبسا بقراه الکتاب من النزیل الی ما حرفوه لتحسبوه لتظنوا ایها المؤمنون ذالک المحرف المفهوم من قوله تعالی یلون کائنا من الکتاب المنزل- ما هو من الکتاب المنزل ویقولون ای الیهود تصریحا هو ذلک المحرف کائن من عندالله فیه تشنیع علیهم وما هو من عندالله تاکید لما سبق- یعنی ما هو من الکتاب ویقولون علی الله الکذب وهم یعلمون انه کذب تاکید بعد تاکید و تسجیل علیهم لتعمد الکذب علی الله- قال الضحاک عن ابن عباس ان الایه نزلت فی الیهود والنصاری جمیعا وذالک انهم حرفوا التوراة والانجیل والحقوا بکتاب الله ما لیس منه- (ص ۷۷، ج ۶)

(۱۵) تورات وانجیل کی تحریف پر علماء اسلام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور تورات وانجیل کے شواہد سے ان کا محرف ہونا ثابت کیا ہے۔ یہاں بنظر اتمام حجت تورات وانجیل کی تحریف کے متعلق ہم چند حوالے ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ تفصیل کے طالب ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

تحریف تورات پر تورات کی اندرونی شہادت

یہودیوں کا تورات کے پانچویں حصے کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ از ابتدا تا انتہا وحی الٰہی ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملے ہیں، ان کا ایک ایک حرف وحی الٰہی ہے جو ہر طرح کی تحریف و تغیر اور تبدیلی سے محفوظ ہے۔ مگر یہ دعویٰ تورات کی اندرونی شہادت کے خلاف ہے۔

۱۔ تورات کے پانچویں حصے کے آخری باب میں یہ عبارت پائی جاتی ہے:

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خدا کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت مغفور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔ کہ نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں، نہ اس کی تازگی جاتی رہی"۔ ("استثناء درس" ۵-۶-۷-۸، باب ۳۴)

اس عبارت کو وحی الٰہی ٹھہرانا اور موسیٰ علیہ السلام پر اس کا وحی ہونا بداہتاً خلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دی جا رہی ہے کہ موسیٰ مواب کی سرزمین میں مر گیا۔ اور اس کو مرے ہوئے اتنے دن ہو گئے کہ اب قبر کا نشان بھی باقی نہیں ہے۔

تورات میں اس عبارت کا ہونا تورات کے محرف ہونے کی ایسی اندرونی شہادت ہے کہ یہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میری حیثیت الحاقی ہے یعنی یہ عبارت تورات میں اس کے پیروؤں کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مرنے کے بعد بڑھائی گئی ہے اور اتنی مدت کے بعد بڑھائی گئی ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر کی قبر کا نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

۲۔ تورات کے چوتھے حصے میں جس کا نام "گنتی" ہے اس کے اکیسویں باب کے درس تین میں ہے:

"چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اس نے اس مقام کا نام حرمہ رکھا"۔ ("گنتی" باب ۲۱، درس ۳)

یہ عبارت توراۃ میں الحاقی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تورات میں بڑھائی گئی ہے اور تحریف کے ہاتھوں داخل کی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو

کنعان تک پہنچے بھی نہیں تھے، کنعانیوں کو گرفتار کرنا اور ان کی بستیوں کو حرم کرنا اور اس کا نام حرمہ رکھنا، یہ تو قابل ذکر اور لائق تصور ہی نہیں ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تو کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ، حضرت یوشع کے عہد میں بھی نہیں ہوا کیونکہ حضرت یوشع کے عہد میں کنعانی محفوظ تھے، گرفتار نہیں کیے گئے تھے۔

۳۔ اخبار (یعنی تورات کے تیسرے حصے) کے گیارہویں باب کے چھٹے درس میں ہے:

"اور خرگوش کہ وہ جگالی تو کرتا ہے پر اس کا کھر چرا ہوا نہیں ہے۔ وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے"۔

حالانکہ خرگوش ان جانوروں سے نہیں جو جگالی کرتے ہیں۔ ہر وہ شخص جس نے خرگوش دیکھا ہے وہ اس سے واقف ہے۔ یہ خلاف واقعہ بیان، دلیل ہے کہ یہ درس الہامی نہیں ہے بلکہ الحاقی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ واقعہ کے خلاف خرگوش کے خالق کی طرف سے، جس کے ہاتھ میں خرگوش کی ربوبیت ہے، یہ غلط الزام ہو کہ خرگوش جگالی کرتا ہے۔

تحریف انجیل پر انجیل کی اندرونی شہادت

انجیل کا اطلاق چار کتابوں پر کیا جاتا ہے۔ متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل، یوحنا کی انجیل۔ اور ان چاروں کو الہامی سمجھا جاتا ہے اور خدا کی کتاب کہا جاتا ہے اور ان کے متعلق اس حسن ظن سے بھی کام لیا جاتا ہے کہ یہ چاروں انجیل تحریف سے پاک اور منزہ ہیں مگر یہ حسن ظن انجیل کی اندرونی شہادت کے خلاف ہے، جو صراحتاً اپنی تحریف کا اعلان کر رہی ہے۔

متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ بیان کیا گیا ہے اور اس نسب نامہ کے بیان کے بعد اس نسب نامہ کا یہ خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

"پس سب پشتیں ابراہیم سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ اور داؤد سے لے کر گرفتار بابل ہو جانے تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ اس اجمال کی تفصیل متی میں یوں ہے:

یسوع مسیح کانسب نامہ: یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم کانسب نامہ---

"ابراہیم سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا۔ اور یعقوب سے یہودا پیدا ہوا اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ اور یہودا سے فرص اور زروح تامار کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور فرص سے حصرون پیدا ہوا اور حصرون سے رام پیدا ہوا اور رام سے عمیناداب پیدا ہوا اور عمیناداب سے نحشون پیدا ہوا اور نحشون سے سلمون پیدا ہوا اور سلمون سے بوعز' راتاب کے پیٹ سے پیدا ہوا اور بوعز سے عوبید روت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور عوبید سے یشے پیدا ہوا اور یشے سے سلیمان بادشاہ پیدا ہوا۔

اور داؤد سے سلیمان اس عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا جو پہلے اوریاہ کی بیوی تھی اور سلیمان سے رجعام پیدا ہوا اور رجعام سے ابیاہ پیدا ہوا اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا اور آسا سے یہوشافاط پیدا ہوا اور یہوشافاط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عزیاہ پیدا ہوا اور عزیاہ سے یوتام پیدا ہوا اور یوتام سے احاز پیدا ہوا اور احاز سے حزقیاہ پیدا ہوا۔ حزقیاہ سے منشیہ پیدا ہوا اور منشیہ سے امون پیدا ہوا اور امون سے یوشیاہ پیدا ہوا اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانے میں یوشیاہ سے یکنیا اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔

اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے بعد یکنیاہ سے شلتی ایل پیدا ہوا اور شلتی ایل سے زربابل پیدا ہوا اور زربابل سے ابیہود پیدا ہوا اور ابیہود سے الیاقیم پیدا ہوا اور الیاقیم سے عازور پیدا ہوا اور عازور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے اخیم پیدا ہوا اور اخیم سے الیہود پیدا ہوا اور الیہود سے العازار پیدا ہوا اور العازار سے متان پیدا ہوا اور متان سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا۔ جو مسیح کہلاتا ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مکمل نسب نامہ ہے۔ اس مکمل نسب نامہ کے بعد وہ خلاصہ ہے جو اوپر مذکور ہے اور اس خلاصہ میں یہ تصریح ہے کہ "اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں"۔ حالانکہ کل تیرہ پشتیں ہیں۔ اب یا تو جو خلاصہ بیان کیا گیا ہے وہ غلط ہے اور نسب نامہ صحیح ہے جس میں تیرہ پشتوں کا ذکر ہے یا

خلاصہ صحیح ہے جس میں چودہ پشتوں کا ذکر ہے اور نسب نامہ غلط ہے کہ اس میں ایک پشت کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اور الہامی قرار نہیں دی جا سکتیں اس لیے یا تو نسب نامہ میں تحریف کو دخل ہے کہ ایک پشت کو خارج کر دیا گیا ہے یا خلاصہ میں تحریف کو دخل ہے کہ تیرہ کو چودہ بنا دیا گیا ہے۔

۲- علاوہ اس کے اس بات پر کہ موجودہ مروجہ انجیل اپنی الہامی شکل میں محفوظ نہیں ہے۔ اس کی ایک کھلی ہوئی دلیل یہ بھی ہے کہ ہر انجیل میں حضرت علیہ السلام کے صلیب کا واقعہ اور صلیب کے بعد کا واقعہ مذکور ہے اور یہ ایسی اندرونی شہادت ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہم محرف ہیں اور یہ سارے واقعات الحاقی ہیں جو انجیل کے پیروؤں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو گھڑ کر اضافہ کیا ہے کیونکہ ان کے زعم کی بنا پر جب عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو گئے تو پھر مصلوب ہونے کا واقعہ ان پر کیسے الہام ہوا اور جب وہ آسمان پر چلے گئے تو آسمان پر چلے جانے کے بعد کے واقعات کا' جو ان کے حواریوں نے انجام دیے' ان پر کیسے الہام ہوا' جو ان اناجیل میں موجود ہیں۔ مثلاً متی کی انجیل کے حسب ذیل عنوانات کے تحت میں جو مضامین مذکور ہیں۔

(۱) یسوع کا صلیب دیا جانا اور لعن طعن اٹھانا۔ (۲) یسوع کا مرنا۔ (۳) یسوع کا دفن ہونا۔ (۴) یسوع کی قبر کی حفاظت کی تدبیر۔ (۵) یسوع کا جی اٹھنا۔ (۶) یسوع کے جی اٹھنے کی خبر گم کرنے کے لیے یہودیوں کا منصوبہ۔ اسی طرح کے عنوانات کم و بیش ہر انجیل کے آخر میں ہیں جو الحاقی ہونے کی روشن دلیلیں ہیں۔

۳- پھر حیرت ہے کہ لوقا کی انجیل کی ابتداء میں جب یہ تصریح موجود ہے کہ:

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں' ان کو ترتیب وار بیان کریں' جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے' انہیں ہم کو پہنچایا۔ اس لیے اے معزز "تھیفلس" میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے انہیں تیرے لیے ترتیب سے لکھوں"۔ (لوقا۔ ب ۱' درس ۱-۲-۳)

پھر اس کو کس طرح الہامی کہا جا سکتا ہے جبکہ اس کو خود اقرار ہے کہ اس کی ترتیب انسانی دریافت و سعی پر ہے۔

پیغمبر کا منصب

اور

محمد رسول اللہ ﷺ کی

رسالت عامہ کی ذمہ داری کی نوعیت

قرآن مجید نے اپنے مختلف پیرایہ بیان میں یہ حقیقت نہایت واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ داعی حق کا مقام یہ ہے کہ دعوت حق کی سچائی کا اعلان کر دے' پیام حق لوگوں تک پہنچا دے' سعادت و شقاوت کی راہ کھول کھول کر بیان کر دے' ایمان اور عمل صالح کے نتائج کی خوش خبری سنا دے اور کفر و فسق کے نتائج کے خسران و وعید سے باخبر کر دے۔ خدا کے بندوں میں خدا کی طرف سے مبشر و نذیر کے روپ میں اصلاح حال کی سعی کرے۔

ان پر اس دعوت حق کی راہ میں نہ جبار و قہار حاکم بنے کہ تم کو جبراً و قہراً ہماری بات' ہماری دعوت ماننی پڑے گی' نہ داروغہ اور خواہ مخواہ کا ٹھیکہ دار بنے اور ان سے کہے کہ میں تو راہ حق پر لگا دینے کا ذمہ دار ہوں' لہٰذا راہ حق پر لگا کر رہوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہا ہے کہ آپ بشیرو

نذیر ہیں' داعی حق ہیں' اللہ کے پیغمبر ہیں' وہاں یہ بھی کہا ہے وما انت علیھم بجبار آپ ان لوگوں پر حاکم جابر نہیں ہیں' لست علیھم بمصیطر آپ ان پر داروغہ اور گماشتہ نہیں ہیں' وما انت علیھم بوکیل آپ ان لوگوں پر اللہ کی جانب سے وکیل نہیں ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں داعی حق جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں' دو قسم کے ہوتے ہیں: نبی اور رسول--- یہ دونوں کے دونوں دعوت حق کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان دونوں کا فرق جیسا کہ علامہ ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے "فقہ اکبر" کی شرح میں لکھا ہے' یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہوتا ہے اور نبی وہ ہے جو وحی الٰہی سے مشرف ہوتا ہے' خواہ وہ تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو۔ شیخ محی الدین عربی بھی فتوحات مکیہ میں اسی کے قائل ہیں اور علامہ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ نے بھی "تفسیر جلالین" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن ہمام رحمتہ اللہ علیہ نے "مسامرہ" میں اصحاب حدیث اور بعض اہل ظواہر کی طرف بھی اسی کو منسوب کیا ہے۔

علامہ بیضاوی کے نزدیک نبی اور رسول کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسول(ا) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شریعت جدیدہ دے کر مبعوث فرمایا ہو' تاکہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں اور نبی' رسول سے عام ہے جو اس کو بھی شامل ہے اور اس کو بھی جو شریعت سابقہ کو برقرار رکھنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہو' جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان میں ہوئے۔ یہ تحقیق ان کی سورہ حج میں وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی کے تحت میں ہے۔

مگر علامہ بیضاوی نے سورہ مریم میں کان رسولا نبیا کے تحت' جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہے' اپنی مذکورہ بالا تحقیق کے خلاف یہ لکھا ہے کہ:

> یدل ان الرسول لا یلزم ان یکون صاحب شریعة فان اولاد ابراھیم کانوا علی شریعته

"(حضرت اسمٰعیل کو رسول کہنا) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رسول کے لیے صاحب شریعت ہونا لازم نہیں ہے' اس لیے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام (جیسے حضرت اسمٰعیل) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر تھے"۔ یعنی ان

کوئی شریعت نہیں ملی تھی۔

حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تحقیق کہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تبلیغی خدمت اس کے ذمہ فرض عین کی حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں عند اللہ اس کی مسئولیت سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ گویا منطقی اصطلاح میں رسول کے لیے تبلیغ کی حیثیت فصل جیسی ہوتی ہے اور دوسری تمام ذمہ داریاں جنس کی طرح ہوتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے تبلیغ کی مسئولیت کو ان کے حق میں اتنا ابھارا ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے رسالت کی جوہر کا مقتضا تبلیغ اور صرف تبلیغ ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

(۱) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔
(نور۔ ع ۷، پ۱۸)

(۱) "کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول پر جو ذمہ داری لادی گئی ہے، وہ ان پر ہے اور جو تم پر ذمہ داری لادی گئی ہے وہ تم پر ہے۔ اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب ہو جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف کھلی تبلیغ ہے"۔

(۲) وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔ (عنکبوت۔ ع ۲، پ۲۰)

(۲) "اگر تم لوگ مجھ کو جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمہ تو صرف کھلی تبلیغ ہے"۔

(۳) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔
(مائدہ۔ ع ۱۲، پ۷)

(۳) "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ پھر اگر تم روگردانی کرو گے تو جان رکھو ہمارے رسول کے ذمے

صرف کھلی تبلیغ ہے"۔

(۴) اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ (مائدہ۔ ع ۱۳، پ۷)

(۴) "جان رکھو اللہ سخت عذاب والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ پیغمبر کے ذمہ صرف تبلیغ ہے"۔

(۵) فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔
(تغابن۔ ع ۲، پ۲۸)

(۵) "اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمارے رسول پر صرف کھلی تبلیغ ہے"۔

(۶) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ (مائدہ۔ ع ۱۰، پ۶)

(۶) "اے پیغمبر! تیرے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے تبلیغ کر دیجئے۔ اگر تم نے نہیں کیا تو تم نے خدا کی پیغامبری کو ادا نہیں کیا"۔

قرآن مجید نے تبلیغ کے سوا کسی امر کو رسول کے لیے یہ اہمیت نہیں دی۔ اب ایسا رسول جس کی بعثت کسی خاص قوم، کسی خاص نسل، کسی خاص ملک کے لیے ہوگی، اس کے لیے اس خاص قوم، اس خاص نسل، اس خاص ملک میں تبلیغ فرض عین ہوگی اور ایسے رسول کے لیے، جس کی بعثت عام اور ساری دنیا کے لیے ہوگی، اس کے لیے ساری دنیا میں تبلیغ فرض عین ہوگی اور اس کی رسالت عامہ کے فرض منصبی کا مقتضا یہ ہوگا کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں سب سے پہلے تبلیغ عام کی خدمت انجام دے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو لازم آئے گا کہ اس نے اپنی رسالت کے مقتضا کو، جس کی حیثیت فرض عین کی تھی، انجام نہیں دیا اور اپنی خدمت رسالت کی انجام دہی میں ناکام رہا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ عام تھی اور ساری دنیا کے لیے تھی، لہٰذا آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری، جس کی حیثیت فرض عین کی تھی، یہ تھی کہ آپ ساری دنیا میں دعوت اسلام کی تبلیغ کریں اور اپنی مسئولیت کی ذمہ داری کو پورا کریں اور اپنی رسالت کی زندگی کی پہلی فرصت میں یعنی حصول امن کے پہلے موقع میں

سب سے پہلا کام یہ کریں کہ دعوت اسلامی کی تبلیغی خدمت ساری دنیا میں انجام دیں۔

اب اگلے صفحات میں مجھ کو یہی بتانا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت کی زندگی میں جس دن پہلا موقع اس کا ملا کہ تبلیغ عام کی خدمت انجام دیں، بغیر تاخیر ایک دن کے اور بغیر ضائع کیے ہوئے فرصت کے ایک لحہ کے، سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ ساری دنیا کو دعوت اسلام کی تبلیغ کی اور اپنی مسئولیت کے ذمہ دارانہ فرض کو انجام دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی کا جائزہ لینا پڑے گا۔ اور اس طرح جائزہ لینا پڑے گا جس طرح بے رحم تاریخ کا منصف مزاج مورخ ہر واقعہ کو بغیر اس کے کہ حسن عقیدت اور حسن ظن کی پرچھائیں اس پر پڑے، استناد کی کسوٹی پر جانچ کر کے قبول کرتا ہے اور روایت و درایت کا ایک ساتھ لحاظ کرتا ہے اور یہ دیکھنا پڑے گا کہ واقعیت اس کا ساتھ دیتی ہے کہ آپ نے جس روز ساری دنیا کو دعوت اسلام کی تبلیغ کی اور خطوط لکھے، اس سے پہلے اس کے لیے آپ کو موقع نہ ملا۔ اور آپ نے بغیر اس کے کہ فرصت و مہلت کا ایک دن بھی ضائع کیا ہو، اس خدمت کو انجام دیا۔

====================

حوالہ جات

(۱) الرسول من بعثه الله بشريعته مجدده يدعوا الناس اليها والنبى يعمه و من بعثه لتقرير شرع سابق۔ (بیضاوی)

عالمی مشن کی عالمی دعوت کی مشکلات کا اجمالی جائزہ

عالمی دعوت کیلئے پہلی فرصت اور پہلا موقع کب میسر ہوا؟

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ مصالحت کے بعد جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم واپس ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اپنی سواری کو اپنے غلام رباحؓ کے ہاتھ چراگاہ (غابہ میں) بھیج دیا۔ حضرت ابو طلحہؓ کے گھوڑے کی نگرانی اور خدمت چونکہ ان کے ذمہ تھی، اس لیے یہ بھی رباح کے ساتھ غابہ گئے۔ اچانک عبدالرحمن بن عینیہ فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ حملہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیوں کو ہنکا کر لے گیا اور چرواہے کو، جو حضرت ابوذر غفاریؓ کے صاحبزادہ تھے، قتل کر دیا۔ اس صورت حال کی بنا پر حضرت سلمہؓ نے کہا کہ میں نے رباحؓ سے کہا کہ تم گھوڑے پر جاؤ اور اس کو حضرت طلحہؓ کے پاس پہنچا دو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دو کہ ان کی اونٹنیاں لوٹ لی گئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ مسلمانوں کی ایک جماعت لے کر فوراً مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مگر آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت سلمہؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام

اونٹنیوں کو مع تیس بتیس چادروں کے واپس لے چکے تھے۔ جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے:

فو اللہ مالبثنا الا ثلث لیال حتی خرجنا الی خیبر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم)

"خدا کی قسم ہم لوگ تین دن بھی نہیں ٹھہرے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے"۔

صلح حدیبیہ کے بعد یہی تین دن، جو غزوۂ ذی قرد کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ کو قیام کا موقع ملا، نبوت کی انیس سالہ زندگی میں وہ تین دن ہیں کہ مصالحت کی وجہ سے اب دعوت کی راہ میں روک ٹوک اور تعرض کا خطرہ باقی نہیں رہا تھا کیونکہ دس سال کے لیے فریقین میں یہ عہد ہوگیا تھا کہ فریقین ہتھیار نہیں اٹھائیں گے، امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

آپ نے اسی پہلی فرصت میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور دوسرے سلاطین کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو خطوط لکھے۔ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کتب الی کسری و قیصر والی نجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللہ (مسلم)-(۱)

"بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی اور تمام حکمرانوں کو خط لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دی"۔

نجاشی کو دعوت اسلام کا جو مکتوب آپ نے لکھا تھا، اس کو عمرو بن امیہ الضمری لے کر گئے تھے۔ نجاشی اسلامی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہوگیا اور لکھا کہ اگر میں حاضر خدمت ہونے پر قادر ہوتا تو ضرور حاضر ہوتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جو مہاجرین وہاں رہ گئے ہیں، ان کو بھیج دو، چنانچہ نجاشی نے مہاجرین کو دو کشتیوں میں سوار کرا کے روانہ کر دیا۔ یہ لوگ جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں ہیں، تو یہ لوگ خیبر اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ پھر بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے سفارش کی تھی کہ

غنیمت میں ان کو بھی شریک کر لیا جائے، چنانچہ یہ لوگ غنیمت کے حصوں میں شریک کر لیے گئے۔

بہرحال اس سے پہلے نہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں اور نہ مدینہ منورہ کی چھ سالہ زندگی میں اس کا موقع میسر ہوا کہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کی جائے اور خطوط لکھے جائیں------ آپ کے لیے کیا مشکلات تھیں جن کی بنا پر آپ عالمی دعوت کی تبلیغ نہ کر سکے؟

حوالہ جات

(۱) کتاب الجہاد والسیر باب کتب النبی ﷺ الی ملوک الکفار یدعوھم الی الاسلام۔

عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

مکہ کی تیرہ سالی زندگی کی مشکلات کا اجمالی جائزہ

(۱) نبوت کے ابتدائی تین سال ۱-۲-۳ ن کا ماحول ایسا تھا کہ عالمی مشن کی عالمی دعوت تو کجا، مکہ میں بھی علانیہ دعوت وقت کی حکمت عملی کے مقتضا کے خلاف تھا۔ چنانچہ آپ نے ان ابتدائی تین سالوں میں اسلامی دعوت کا کام جو کچھ بھی کیا، وہ بالکل رازدارانہ طریق پر کیا۔ حکمت عملی کا وہ مقتضا کیا تھا جس کی بنا پر عالمی مشن کی دعوت کو رازدارانہ طریق پر حریم راز کے مخصوص لوگوں تک ہی محدود رکھا گیا، اس کی توضیح تفصیلی جائزہ میں دیکھیے۔

(۲) ۴ نبوی میں آپ کو حکم ہوا:

(الف) اپنے اعزہ اور خاندان کے لوگوں کو دعوت دیجیے۔

(ب) اور اسلام کی دعوت اور اللہ کا پیام کھل کر صاف صاف لوگوں کو پہنچائیے۔

اب آپ نے علانیہ توحید کی دعوت اور بت پرستی پر ملامت شروع کر دی۔ قریش مکہ اپنی جاہلی حمیت و غیرت کے سبب سے مشتعل ہو گئے اور اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کی مخالفت میں ایک دل اور ایک رائے ہو گئے۔ آپ کے سرپرست اور چچا ابوطالب نے جب یہ دیکھا کہ قریش کی عداوت کا کوہ آتش فشاں آگ کا لاوا اگل کر رہے گا تو کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا اعلان کر دیا، جس سے آپ کی

ذات تو قریش کے شر سے محفوظ رہی مگر مسلمانوں کی زندگی قریش کی ایذا رسانی، قید و بند اور مختلف قسم کی تعذیب و تکلیف سے دوبھر ہو گئی۔

(۳) بالآخر ۵ نبوی میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا دین پر قائم رہنا ناممکن ہو گیا ہے تو مجبوراً مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ چونکہ علانیہ جانا ناممکن تھا، ہجرت کی مہم مخفی طور پر انجام دینی پڑی۔ پھر بھی کفار قریش کو جب اس کا علم ہوا کہ مسلمان حبش گئے ہیں اور نجاشی نے ان کو پناہ دی ہے، تو قریش کی ایک سفارت ہدیہ لے کر نجاشی کے پاس گئی کہ یہ لوگ ہمارے قومی مجرم ہیں، لہٰذا یہ لوگ ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ مگر یہ سفارت ناکام واپس آئی اور اس عرصہ میں ان کی عداوت اور اسلام دشمنی میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی، جس کی وجہ سے ہجرت کی مہم جاری رہی اور لوگ چھپ چھپ کر حبش جاتے رہے اور تقریباً ۸۳ آدمی عزیز وطن کو خیرباد کہہ کر چلے گئے۔

(۴) ۶ نبوی میں معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ قریش نے جب دیکھا کہ ہماری ہر طرح کی شدت و تعذیب کے باوجود محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی علانیہ دعوت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور مسلمان بڑھتے چلے جا رہے ہیں تو یہ طے کیا کہ جس طرح ہو، محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو عالمی مشن کی دعوت سے روک دیا جائے۔ چنانچہ ابوطالب کے پاس قریش کی سفارت یہ مطالبہ لے کر آئی (۱) آپ ان کو روک دیجیے۔ (۲) یا ہمارے اور ان کے درمیان دخل نہ دیجیے۔ یہ پہلی سفارت تھی۔ ابوطالب نے نرمی سے کام لے کر واپس کر دیا۔ لیکن عالمی مشن کی دعوت چونکہ علانیہ جاری تھی، پھر دوبارہ سفارت آئی۔ جب اس پر بھی عالمی مشن کی دعوت بند نہ ہوئی تو تیسری سفارت آئی اور تیسری سفارت بھی صدا بصحرا ہو کر رہی تو اس صورت حال نے معاملہ کو نازک حد تک پہنچا دیا اور ۶ نبوی کے آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پورے خاندان کو شہر بدر کر دیا جائے اور مکمل بائیکاٹ کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے اور محاصرہ میں ڈال کر فاقہ کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے"۔

چنانچہ بائیکاٹ کا عہد نامہ لکھا گیا اور خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔

(۵) یکم محرم ۷ نبوی کی شب کو ابوطالب تمام خاندان بنو ہاشم کے ساتھ سوائے

ابولہب کے شعب ابی طالب میں جاکر محصور ہوگئے۔ یہ محاصرہ تین سال ۷-۸-۹ تک مسلسل قائم رہا اور اس طرح پر عالمی مشن کی دعوت کو مقامی حیثیت سے بھی قریش نے بند کردیا، جو ان کا مقصود و مطلوب تھا۔

(٦) ۱۰ نبوی میں یہ محاصرہ ٹوٹا اور قید و بند سے رہائی ہوئی۔ لیکن اسی سال ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا یکے بعد دیگرے ایک ماہ پانچ دن کی فصل سے انتقال ہوگیا۔ اس کا اثر آپؐ کی ذات کے اوپر بھی پڑا اور عالمی مشن کے کام پر بھی پڑا۔ ابوطالب کی جو حمایت اور پناہ آپؐ کی ذات کو حاصل تھی، جب وہ باقی نہیں رہی تو اشرار قریش آپ پر جری ہوگئے اور وہ مظالم جن کے نشانہ ضعفاء مسلمین رہتے تھے، اب آپ کی ذات بھی اس کی ہدف بننے لگی، یہاں تک کہ مکہ کی زندگی آپ کے لیے دوبھر ہوگئی۔

بالآخر قریش جب ایذا رسانی میں چھوٹ ہوگئے اور آپ کی مخالفت میں بری حد تک جری اور گستاخ ہوگئے اور بے رحمی اور بے باکی سے ستانے لگے اور مکہ میں کوئی صورت پناہ کی باقی نہیں رہی تو ۱۰ نبوی کے آخر شوال میں اس غرض سے آپ طائف تشریف لے گئے کہ وہاں بڑے بڑے امرا اور بااثر لوگ ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کی پناہ حاصل کر کے عالمی مشن کی آزادانہ دعوت و تبلیغ کی راہ نکالی جائے۔ مگر وہاں کے سرداروں اور اوباشوں کے ہاتھوں آپ کو شدید تکلیف پہنچی جو آپ کو کبھی نہیں پہنچی۔ وہاں کے سرداروں نے اس خیال سے کہ نوجوان کہیں متاثر نہ ہو جائیں، آپ سے یہ بھی کہا کہ آپ ہمارے شہر سے چلے جائیں۔ علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے گزرے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کیے، یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۳۳، ج۱)

طائف سے قرن ثعالب تک (یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ ہے) بے

ہوشی کے عالم میں آئے۔

طائف سے ناکام واپسی کے بعد اس خیال سے کہ شاید کسی قبیلہ کو اس کی توفیق ہو جائے کہ آپ کی حمایت و پناہ کی ذمہ داری لے اور اس طرح عالمی مشن کی علانیہ دعوت کی راہ پیدا ہو، آپؐ قبیلہ کے سرداروں کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے:

انی رسول اللہ الیکم یامرکم ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وان تخلعوا ما تعبدون من دون اللہ من ھذہ الانداد وان تومنوا بی وتصدقوا بی وتمنعونی حتی ابین عن اللہ ما بعثنی بہ۔ (ابن ہشام)

"میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اللہ کے علاوہ تم جن کی پوجا کرتے ہو ان کو چھوڑ دو اور مجھ پر ایمان لاؤ اور میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں اللہ کے دیے ہوئے پیغام کو اچھی طرح واضح کردوں"۔

عرب کے مشہور قبائل، جیسے بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن مصفہ، فزارہ، غسان مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنی نضر، بنی البکاء، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، ان سب کے پاس آپ تشریف لے گئے مگر کسی نے نہ تو آپ کی دعوت کو قبول کیا نہ حفاظت کی ہامی بھری۔

خصوصاً حج کے موقع پر جبکہ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز وغیرہ میں میلہ لگتا تھا اور دور دراز کے قبائل شرکت کے لیے آتے تھے، آپ ان سے بھی فرماتے: "لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے اور اس کی بدولت عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں گے"۔

لیکن بدبخت ابولہب جو آپ کا حقیقی چچا تھا، ہر وقت ساتھ رہتا اور کہتا، اس کی بات نہ ماننا، یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ قبیلہ والے بری طرح آپ کو جواب دیتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے کنبہ والے آپ سے زیادہ واقف ہیں۔ انہوں نے تو آپ کی پیروی نہیں کی۔ بہرحال قریش کی مخالفت کی وجہ سے جس طرف بھی آپ جاتے تھے، ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا اور جس قبیلہ کے سردار سے

گفتگو فرماتے تھے، ان کے جواب سے مایوسیوں کے سیاہ اور تاریک بادل میں گھر جاتے تھے۔

(۷) مگر بالآخر قضا و قدر کے ہاتھوں ۱۱ نبوی میں ان ہی مایوسیوں کی گھنگھور گھٹاؤں میں امید کی کرن اس طرح پیدا ہوئی کہ بیعت عقبہ اولیٰ میں انصار کے بارہ اشخاص نے آپ سے بیعت کی۔ ان میں سے چھ آدمی وہ تھے جن سے حج کے موقع پر ۱۰ نبوی میں ملاقات ہو چکی تھی مگر انہوں نے پناہ کی ذمہ داری نہیں لی تھی۔ ان بارہ اشخاص نے بیعت کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ایک معلم ہمارے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس مرتبہ بھی انصار کی جماعت نے آپ کی پناہ کی ذمہ داری نہیں لی، صرف بیعت کر کے چلے گئے۔

(۸) اگلے سال ۱۲ نبوی میں جب انصار کے تہتر اشخاص حج کے موقع پر اپنی قوم کے پانچ سو بت پرست ساتھیوں کے ساتھ آئے تو اور باتوں کے علاوہ اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم آپ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنی عورتوں اور اولاد کی کرتے ہیں۔

مگر یہ سب باتیں مخفی طور پر رات کو ہوئیں، جس کی اطلاع ان کے بت پرست ساتھیوں کو مطلقاً نہ ہوئی۔ کفار قریش کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ قریش کو اس کی بھنک لگ گئی۔ صبح کو قریش کے سردار اور سربرآوردہ لوگوں کی ایک جماعت آئی اور کہا: اے خزرج والو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے رات کو ہمارے آدمی (محمد ﷺ) سے مل کر ان سے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ بخدا عرب میں جتنے قبیلے ہیں، کسی کے ساتھ لڑنا ہم اس قدر برا نہیں جانتے جس قدر تم سے جنگ کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

قبیلہ خزرج کے ملازمین، جو وہاں تھے، جلدی جلدی اللہ کی قسمیں کھانے لگے کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ ہمیں تو اس کا علم بھی نہیں ہے۔ ابن ابی نے کہا، یہ محض باطل امر ہے، نہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے، نہ میری قوم بغیر میرے حکم کے ایسا کوئی کام کرے گی۔ قریش یہ سن کر واپس ہو گئے۔

(۹) جب انصار مدینہ واپس جا چکے تو آپ نے صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جائیں۔ قریش نے اس راہ میں روک ٹوک ضرور کی

لیکن صحابہ کرام کی اکثریت مخفی طور پر ہجرت کر گئی۔ نبوت کے تیرہویں سال میں، بجز ضعفاء مسلمین اور مخصوص لوگوں کے، جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے روک رکھا تھا، تمام صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آپ حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ جب قریش نے دارالندوہ میں عام اجلاس کر کے متفقہ طور پر آپ کے قتل کی تجویز منظور کر لی تو وحی الٰہی نے عین اس وقت جب قبائل متحدہ کے نوجوانوں نے آپ کے قتل کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا اور یہ طے کر لیا تھا کہ آپ جیسے ہی گھر سے نکلیں، یہ فرض ادا کیا جائے، ہجرت کا حکم دیا اور آپ اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا کر سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے اس طرح باہر نکل آئے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔

یہ نبوت کی تیرہ سالہ زندگی کی ان مشکلات کا خلاصہ ہے جس کا تعلق مکی زندگی سے ہے اور اس خلاصہ کا بھی خلاصہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا وہ بیان ہے جو انصار کی مجلس میں اس وقت فرمایا تھا جب جعرانہ میں سب مال غنیمت آپ نے جدید الاسلام اہل مکہ کو دے دیا تھا اور انصار کو کچھ بھی نہیں دیا تھا اور انصار کے نوجوانوں کی زبان پر یہ آ گیا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم قوموں کو دیا اور ہم کو محروم کر دیا، حالانکہ قریش کا خون اب تک ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ پہلے تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت دی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا"۔

آپ کے ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ خدا اور رسول کا احسان اس سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"تم یہ جواب دو کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح کی مدد کی"۔

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا:

"تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں ہر فقرہ پر کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔

لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں؟ کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر آؤ"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا تھا کہ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہے۔ اکثر کا یہ حال تھا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا' وہ ان کے حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ اس حیثیت سے دیا کہ وہ مولفتہ القلوب کے درجہ میں ہیں۔ (فتح الباری)

اس سے زیادہ پردرد آپ کا وہ بیان ہے جو جنگ بدر کے بعد' جبکہ مقتولین قریش کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئی تھیں' رؤساء قریش عتبہ' شیبہ' امیہ' ابوجہل اور دوسرے تمام سرداروں کے نام لے لے کر آپ نے فرمایا تھا:

یا اھل القلیب بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی واوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس۔ (ابن ہشام)

"اے گڑھے والو! تم اپنے نبی کے لیے اس کے خاندان کے برے لوگ تھے۔ تم نے مجھ کو جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی اور تم نے مجھے گھر سے نکالا اور دوسرے لوگوں نے مجھے پناہ دی اور تم نے مجھ سے جنگ کی اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی"۔

بہرحال ان سب کا حاصل یہ تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تیرہ سالہ مکی زندگی ایسی تھی کہ ایک دن بھی بے پناہ کے آپ آزادانہ عالمی مشن کی علانیہ تبلیغ پر قادر نہ تھے۔ مکہ کے باہر کا تو سوال ہی نہیں تھا۔
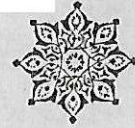
عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کی مشکلات کا تفصیلی جائزہ

ابن ہشام میں ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو "عالم کے لیے رحمت" اور تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا بنا کر مبعوث کیا۔ (ص ۸۰' ج ۱)

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "مدارج النبوہ" میں لکھا ہے:

چوں آمد او را فرشتہ بوحی' گفت مژدہ باد ترا اے محمد کہ من جبریل ام وخدا مرا بتو فرستادہ ست- وتو رسول خدائی بر ایں امت ہر جن و انس دعوت کن بقول -لا الہ الا اللہ- وگفت نجواں یا محمد' آنحضرت فرمود من خوانندہ نیستم وخواندن ندانم- (ص ۳۹)

"جب آپ کے پاس فرشتہ وحی لے کر آیا تو اس نے کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کو خوشخبری ہو' میں جبریل ہوں۔ خدا نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس امت کے جن وانس کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجئے اور کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پڑھیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور میں پڑھنا نہیں جانتا"۔

یہ فرشتہ کہاں آیا؟ کس حال میں آیا؟ اس کے متعلق بخاری شریف میں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء سچے خواب سے ہوئی۔ جو بات آپ خواب میں دیکھتے تھے، سپیدہ صبح کی طرح بلا اشتباہ سامنے آجاتی تھی۔ پھر آپ کی طبیعت کا میلان خلوت کی طرف ہوگیا اور آپ عبادت کے لیے غار حرا (جو مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل پر ہے) تشریف لے جاتے تھے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے لیتے تھے۔ جب وہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے اور پھر واپس چلے جاتے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد فرماتی ہیں کہ:

حتی جاءہ الحق وھو فی غار حراء (باب کیف کان بدالوحی الخ)

"آپ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ پر وحی الٰہی آئی"۔

پھر وہی فرشتہ جو وحی لے کر آیا تھا، اس نے آپ سے کہا: پڑھیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اس پر اس نے تین مرتبہ آپ کو اس طرح پکڑ کر بھینچا کہ انتہا درجہ کی شدت اور مشقت آپ نے محسوس فرمائی۔ اس کے بعد اس نے کہا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقرا وربک الاکرم۔ الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ (بخاری باب کیف کان بدالوحی)

"پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ، تیرا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں"۔

اس کے بعد آپ گھر اس طرح لوٹے کہ دل دھڑک رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھ کو کپڑا اڑھاؤ۔ جب یہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور فرشتہ کے بھینچنے کی شدت و مشقت کے متعلق فرمایا کہ مجھ کو تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ ابن ہشام میں ہے:

فقال اقرا، قال قلت ما اقرا، قال فغطنی بہ حتی ظننت انہ الموت۔ (ص۸۱، ج۱)

"فرشتہ نے کہا "پڑھیے"۔ فرمایا "میں نے کہا میں پڑھا نہیں کرتا۔ تو اس نے مجھے اس کے لیے پکڑ کر بھینچا۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ اب موت ہے"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ سن کر اپنے کلمات تسکین سے آپ کو اطمینان دلایا اور آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبرانی زبان جانتے تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ تورات و انجیل کے ماہر تھے۔ آخری نبی کی بشارت اور ان کے ظہور سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ سن کر یہ کلمات تسکین عرض کیے تھے:

ابشریا بن عم واثبت فوالذی نفس خدیجۃ بہ انی لا رجوا ان تکون نبی ھذہ الامۃ۔ (ص۸۱، ج۱)

"آپ کو خوشخبری ہو، آپ استقامت فرمائیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے، میں سمجھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہیں"۔

بخاری میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات عرض کیے تھے:

"خدا کی قسم، اللہ کبھی بھی آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتواں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ مفلس کے لیے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ ان حوادث و مصائب پر جو حق کی راہ میں ہوتے ہیں، اعانت کرتے ہیں"۔ (بخاری)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ ورقہ نے آپ سے پوچھا: جان عم تم نے کیا دیکھا؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پورا واقعہ بیان فرما دیا تو ورقہ نے کہا:

ھذا الناموس الذی انزل علےٰ علیٰ موسیٰ یا لیتنی فیھا جذعا لیتنی اکون حیا اذ یخرجک قومک۔ (بخاری باب کیف کان الخ)

"یہ وہی ناموس ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے اتارا

تھا۔ کاش! ان دنوں میں میں جوان ہوتا اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی"۔

یہ سن کر متعجبانہ لہجہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا: ہاں!

لم یات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودی وان یدرکنی یومک انصرک نصراً موزرا۔ (بخاری باب ایضاً)

"جب کبھی کوئی شخص اس چیز کو لے کر آیا جس کو آپ خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں تو اس کی دشمنی کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں اگر میں زندہ رہا تو آپ کی پوری پوری مدد کروں گا"۔

لیکن چند ہی دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ دنوں کے لیے وحی کا آنا رک گیا۔ (بخاری (ا)۔ باب ایضاً)

اب آپ کے سامنے اپنے فریضہ منصبی کے لحاظ سے عالمی مشن کی تبلیغ کا مسئلہ تھا کہ اس فرض رسالت کو کیونکر انجام دیا جائے؟ جن کے ساتھ چالیس برس زندگی آپ نے گزاری۔ جب ان کے حالات پر آپ نے غور کیا اور عرب کے ماحول پر نگاہ ڈالی، پھر ماضی کے ان واقعات کو، جن کا مستقبل کی تخلیق میں عالم اسباب کے سنت مقررہ کے مطابق ہاتھ ہوتا ہے، نتائج کے انتاج کے لیے غور و فکر کا مطمح نظر بنایا تو مشکلات کے بادل سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

ان مشکلات کے جھرمٹ میں فراست نبوی نے یہ فیصلہ کیا کہ عرب کے ان حالات میں حکمت عملی کا مقتضا یہ ہے کہ عالمی مشن کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے حسن تدبیر اور تدریج سے عالمی مشن پر مرمٹنے والوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جن کے سامنے مشکلات اپنی موت خود مرجائیں مگر یہ جماعت نہ مرے اور آپ کو اپنے عالمی مشن میں، زید بن عمرو بن نفیل کی طرح ناکامی سے دوچار نہ ہونا پڑا، جنہوں نے حرم میں رہ کر حرم والوں میں توحید کی صدا بلند کی تھی اور اس جرم میں پہلے شہر بدر کیے گئے، پھر قتل کر دیے گئے اور ان کا مشن ان ہی کی ذات کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔

قریش کی دینی حالت

قریش، جن میں آپ نے چالیس برس زندگی گزاری اور

جو اپنے کو ابراہیمی اور اسماعیلی کہتے تھے، ان کی دینی حالت یہ تھی کہ وہ دین ابراہیمی سے کٹ چکے تھے اور خدائے واحد سے اپنا رشتہ کاٹ کر بتوں سے اپنا رشتہ جوڑ چکے تھے۔ ان کے نزدیک اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بت "اولی درجہ" رکھتے تھے اور خدا کی ذات "ثانوی درجہ" میں تھی اور اس کی جگہ ذہن میں صرف آبائی وراثت کے طور پر تھی۔ ان کی عملی زندگی، جس کی شہادت قرآن میں ملتی ہے، یہ تھی:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۔ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (انعام۔ ع ۱۶، پ ۸)

"یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں سے اللہ کا ایک حصہ ٹھہراتے ہیں۔ پھر اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں اتنا خدا کا ہے اور اتنا ہمارے شرکاء کے لیے، پھر جو حصہ ان کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا ہے اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ برا ہے جو کچھ یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں"۔

یعنی بتوں کے ساتھ ان کا تعلق صرف یہی نہیں تھا کہ ان کی پوجا کرتے تھے بلکہ یہ لوگ خدا کے ساتھ بتوں کو بھی خدا کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی پیداوار سے ان کے لیے اسی طرح حصہ نکالتے جس طرح خدا کے لیے بلکہ کسی آفت کی وجہ سے اگر پیداوار میں کمی ہو جاتی تھی تو خدا کا حصہ ان بتوں کی طرف منتقل کر دیتے تھے مگر بتوں کا حصہ کبھی خدا کی طرف منتقل نہیں کرتے تھے اور باوجود افلاس و تنگ حالی کے بڑی تعداد میں بتوں کے لیے قربانی کرتے تھے۔

وفد خولان جب ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے "عم انس" کا (جو ایک بت کا نام ہے اور ان کا معبود تھا) حال پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ ہم لوگوں نے سو نر گاؤ جمع کیے اور سب کو ایک ہی دن "عم انس" کے لیے قربانی کر کے حیوانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ حالانکہ ہم کو خود گوشت اور جانوروں کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ہم لوگ چوپاؤں اور زراعت سے برابر عم انس کا حصہ نکالتے تھے۔ عم انس کا حصہ وسط زراعت میں

مقرر کرتے تھے اور خدا کا حصہ کنارہ میں۔ اگر زراعت کو نقصان پہنچتا تو خدا کا حصہ عم انس کے نام کر دیتے تھے مگر عم انس کا حصہ کبھی خدا کے نام نہیں کرتے تھے۔

عرب کا ماحول: قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور خانہ کعبہ کا احترام تمام عرب کے لوگ کرتے تھے، اس لیے بحیثیت متولی کعبہ کے قریش کا بھی احترام تمام عرب کے لوگ کرتے تھے۔ ابن ہشام میں ہے:

قریش تمام قبائل کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولی تھے اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور تمام عرب کو ان کی اس حیثیت کا اعتراف تھا۔

اس سرداری اور پیشوائی اور حرم و کعبہ کی تولیت، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہونے کی شرافت کا تمام قبائل عرب پر یہ اثر تھا کہ قریش کے مقابلہ میں کسی قبیلہ کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ کسی دینی معاملہ میں ان کے مزاج اور منشا کے خلاف اقدام کی جرات کر سکے۔ یہی چیز تھی کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں حج کے موقع میں جبکہ دور دور سے عرب کے مختلف قبائل آتے تھے، کسی کی ہمت یہ نہیں ہوتی تھی کہ قریش کے مقابلہ میں آپ کو پناہ دے۔ حالانکہ ایک ایک قبیلہ کے پاس آپ تشریف لے جاتے تھے اور عالمی مشن کی تبلیغ کی خاطر ان سے پناہ کے طالب ہوتے تھے۔

ابن ہشام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نوجوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ "منیٰ" میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبیلوں سے یہ فرما رہے تھے:

ان تومنوا بی و تصدقوا بی و تمنعونی حتی ابین عن اللہ ما بعثنی بہ۔ (ص ۱۴۸، ج ۱)

"مجھ پر ایمان لاؤ اور مجھے سچا جانو اور میری حفاظت کرو تاکہ اللہ نے جو چیز دے کر مجھے بھیجا ہے میں اسے صاف صاف بیان کروں"۔

لیکن عرب کے قبائل پر اس دعوت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے اور یہ طے کر لیا تھا کہ محمد (ﷺ) اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اور دیکھو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ قریش جب اسلام قبول کر لیں گے تو ہم لوگ

بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ صحیح بخاری میں ہے:

كانت العرب قلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه و قومه فانه ان ظهر عليهم فهو نبي صادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم۔ (باب و قال الليث في سلسلة غزوة الفتح)

"عرب کے لوگ اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں غلبہ کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم پر غالب ہوں گے تو وہ سچے نبی ہیں، پس جب فتح مکہ کا وقوع ہوا تو عربوں کی ہر جماعت اور ہر قبیلہ نے اسلام قبول کرنے میں سبقت سے کام لیا"۔

بت پرستی میں قریش کا رسوخ اور تشدد: ابراہیمی دین سے الگ ہونے کے بعد قریش یہ ہی نہیں کہ..... عملاً خدا سے دور تر ہو گئے تھے اور ہر طرح پر بتوں سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنی ہر ضرورت کے لیے الگ الگ بت گھڑ لیے تھے، اپنی پیداوار اور جانوروں میں ان کا خصوصی حصہ مقرر کر رکھا تھا بلکہ جہالت کی انتہا یہ تھی کہ انسانوں کی قربانی بتوں پر چڑھائی جاتی تھی۔ بلکہ وہ اعتقاداً بھی اتنے دور تر ہو گئے تھے کہ خدائے واحد کے ذکر سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی۔ قرآن مجید میں ان کی اس صورت حال کا ان لفظوں میں بیان ہے:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ (زمر-ع ۵، پ ۲۴)

"جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ہیں ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں اور جب خدا کے سوا معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں"۔

امتداد زمانہ کی بنا پر بت پرستی قریش کی طبیعت میں رچ کر مزاج بن گئی تھی اور اس عقیدت و ارادت کا رنگ ایسا چڑھ گیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی کلمۂ حق وہ سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے سامنے بت پرستی کے خلاف کوئی کلمہ حق بلند کرنا مصیبت کو

دعوت دیتا تھا۔ اب وہ اس حال میں تھے کہ ان کی عقیدت کی دیوی اپنے مخالفوں کے لیے ان سے خون کا مطالبہ کرتی تھی اور یہ بتوں کے ایسے سرشار پرستار بن چکے تھے کہ بے محابا اپنی عقیدت کے خلاف رائے رکھنے والوں کے خون ہی سے اپنی مخالفت کی پیاس بجھاتے تھے۔ چنانچہ زید بن عمرو بن نفیل' جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا تھے' ان کا خون اسی جرم میں حلال ٹھہرایا گیا کہ وہ ہزاروں بتوں کے مقابلہ میں ایک خدا کا نام کیوں لیتے ہیں؟

زید بن عمرو بن نفیل کا واقعہ: ابن ہشام میں اسحاق کی روایت ہے' قریش اپنی عید کے دن ایک ایسے بت کے پاس جمع ہوئے' جس کی وہ تعظیم کرتے' جس کے لیے قربانیاں کرتے' جس کے پاس وہ معتکف رہتے اور جس کا وہ طواف کرتے تھے۔ اس موقع پر ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے باہم سچائی اور رازداری کا عہد کر کے یہ گفتگو کی:

"واللہ تمہاری قوم ٹھیک راستہ پر نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو بھول چکی ہے۔ پتھر کیا چیز ہے' جس پر کہ نجاست ڈالی جاتی ہے۔ نہ وہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے' نہ نقصان کرتا ہے' نہ نفع پہنچاتا ہے' اس لیے اپنے لیے کوئی دین ڈھونڈ لو اور دین ابراہیمی کی تلاش کرو"۔

یہ چاروں بت پرستی سے علیحدہ ہو کر تلاش حق میں لگ گئے۔ تین شخصوں نے عیسائیت میں جا کر پناہ لی' زید بن عمرو بن نفیل نے توقف سے کام لیا۔ وہ نہ یہود ہوئے نہ نصرانی بلکہ قوم کے دین کو چھوڑ دیا' بتوں کی پرستش ترک کر دی' مردار' خون اور ان جانوروں سے' جو بتوں کے پاس ذبح کیے جاتے تھے' علیحدگی اختیار کر لی۔ (ص ۷۷' ج ۱)

بخاری شریف میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے زید کو اس حال میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے 'اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رسالت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ بالآخر قریش اس وجہ سے کہ وہ ان کی بت پرستی کی عیب جوئی کرتے تھے' سخت مخالف ہو گئے اور ان کو تکلیف پہنچانے لگے۔ مگر وہ ان کی تکلیف دہی سہتے تھے اور اپنے دل کی بھڑاس کو اپنے اشعار سے نکالتے تھے۔ ان کے بعض اشعار یہ ہیں جن کو ہم

ابن ہشام ص ۷۷' ج ا سے نقل کرتے ہیں:

اربا واحدا ام الف رب ... ادین اذا تقسمت الامور
عزلت اللات والعزی جمیعا ... کذالک یفعل الجلد الصبور
فلا عزی ادین ولا ابنتیها ... ولا صنمی بنی عمر و ازور
ولا غنما ادین وکان ربا ... لنا فی الدهر اذ حلمی یسیر
عجبت و فی اللیالی معجبات ... و فی الایام یعرفها البصیر
وبین المرء یعثر ثاب یوما ... کما یتروح الغصن المطیر
وتقوی الله ربکم احفظوها ... متی ما تحفظوها لا تبور

(ترجمہ) "جب حکومتیں تقسیم ہو گئیں تو میں ایک ہزار خداؤں کی پرستش کروں یا ایک پروردگار کی۔ میں نے لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا۔ قوی' مستقل مزاج شخص ایسا ہی کرتا ہے۔ پس میں نہ عزیٰ کی پوجا کرتا ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کی اور نہ بنی عمرو کے دونوں بتوں کی زیارت کرتا ہوں اور نہ غنم (نامی بت) کی پوجا کرتا ہوں جو اس زمانہ میں ہمارا پروردگار تھا جبکہ میری عقل کم تھی۔ مجھے تعجب ہوا اور دن رات میں بہت سی حیرت انگیز چیزیں ہیں جن کو آنکھ والا ہی پہچانتا ہے۔ اور ایسے حال میں کہ آدمی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ کسی دن اس کی حالت ایسی درست ہو جاتی ہے جیسے بارش سے شاداب ٹہنی۔ لوگو! اپنے پروردگار کے تقویٰ کی حفاظت کرو۔ جب تم اس کی حفاظت کرو گے تو رائیگاں نہیں جائے گا"۔

بالآخر اس جرم میں کہ وہ... خدائے واحد کا کلمہ پڑھتے ہیں' خطاب بن نفیل ان کے مادری بھائی نے بہت سخت اذیت پہنچائی اور مکہ کی سطح مرتفع کی طرف شہربدر کر دیا اور قریش کے نوجوانوں اور جاہلوں کو ان کے پیچھے لگا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ ان کو مکہ میں داخل نہ ہونے دو۔ جب وہ چوری چھپے آتے تو خطاب ان کو نکال دیتے اور اس خیال سے سخت اذیت پہنچاتے کہ کہیں وہ ان کا دین نہ بگاڑ دیں اور کہیں ان میں سے کوئی شخص ان کا پیرو نہ ہو جائے۔

وہ دین ابراہیمی کی جستجو میں موصل اور الجزیرہ تک گئے۔ پھر شام کی سرزمین بلقاء کے مقام میفعہ میں ایک راہب کے پاس پہنچے جو نصرانیوں کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس

سے دین ابراہیمی کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا:

"تم ایسے دین کی تلاش میں ہو جس پر چلانے والا آج تم کو کوئی نہیں ملے گا لیکن ایک نبی کا زمانہ قریب آچکا ہے جس کا ظہور تمہارے ان ہی شہروں میں ہو گا جن سے تم نکل کر آئے ہو۔ وہ دین ابراہیمی پر مبعوث ہو گا لہٰذا تم وہیں جاکر رہو"۔

یہ سن کر وہ فوراً مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب وہ بنی لخم کی بستیوں میں پہنچے تو ان لوگوں نے اس بے قصور مجرم کو حملہ کرکے قتل کرڈالا۔ (ابن ہشام۔ ص۷۹، ج۱)

ان تمام حالات کے پیش نظر اور ورقہ بن نوفل کی شہادت کی بنا پر، کہ آپ کی قوم آپ کی دشمن ہو جائے گی اور آپ کو نکال دے گی، آپ نے عالمی مشن کی تبلیغ کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ چند سال تک رازدارانہ طریق پر تبلیغ کی جائے۔

تین سال تک رازدارانہ تبلیغ کی نوعیت ۱، ۲، ۳ نبوی: ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو سب سے پہلے ایمان لائیں، ان کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے کام میں آسانی پیدا کردی۔ وہ عالمی مشن کے کام میں آپ کو ہمیشہ دلاسا دیتیں اور آپ کے بار کو ہلکا کرتیں۔ آپ نے دعوت کا آغاز اس طرح کیا کہ تنہائی میں ان لوگوں پر تبلیغ فرمانے لگے جو آپ کے پہچاننے والے اور آپ پر بھروسا کرنے والے تھے۔

علامہ شبلیؒ نے اس اجمال کی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے:

"اس غرض کے لیے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جاسکتے ہیں جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہوچکا تھا، جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے۔ یہ لوگ --- (۱) حضرت خدیجہ، جو آپ کی حرم محترم تھیں۔ (۲) حضرت علی تھے، جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ (۳) زید تھے، جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔ (۴) حضرت ابوبکر تھے، جو برسوں سے فیض یاب خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہ کو پیغام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور بزرگوں کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے"۔ (سیرت۔ ص۱۹۱، ج۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

ما دعوت احدا الی الاسلام الا کانت فیه عنده کبوۃ و نظر و تردد الا ما کان من ابی بکر بن ابی قحافة ما عکم عنه حین ذکرته له وما تردد فیه۔ (ص۸۶، ج۱)

"میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی اس کے نزدیک اسلام کے قبول کرنے میں ایک طرح کی تاخیر اور سوچ بچار اور پس و پیش تھا، بجز ابوبکر کے، کہ جب میں نے ان سے ذکر کیا تو نہ انہوں نے اس میں تاخیر کی اور نہ پس و پیش کیا"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسلام کے بعد اندرون خانہ بالکل رازدارانہ طور پر عالمی مشن کی تبلیغ کا کام شروع کردیا اور اپنے جانے بوجھے مخصوص حلقہ احباب میں، جن سے تاجرانہ تعلقات کی بنا پر ان کو خاص انس اور خلوص تھا، بالکل مخفی طور پر عالمی مشن کی دعوت دینے لگے اور اپنے وسیع تجربہ کی بنا پر چھانٹ چھانٹ کر جوہر قابل کو اپنانا شروع کیا۔ ان کی پر خلوص سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دعوت سے (۵) حضرت عثمان بن عفان، (۶) حضرت زبیر بن عوام، (۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، (۸) حضرت سعد بن وقاص، (۹) حضرت طلحہ بن عبید اللہ (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) عالمی مشن کی دعوت میں شریک ہوگئے اور آپ ان سب کو لے کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (ابن ہشام۔ ص۸۶، ج۱)

ابن ہشام میں ہے کہ ان سابقین اولین کے بعد (۱۰) ابو عبیدۃ ابن الجراح، (۱۱) ابو سلمہ جن کا نام عبداللہ بن الاسد تھا، (۱۲) ارقم بن ابی الارقم، (۱۳) عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی (۱۴) قدامہ اور (۱۵) عبداللہ، (۱۶) عبیدہ بن الحارث، (۱۷) سعید بن زید، ان کی بیوی (۱۸) فاطمہ بنت الخطاب، (۱۹) اسماء بنت ابی بکر، (۲۰) عائشہ بنت ابی بکر، (۲۱) خباب بن ارت وغیرہ (۲) عالمی مشن میں داخل ہوئے۔ (ص۸۶، ج۱)

ابن ہشام میں اسحاق کی روایت ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں بے روک ٹوک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا اور ہر طرف

اس کا چرچا ہونے لگا۔ (ص ۸۸، ج ۱)

لیکن عالمی مشن کی دعوت اور تبلیغ کی خدمت اب تک جو کچھ ہوئی، وہ رازدارانہ اور پوشیدہ طور پر ہوئی۔ برملا نہ کسی کو دعوت دی جاتی، نہ اعلان و اظہار کیا جاتا بلکہ اس سے روکا جاتا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری (جن کا قبیلہ غفار، قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا) یہ جب مکہ آپ کی خبر سن کر تحقیق حال کے لیے پہنچے اور حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی اور وہ ان کے مہمان ہوگئے تو تین دنوں تک خوف کے مارے حضرت علیؓ سے بھی کچھ پوچھنے کی جرات نہ ہوئی۔ جب حضرت علیؓ نے خود ہی آنے کی غرض پوچھی تو ڈرتے ڈرتے بتایا اور رازداری کا قول و قرار لے لیا۔ حضرت علیؓ ان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ، لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا۔ عرض کی کہ میں اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ حرم میں آئے اور زور سے پکار کر کہا: "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ"۔

یہ سننا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے، اور مارنا شروع کیا اور سب لوگوں نے مل کر اتنا مارا کہ مارتے مارتے زمین پر فرش بنا دیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ نکل آئے۔ انہوں نے جھک کر دیکھا تو کہا "کمبختو! یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے جہاں سے تم تجارت کے لیے گزرتے ہو"۔ یہ سن کر لوگوں نے چھوڑ دیا۔ دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے پھر حرم میں جاکر بلند آواز سے کلمہ پڑھا۔ پھر ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو پہلے دن ہوا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے تو ان کی جان بچی اور اپنے وطن واپس آگئے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح مکہ سے باہر کے لوگوں میں سے حضرت عمرو بن عتبہ سلمی آپ کی خبر سن کر مکہ آئے اور کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گفتگو ہوئی:

عمرو بن عتبہ --- "آپ کون ہیں؟"

حضور ﷺ --- "میں اللہ کا پیغمبر ہوں"۔

عمرو بن عتبہ --- "پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟"

حضور ﷺ --- "اللہ نے مجھ کو پیغام دے کر بھیجا ہے"۔

عمرو بن عتبہ --- "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟"

حضور ﷺ --- "مجھے خدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بت توڑے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جائے"۔

عمرو بن عتبہ --- "آپ کے کتنے پیرو ہیں؟"

حضور ﷺ --- "ایک آزاد (یعنی حضرت ابوبکر صدیق) اور ایک غلام"۔

عمرو بن عتبہ --- "تو میں بھی آپ کی پیروی کرتا ہوں"۔

حضور ﷺ --- "اس وقت تم واپس جاؤ۔ جب میری کامیابی سننا تو میرے پاس آنا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس حال میں ہوں"۔

اسماء رجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ قدیم الاسلام ہیں۔ جب خیبر فتح ہوئی تو یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (صحیح مسلم۔ باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہ)

بہرحال تین سال تک معاملہ یوں ہی رہا۔ عالمی مشن کی تبلیغی خدمت تو ہوتی رہی کیونکہ یہ فریضہ رسالت تھا اور آپ اس کے لیے مامور تھے۔ مگر سارا کاروبار صیغہ راز میں انجام پاتا تھا۔ نماز مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر پڑھی جاتی تھی۔

ابن ہشام میں اسحاق کی روایت ہے، جب نماز کا وقت آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور حضرت علیؓ بھی چھپ چھپا کر ساتھ ہو جاتے۔ جب شام ہوتی تو دونوں لوٹ آتے۔ ایک روز جب دونوں نماز پڑھ رہے تھے، ابوطالب نے دیکھ لیا تو پوچھا: "جان عم! یہ کونسا دین ہے جس کو تم نے اختیار کر لیا ہے؟" آپ نے فرمایا:

"چچا جان! یہ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے (او کما قال) اللہ نے مجھے اس دین کا رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ چچا جان! جن لوگوں کی میں نے خیر خواہی کی ہے اور جن کو سیدھی راہ کی دعوت دی ہے، ان سب میں آپ زیادہ حقدار ہیں اور اس دعوت پر مجھے قبول کرنے میں اور اس پر میری امداد کرنے میں آپ زیادہ سزاوار ہیں"۔ (ص ۸۸، ج ۱)

ابو طالب نے کہا: "جان عم! آباؤ اجداد کے دین اور اس طریقے کو، جس پر وہ تھے، میں چھوڑ نہیں سکتا لیکن اللہ کی قسم، جب تک میں زندہ ہوں، تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی"۔ (ص ۸۵، ج ۱)

ابو طالب نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ "جان پدر! تم نے یہ کونسا دین اختیار کیا ہے؟" تو حضرت علیؓ نے کہا "میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ نے پیش کیا ہے، میں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ میں نے اللہ کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے"۔ اس پر ابو طالب نے کہا کہ "انہوں نے تمہیں بھلائی کی طرف دعوت دی ہے، تم اس پر جمے رہو"۔ (ابن ہشام۔ ص ۸۵، ج ۱)

ایک دفعہ حضرت سعد بن وقاصؓ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اس طرف آنکلی تو ان کو اس طرح عبادت حق میں مشغول دیکھ کر اپنی نفرت کا اظہار کیا اور نماز کے متعلق عیب جوئی کرنے لگے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گئے اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر اتنے زور سے سر پر ماری کہ زخمی ہو کر لہولہان ہو گیا۔ (ابن ہشام۔ ص ۸۱، ج ۱)

علانیہ دعوت کا حکم --- ۴ نبوی: علانیہ دعوت کا حکم کتنے دنوں کے بعد آپ کو ملا؟ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ابتداء نبوت سے لے کر تین سال تک پوشیدہ اور رازدارانہ طریق پر آپ مکہ میں دعوت کا کام کرتے رہے۔ چوتھے سال سے آپ نے علانیہ دعوت دینی شروع کی۔ ایسا آپ نے کیوں کیا؟ قاسم کی روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ کے پاس اللہ کی جانب سے جو وحی آئی ہے، اس کو واشگاف بیان کیجئے اور اللہ کی طرف دعوت دیجئے۔ آپ ابتداء نبوت سے تین سال تک پوشیدہ طور پر دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو کھلم کھلا دعوت کا حکم ہوا"۔ (ابن سعد۔ ص ۱۳۲، ج ۱)

ابن ہشام میں ہے کہ جب مکہ میں اسلام پھیل گیا اور ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا یعنی سابقون اولون کی اچھی خاصی جماعت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی اور حکمت عملی

کے مقتضا کے موافق ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جن کے سامنے مشکلات اپنی موت خود مر جائیں مگر یہ جماعت نہ مرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ کسی کی مخالفت کی پروا کیے بغیر علانیہ اسلامی تعلیمات کو بیان کریں اور ارشاد باری ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

(حجر۔ ع ۶، پ ۱۴)

"جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے علانیہ بیان کیجئے اور مشرکین کی پروا نہ کیجئے"۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (شعراء۔ ع ۱۱، پ ۱۹)

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو (خدا کے عذاب سے) ڈرایئے اور جو مسلمان آپ کی پیروی کر چکے ہیں ان کے لیے اپنا بازو بچھا دیجئے۔ پھر اگر لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں بری ہوں ان چیزوں سے جو تم لوگ کرتے ہو"۔

طبقات میں حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا: "یامعشر قریش!" (اے قریش کے لوگو!)۔ قریش یہ سن کر کہ آپ ان کو پکار رہے ہیں، جمع ہو گئے اور پوچھا کہ "کیا بات ہے؟" تو آپ نے فرمایا کہ "اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن میں ہے تو کیا تم مجھ کو سچا سمجھو گے؟"

سب نے ایک آواز ہو کر کہا "ہاں" آپ ہمارے نزدیک غیر متہم ہیں (یعنی آپ پر کبھی بھی جھوٹ کی کوئی تہمت نہیں لگائی گئی ہے) اور آپ کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے"۔ تو آپ نے مختصر سی تقریر فرمائی کہ:

"میں تمہیں ایک عذاب شدید سے ڈرانے والا ہوں۔ اے بنی عبدالمطلب، اے بنی عبد مناف، اے بنو زہرہ، (یہاں تک کہ آپ نے قریش کی تمام شاخوں کا نام لیا اور خطاب فرمایا) اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں اور میں نہ تو تمہاری

کسی دنیاوی منفعت پر قادر ہوں اور نہ آخرت کے کسی حصہ پر' سوا اس کے
کہ تم "لا الہ الا اللہ" کہو"۔ (ص ۱۳۳' ج ۱)

حضرت عباس کی جو روایت بخاری و مسلم میں ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ جب بطون قریش کو آپ نے کوہ صفا پر سے پکارا تو سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے' انہوں نے اپنی جگہ پر دوسرے آدمی کو بھیجا کہ وہ آکر اس کو بتائے کہ کیا معاملہ ہے۔ آپ کے قریبی رشتہ داروں میں ابولہب تھا۔ کہنے لگا: تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا پورے دن تیرا ستیاناس ہو۔ بس اسی لیے ہم کو جمع کیا تھا!

عالمی مشن کی یہ کھلی ہوئی پہلی دعوت عام تھی' جو قریش پر پیش کی گئی۔ ابولہب کی ہرزہ سرائی سے بات آئی گئی ہو گئی اور کوئی نتیجہ خیز بات نہ ہوئی۔

طبقات میں ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو حکم دیا کہ آپ کے لیے کھانا تیار کریں اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اولاد عبدالمطلب کو کھانے کی دعوت دے دو۔ انہوں نے چالیس آدمیوں کو بلایا۔ جب وہ لوگ آ گئے تو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کھانا لاؤ۔ حضرت علیؓ ان کے پاس "ثرید" لے آئے جو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی ہی اسے کھا لیتا مگر ان سب نے اس میں سے کھایا اور سیر ہو گئے۔ ابولہب نے پھر ہرزہ سرائی کی اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم سب پر جادو کر دیا ہے۔ بات پھر آئی گئی ہو گئی اور سب اٹھ کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرایا اور حضرت علیؓ نے پھر سب کو جمع کیا تو انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ان لوگوں کو آپ نے عالمی مشن کی دعوت دی اور فرمایا:

> "کون میری دعوت کو قبول کرتا ہے اور جس مشن پر میں ہوں' اس میں کون میری مدد کرے گا' اس توقع پر کہ اس کے لیے جنت ہو"۔

پوری مجلس پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ بالآخر پوری مجلس سے ایک آواز اٹھی جو حضرت علیؓ کی تھی کہ:

> "یا رسول اللہ! میں دعوت قبول کروں گا اور میں مدد کروں گا' اگرچہ میں ان سب میں کمسن ہوں اور کمزور اور پتلی پنڈلی والا ہوں"۔

لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ صاحبزادہ کی جرات دیکھتے ہو؟ ابوطالب نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو' وہ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ خیر کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرے گا۔ (ص ۱۲۵' ج ۱)

اتمام حجت کے بعد عالمی مشن کی دعوت میں سرگرمی: وحی الٰہی کے اس حکم کی عملی تعمیل کے بعد کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے' اب آپ نے "فاصدع بما تومر" (جس کے آپ مامور بنائے گئے ہیں واشگاف بیان کیجئے) خلوت و جلوت دونوں میں کھلم کھلا عالمی مشن کی تبلیغ فرمانے لگے۔ جب تک آپ توحید و رسالت کی اجمالی دعوت ان کو دیتے رہے اور مکارم اخلاق کی تلقین کرتے رہے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے' جنت اور رضوان الٰہی کی بشارت دیتے رہے' قریش نے خصوصی کد اور پرخاش اور مخالفت و عداوت کا اظہار نہیں کیا۔ گرچہ اپنی مجلس طرب اور ادب میں اس طرح کا طنز کرتے رہے کہ بنی مطلب کا یہ لڑکا آسمان کی باتیں کرتا ہے۔

لیکن معاملہ جب اس سے آگے بڑھا اور وحی الٰہی میں ان کے معبودوں پر تبصرہ کیا جانے لگا اور ان کے پرستاروں کی ہلاکت و خسران پر روشنی ڈالی جانے لگی اور ان کے آباؤ اجداد پر' جن کی موت کفر پر ہوئی' ان کے نتائج اور ان کی عاقبت کے احوال بیان کیے جانے لگے تو ان کی جاہلی حمیت اور غیرت میں متشددانہ مدوجزر پیدا ہوا اور لوگ پرخاش و عداوت پر اتر آئے۔ طبقات ابن سعد میں زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اتمام حجت کے بعد خفیہ اور علانیہ دونوں طرح عالمی مشن کی دعوت دی۔ تو نوجوانوں میں سے اور غرباء کے طبقہ سے' جس کو اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی' دعوت قبول کی' یہاں تک کہ ایمان لانے والوں کی کثرت ہو گئی اور آپ ابتداء" اور کچھ فرماتے تھے' قریش اس پر اجنبیت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہاں یہ ہوتا تھا کہ آپ جب ان کی مجلس یعنی دربار کے وقت ان کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ بنو مطلب کا یہ لڑکا آسمان کی باتیں کرتا ہے۔ یہ معاملہ کچھ دنوں تک یوں ہی رہا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی بے حقیقتی کو بیان کیا' جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے اور ان کے ان آباؤ اجداد کی ہلاکت و خسران کا ذکر کیا جن کا خاتمہ کفر پر ہوا تو وہ لوگ چوکنا ہوئے اور آپ کے دشمن ہو گئے۔ (طبقات۔

ص ۱۳۳، ج ۱)

ابن ہشام میں اسحاق کی روایت ہے کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق علانیہ اور مفصل طور پر عالمی مشن کا اظہار فرمایا تو جہاں تک مجھے واقعات کا علم ہے، آپ کی قوم نے آپ سے نہ تو ترک تعلقات کیا، نہ آپ سے پرخاش اور ردوکد کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کے بتوں کی برائیاں اور کمزوریاں بیان کیں تو سوا ان لوگوں کے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے محفوظ کر لیا تھا، قریش نے اس معاملہ کو اہمیت دی اور آپ سے بے تعلقی برتنے لگے اور آپ کی مخالفت اور دشمنی میں ایک دل ہو گئے۔

مکی دعوت

مکی زندگی میں آپ کیا دعوت دیتے تھے اور کس طرح بلیغ انداز اور خطیبانہ لہجے میں خطاب فرماتے تھے، اس کا صحیح اندازہ مکی سورتوں سے ہو سکتا ہے۔ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ ارشاد فرمایا اور کس طرح ارشاد فرمایا، ہلکی سی مختصر روشنی تبلیغی امور کے متعلق اس تقریر سے پڑتی ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دربار نجاشی میں اس موقع پر کی تھی جب قریش کا وفد نجاشی کے پاس اس مقصد سے پہنچا کہ یہ مہاجرین ہمارے قومی مجرم ہیں۔ آپ ان کو اپنے ملک سے نکال دیجئے اور ہمارے حوالہ کر دیجئے اور مسلمانوں سے نجاشی نے پوچھا کہ تم نے ایسا کون سا دین اختیار کر لیا جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر:

ابن ہشام میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی، جو حبش میں بحیثیت مہاجر کے موجود تھیں، روایت ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر فرمائی تھی:

"اے بادشاہ! ہماری قوم کی یہ حالت تھی کہ ہم سب بتوں کی پوجا کرتے۔ مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے تھے، صلہ رحمی کے خلاف رشتے اور ناتے توڑتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ ہمارے طاقت ور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، یہ ہماری حالت تھی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر مبعوث کیا، جس کی شرافت، صداقت، امانت، پاک دامنی سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو اللہ کی جانب سے

یہ دعوت دی کہ:

ہم اللہ کو ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے بزرگوں نے، جو خدا کو چھوڑ کر پتھروں اور بتوں کی پوجا اختیار کر رکھی تھی، ان پتھروں کی پوجا کو چھوڑ دیں، سچ بولیں، امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کے تعلقات قائم رکھیں، پڑوسیوں سے نیک سلوک کریں، حرام باتوں سے بچیں، خون خرابے سے باز آئیں، بری باتوں کو چھوڑ دیں، جھوٹ نہ بولیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پاک دامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ اس نے ہم سے کہا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں۔

ہم لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ انہوں نے اللہ کی جانب سے پیش کیا، ہم نے اس کی پیروی کی۔ یعنی ہم نے خدائے واحد کی عبادت کی اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنایا۔ ان تمام چیزوں کو حرام جانا جو ہم پر حرام ٹھہرائی گئیں اور ان چیزوں کو حلال سمجھا جو ہمارے لیے حلال ٹھہرائی گئیں۔ پس اس جرم پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم و زیادتی کی اور انہوں نے ہمیں تکلیفیں پہنچائیں، مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں"۔ (ص ۱۱۶، ج ۱)

حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی اسلامی احکام کو حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں بیان کیا:

بہرحال اس طرح کی آیتوں کے نزول نے کہ:

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ۔
(انبیاء۔ ع ۷، پ ۱۷)

"لاریب تم لوگ اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو، دوزخ کے ایندھن ہوں گے"۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ (حج۔ع ۱۰ ‘ پ ۱۷)

"لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو۔ خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس کے لیے سب اکٹھا ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں"۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ (فرقان۔ع ۱ ‘ پ ۱۸)

"ان لوگوں نے خدا کے سوا (دوسروں کو) معبود بنا رکھا ہے۔ جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں اور اپنے لیے وہ نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ہیں اور نہ موت اور حیات اور دوبارہ زندگی کا اختیار رکھتے ہیں"۔

قریش کو مشتعل کر دیا۔ اور حسب تصریح ابن ہشام "قریش آپ کی مخالفت اور دشمنی میں ایک دل اور ایک رائے ہو گئے۔ ابو طالب نے جب ان حالات کو دیکھا اور یہ سمجھا کہ قریش کی مخالفت اور عداوت کا کوہ آتش فشاں اب آگ کا لاوا اگل کر رہے گا تو کھل کر آپ کی حمایت کا اظہار کیا اور آپ کی حفاظت اور امداد کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کی حمایت کی پناہ میں بحکم "فاصدع بما تومر" عالمی مشن کی دعوت کو مکہ کی ہر گلی و کوچہ میں کھلم کھلا بیان کرنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ بت پرستی کی علانیہ مذمت بھی کرنے لگے۔ باوجود اس کے کہ خطرات کے بادل ہر طرف محیط تھے اور پتہ دے رہے تھے کہ اب یہ کھل کر برسے گا اور برس کر رہے گا"۔ (ابن ہشام)

۵ نبوی: قریش کے آبائی رسم و رواج اور ان کے معبودوں کی علانیہ مذمت‘ قریش کے جنگجویانہ مزاج کو اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کو ایک ساتھ قتل کر دیا جائے اور شہرستان کفر و شرک کو توحید کی بدعت سے پاک کر دیا جائے‘ ایسے معقول وجوہ تھے کہ کسی تحریک سے پہلے اس کی تائید کے لیے

ہر شخص کے دل میں داعیہ موجود تھا اور ایسا کر گزرنا ان کے لیے آسان بھی تھا کیونکہ مٹھی بھر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں کیا تاب مقاومت ہو سکتی تھی۔ لیکن عرب کا قومی مزاج اور قبائلی عصبیت اس اقدام سے روکتی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ ابو طالب اور بنو ہاشم کا قبیلہ خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے اور پورا مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی واقعہ تھا کہ اب تقریباً ہر قبیلہ میں ایک دو شخص اسلام لا چکے تھے اور ان میں سے ایسے بھی تھے کہ ان کے قبیلہ نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ اب ان مٹھی بھر مسلمانوں کا استیصال چند افراد کا مسئلہ نہ تھا بلکہ مکہ کے تمام قبائل کا مسئلہ تھا اور اس کا حل ہنوز ان کے بس کا روگ نہ تھا۔

ابن ہشام میں ہے کہ بنی مخزوم کے چند لوگ ہشام بن ولید بن مغیرہ کے پاس اس ارادہ سے گئے کہ ان کے قبیلہ کے ان نوجوانوں کو گرفتار کر لیں جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان ہی میں سلمہ بن ہشام‘ عیاش بن ابی ربیعہ‘ ولید بن مغیرہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے ہشام سے یہ تو نہیں کہا کہ ہم اس عزم سے آئے ہیں کہ ان کو گرفتار کریں بلکہ یہ کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان نوجوانوں کی‘ جنہوں نے نیا دین ایجاد کیا ہے‘ سرزنش کریں تاکہ دوسروں پر اس کا اثر نہ پڑے۔ ہشام نے کہا کہ تم سرزنش تو کر سکتے ہو لیکن خبردار ان کی جان پر آنچ نہ آئے۔ اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

الا لا یقتلن اخی عمیس فیبقی
بیننا ابد اتلاحی

خبردار! میرے بھائی عمیس کو قتل نہ کرنا ورنہ ہمیشہ کے لیے باہمی جنگ باقی رہے گی۔

پھر اس نے قسم کھائی کہ واللہ! اگر تم نے اس کو قتل کیا تو میں تم لوگوں کے بہترین شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔ یہ سن کر سب نے برہم ہو کر کہا کہ اللہ کا اس پر غضب ہو۔ اس خبیث کے مقابلہ میں کون جرات کرے گا۔ (ص ۱۱۰ ‘ ج ۱)

بہرحال یہ خطرہ عام خون ریزی سے تو مانع تھا مگر جہاں تک ایذا رانی‘ سرزنش‘ قید و بند اور مختلف قسم کی تعذیب اور تکلیف کا تعلق تھا‘ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور یہ سلوک خود قبیلہ والے بھی اپنے ان افراد سے کار خیر سمجھ کر انجام دیتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مسلمان ہو کر بددین ہو گئے تھے اور ان کی سب سے بڑی بھی خواہی یہ سمجھتے تھے کہ ان کو پھر اپنے دین کی طرف مرتد کر لیا جائے۔

طبقات میں ہے:

"قریش نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی اور ان کو قید خانہ میں ڈال دیا اور قریش نے ارادہ کر لیا کہ ان کو ان کے دین سے مرتد بنا دیا جائے۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی زمین پر پھیل جاؤ۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہاں"۔ (ابن سعد۔ ص ۱۳۶، ج ۱)

ابن ہشام میں ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ گرچہ آپ بذات خود ابو طالب کی کھلی حمایت کی وجہ سے قریش کے شر سے محفوظ ہیں مگر آپ کے اصحاب قریش کی شرارتوں اور طرح طرح کی ناقابل برداشت تکلیفوں (۳) کا نشانہ بن رہے ہیں اور آپ ان کی محافظت بھی نہیں کر سکتے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا:

لو خرجتم الی ارض الحبشہ فان بها ملکا لا یظلم عندہ احد و هی ارض صدق حتی یجعل الله لکم فرجا مما انتم فیہ۔ (ص ۱۱۰، ج ۱)

"اگر تم لوگ سرزمین حبشہ کو چلے جاؤ تو بہتر ہو، اس لیے کہ وہاں کے بادشاہ کے پاس کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جن حالات میں تم مبتلا ہو اس سے بچنے کی راہ نکال دے"۔

ہجرت حبش: جب ان بلاکشان اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ دیا کہ حبش کو ہجرت کر جائیں تو انہوں نے اپنے وطن کو، اپنے عزیزوں کو، اللہ کے گھر کعبہ مکرمہ کو، مسجد حرام کو اور حرم کی بابرکت سرزمین کو دین کی حفاظت کی خاطر چھوڑنا گوارا کر لیا۔ اس لیے کہ وہ سب کچھ جھیل سکتے تھے مگر وہ اس کے لیے تیار نہ تھے کہ ارتداد قبول کریں اور یہاں یہ ممکن نہ تھا کہ اسلامی احکام کو آزادی سے بجا لائیں۔ بالآخر ۵ نبوی کے ماہ رجب میں مہاجرین حبش کا پہلا قافلہ حبش کو روانہ ہوا۔ حبش ان کی جانی پہچانی ہوئی جگہ تھی۔ یہ قریش کا قدیم تجارتی اڈہ تھا۔ وہاں کے حالات سے یہ اچھی طرح واقف تھے۔ نجاشی، جو وہاں کا بادشاہ تھا، اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی۔ اسی بنا پر اس کو زبان رسالت نے "ارض صدق" کے شرف سے نوازا

تھا۔

طبقات میں ہے:

قال محمد بن عمرو فکانوا خرجوا فی رجب سنة خمس۔ (ص ۱۳۸، ج ۱)

"محمد بن عمرو کا قول ہے کہ یہ لوگ ۵ نبوت میں رجب کے مہینے میں حبشہ کے لیے نکلے"۔

مہاجرین حبشہ کا یہ پہلا قافلہ بارہ مرد اور چار عورتوں کا تھا۔ طبقات۔ ص ۱۳۶، ج ۱۔ میں ان کے نام (۴) حسب ذیل ترتیب سے ہیں:

(۱) عثمان بن عفان۔ (۲) ان کی بیوی حضرت رقیہ۔ (۳) ابو حذیفہ بن عتبہ۔ (۴) ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل۔ (۵) زبیر بن عوام۔ (۶) مصعب بن عمیر۔ (۷) عبد الرحمٰن بن عوف۔ (۸) ابو سلمہ بن عبد الاسد۔ (۹) ان کی بیوی ام سلمہ بنت ابی امیہ۔ (۱۰) عثمان بن مظعون الجمحی۔ (۱۱) عامر بن ربیعہ۔ (۱۲) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ۔ (۱۳) ابو سبرہ بن ابی رہم۔ (۱۴) حاطب بن عمر۔ (۱۵) سہیل بن بیضاء۔ (۱۶) عبد اللہ بن مسعود۔ (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

حسن اتفاق سے جب یہ لوگ بندرگاہ پہنچے تو ایک تجارتی جہاز حبش کو جا رہا تھا۔ یہ لوگ اس پر سوار ہو گئے۔ قریش کو جب خبر ہوئی تو تعاقب میں بندرگاہ تک پہنچے مگر جہاز اس سے پہلے ہی ساحل چھوڑ چکا تھا۔

اس کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور جعفر بن عبد المطلب مع اپنی بیوی اسماء بنت عمیس اور عمرو بن سعید بن العاص مع اپنی بیوی فاطمہ بنت صفوان وغیرہ نے ہجرت کی اور یکے بعد دیگرے تقریباً تراسی مسلمان ہجرت کر گئے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے نام ایک مکتوب گرامی دیا، جس میں عالمی مشن کی دعوت بھی تھی اور مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کے برتاؤ کا ارشاد بھی تھا۔ یہ سب سے پہلا نامہ مبارک ہے جو آپ نے عالمی دعوت کے سلسلہ میں ارسال فرمایا۔ اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول الله الی النجاشی الاصحم ملك الحبشة۔

سلام انت فانی احمد الیك الله الذی لا اله الا هو الملك القدوس السلام المومن المهیمن واشهد ان عیسی بن مریم روح الله و کلمتہ القاها الی مریم البتول الطیبة الحصینة فحملت بعیسی فخلقه الله من روحه ونفخه کما خلق ادم بیده ونفخه۔

وانی ادعوك الی الله وحده لا شریك له والموالاة علی طاعته وان تتبعنی وتومن بالذی جاءنی فانی رسول الله۔ وقد بعثت الیك ابن عمی جعفراو نفرامعه من المسلمین۔ فاذا جاءك فاقرهم ودع التجبر فانی ادعوك وجنودك الی الله فقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ (الوثائق السیاسیہ۔ ص ۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی اصحم شاہ حبش کے نام۔

تم پر سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو تمام عالم کا بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ سلامتی دینے والا ہے۔ امان دینے والا ہے اور محافظ ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف اللہ نے ڈالا۔ اور حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوگئیں۔ پھر اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح اور اپنے نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جس طرح حضرت آدم کو اپنے ہاتھ اور اپنے نفخ سے پیدا کیا تھا۔

میں تم کو خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور خدا کی فرماں برداری کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میری پیروی

اختیار کرو اور جو چیز میرے پاس آئی ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اس لیے کہ میں بلاشبہ اللہ کا رسول ہوں۔

میں اپنے چچازاد بھائی کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جب یہ تمہارے پاس پہنچیں تو غرور و تکبر کو ترک کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے تبلیغ اور نصیحت کا فرض انجام دے دیا' پس تم لوگ میری نصیحت قبول کرو۔ اس پر سلامتی ہو جس نے راہ راست کی پیروی کی"۔

مہاجرین کا یہ قافلہ جب حبش پہنچا تو نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ اچھے پڑوس کا معاملہ کیا اور مسلمان امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے اور ان کو اپنی عبادت میں ہر طرح کی آزادی نصیب ہوئی' جس سے متاثر ہو کر عبداللہ بن حرثؓ نے اپنے ان حالات سے مکہ کے مسلمان بھائیوں کو باخبر کرنے کے لیے چند اشعار کہے۔ ان کے بعض اشعار ہم ابن ہشام سے نقل کرتے ہیں:

یا راکبا بلغا عنی مغلغلته	من کان یرجو بلاغ الله والدین
کل امرء من عباد الله مضطهد	ببطن مکته مقهور و مفتون
انا وجدنا بلاد الله واسعته	تنجی من الذل والمخزاة والهون
فلا تقیموا اعلے ذل الحیاة وخز	یی فی المماة وعیب غیر مامون

(ترجمہ) "اے مسافر! میری جانب سے ان لوگوں کو پیام پہنچادے جو خدائی احکام اور دین کے مکمل ہونے کے آرزومند ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے ہر اس شخص کو میرا پیام پہنچادے جو وادی مکہ میں مجبور' مغلوب' بلاؤں میں گرفتار ہے۔ ہم نے اللہ کے شہروں کو وسیع پایا۔ جو ذلت' رسوائی' اہانت سے نجات دلاتے ہیں۔ پس تم بھی زندگی کی ذلت اور موت کی رسوائی اور بے امنی کے عیب میں پڑے نہ رہو"۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۱۴' ج ۱)

قریش کو جب یہ خبر ملی تو ان کو اسلام دشمنی میں یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ مظلوم مہاجرین حبش میں بھی چین سے زندگی گزاریں۔ ابن ہشام میں ابن اسحاق کی حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حبش میں اطمینان اور بے خوفی کی زندگی گزار رہے ہیں اور انہیں ہر طرح کا

چین مل گیا اور گھر بھی مل گیا تو انہوں نے مشورہ کر کے یہ طے کر لیا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو نجاشی اور اس کے وزیروں کے لیے تحائف دے کر حبشہ بھیجا جائے اور بات یہ طے پائی کہ یہ سفارت پہلے درباریوں سے مل کر ان کو ہموار کر لے کہ وہ ان کی تائید کریں اور پھر نجاشی سے ملا جائے اور مفرورین کے متعلق استدعا کی جائے کہ بغیر ان سے گفتگو کیے ہوئے وہ ان کے حوالہ کر دیے جائیں۔

جب یہ سفارت حبش پہنچی تو درباریوں سے مل کر اور تحفہ پیش کر کے ان کو تائید پر ہموار کر لیا گیا۔ دوسرے دن یہ سفارت دربار میں پہنچی اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند مفرورین ہیں جنہوں نے یہاں آ کر پناہ لی ہے۔ ان لوگوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جس کو نہ ہمارے دین سے تعلق ہے نہ آپ کے دین سے۔ ہمارے معززین اور شرفاء نے، جن میں ان کے باپ اور چچا بھی ہیں، ہم کو آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ ان مفرورین کو آپ ہمارے حوالہ کر دیں۔ یہ لوگ قومی مجرم ہیں اور قوم کے شرفاء اور معززین نے جو الزام ان پر عاید کیے ہیں، وہ اس میں حق بجانب ہیں۔ اس لیے کہ وہ بحیثیت ان کے بزرگ اور رئیس ہونے کے ان کو خوب جانتے ہیں اور ان کے کردار سے اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ بات انتہا درجہ ناپسند تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی گفتگو سنے۔ اس استدعا کے بعد درباریوں نے متفق ہو کر تائید کی کہ مناسب یہی ہے کہ مفرورین ان دونوں کے حوالہ کر دیے جائیں تاکہ یہ ان کی قوم کے پاس ان کو پہنچا دیں۔ ان مفرورین کے بارے میں ان کی قوم کے معززین اور شرفاء یقیناً ان سے برتر ہیں۔ انہوں نے ان پر جو الزام رکھا ہو گا، وہ اس میں حق بجانب ہوں گے کیونکہ وہ ان سے اور ان کے کردار سے ہر طرح باخبر ہیں۔

نجاشی نے اس تائید پر برہم ہو کر کہا: خدا کی قسم! میں ان کو ہرگز حوالے نہیں کروں گا جب تک کہ ان کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، اس کی نسبت دریافت نہ کر لوں۔ اس طرح پر حوالگی کا تصور ان کے متعلق کیسے کیا جا سکتا ہے جنہوں نے دوسروں کو چھوڑ کر میری پناہ اور میرے پڑوس کو اختیار کیا ہے اور ہمارے ملک میں بطور مہمان کے آئے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے

جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے وہ تقریر کی جو مکی تعلیم کے تحت میں ہم لکھ آئے ہیں۔ آخر میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اے بادشاہ! ہم نے دوسروں پر آپ کو اور آپ کی ہمسائیگی کو اس لیے ترجیح دی کہ مجھ کو یہ امید ہوئی کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔

نجاشی نے پوچھا: "کیا تمہارے پاس وہ کلام الٰہی، جو تمہارے رسول پر اترا ہے، کچھ ہے؟"

حضرت جعفر نے کہا: "ہاں"۔

نجاشی نے کہا: "کچھ پڑھو"۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کھیعص یعنی سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: واللہ نجاشی رو پڑا اور اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر بتر ہو گئی اور ان کے علماء بھی، جن کے سامنے صحیفے کھلے ہوئے تھے، اتنا روئے کہ ان کے صحیفے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: "بے شک یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی طاق کی روشنی ہیں"۔ پھر ان دونوں سے کہا: "تم دونوں چلے جاؤ۔ واللہ! نہ تو میں انہیں تمہارے حوالے کروں گا اور نہ ان کے متعلق ایسا تصور کیا جا سکتا ہے"۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ جب یہ دونوں ناکام واپس ہوئے تو عمرو بن العاص نے کہا: "واللہ میں نجاشی سے کل ایسی بات کہوں گا جس سے اس جماعت ہی کا استیصال ہو جائے گا"۔

اس پر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا کہ ایسا نہ کرنا، گرچہ یہ ہمارے دین کے مخالف ہیں مگر ہمارے رشتہ دار ہیں۔ دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور کہا کہ آپ ان کو بلوایئے اور ان سے دریافت کیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ کیا کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا بھیجا کہ اس پر روشنی ڈالیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ ایسی مصیبت ہم پر کبھی نہیں آئی تھی۔ ہم سب کے سب جمع ہوئے۔ باہم مشورہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہیں گے؟ بات یہ قرار پائی کہ چاہے کچھ بھی ہو، واللہ ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے کہا ہے اور جو

ہمارے رسول نے ہم تک پہنچایا ہے۔ جب دربار میں پہنچے تو ان سے پوچھا گیا:

نجاشی: "تم لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟"

حضرت جعفرؓ: "ہمارے رسول نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، رسول ہیں، اس کی روح اور کلمہ ہیں جس کو اللہ نے کنواری مریم میں ڈال دیا ہے"۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: نجاشی نے یہ سن کر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا: "واللہ تم نے جو کہا، عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں"۔ پادری لوگ جو دربار میں موجود تھے، نہایت برہم ہو گئے اور اپنے نتھنے پھلا کر آواز نکالنے لگے مگر نجاشی نے کوئی پروا نہیں کی اور مسلمانوں سے کہا کہ تم بے خوف ہو کر رہو۔ جو تم کو برا بھلا کہے گا تو اس سے بدلہ لیا جائے گا اور اس طرح قریش کی سفارت ناکام ہو گئی۔

چند مہینوں کے بعد یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہ نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا، لیکن جب مکہ کے اسی طرف ایک گھنٹہ کی راہ پر تھے تو بنی کنانہ کے چند شُترسواروں سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اب باہم مشورہ ہوا تو یہ بات قرار پائی کہ جب پہنچ چکے ہیں تو قریش کا اندازہ کر لیا جائے کہ ان کا کیا حال ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے اعزہ سے ملنا چاہے، مل لے، پھر واپس حبش چلا آئے۔ ابوبکر بن عبدالرحمان کی روایت ہے کہ سوائے عبداللہ بن مسعود کے، جو تھوڑی دیر بیرون مکہ ٹھہر کر حبش واپس گئے، سب لوگ اپنے پڑوسی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

حبش کی طرف دوبارہ ہجرت: یہ واپسی کا واقعہ شوال کا تھا۔ طبقات ابن سعد میں عبدالرحمٰن بن سابط وغیرہ سے مروی ہے کہ جب اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلی ہجرت سے مکہ آگئے تو قریش نے ان پر سختی کی اور ان کے خاندان والوں نے بھی ان پر حملہ کیا۔ اس سے ان کو سخت اذیت پہنچی۔ مجبوراً حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لیکن اس مرتبہ کی روانگی پہلے سے زیادہ دشوار تھی اور سخت سے سخت اذیت قریش کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔

حضرت عثمان بن عفانؓ جب دوسری مرتبہ ہجرت کرنے لگے تو نہایت پُردرد الفاظ میں بارگاہ رسالت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! نجاشی کے پاس وہ ہماری پہلی ہجرت اور

یہ دوسری ہجرت اس طرح ہوئی کہ آپ ہمارے ہمراہ نہیں ہوتے"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم لوگ اللہ کی طرف اور میری طرف ہجرت کرنے والے ہو۔ تمہیں ان دونوں ہجرتوں کا ثواب ملے گا"۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! بس اتنا ہمیں کافی ہے"۔

بہرحال قریش کی سخت مزاحمت کے باوجود مظلوموں کی تقریباً ایک سو کی جماعت، جس میں گیارہ عورتیں تھیں، مکہ کو خیرباد کہہ کر حبش روانہ ہو گئی اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ جب ان کو حضور کی ہجرت مدینہ کی خبر ملی تو بتیس مرد اور آٹھ عورتیں وہاں سے واپس آگئے۔ باقی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں بلالیا اور نجاشی کو یہ نامہ مبارک تحریر فرمایا کہ اصحاب میں سے جو لوگ ان کے پاس باقی ہیں، انہیں آپ کے پاس بھیج دیں اور سوار کرا دیں۔

نجاشی نے حسب حکم نبوی مہاجرین کو عمرو بن امیۃ الضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں سوار کرا دیا۔ یہ لوگ جب ساحل "بولا" پر اترے تو کرایہ کی سواریوں پر مدینہ منورہ آئے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف فرما ہیں تو خیبر پہنچے۔ خیبر فتح ہو چکا تھا۔ مگر مسلمانوں کو راضی کر کے مال غنیمت میں ان کو بھی شریک فرمالیا۔ (طبقات ابن سعد۔ ہجرت حبشہ ثانی)

۶ نبوی: ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کے پاس اپنی سفارت میں ناکام واپس آئے اور اسی کے ساتھ ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ نجاشی کا خصوصی الطاف و اکرام ہے، تو یہ ان پر بہت شاق گزرا اور ان کی عداوت اور دشمنی میں شدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ایک دن ابوجہل کوہ صفا کے پاس سے گزرا تو اس نے رُوبرو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کیں اور آپ کو تکلیف بھی دی اور اسلام کی عیب جوئی بھی کی۔ اس کو عبداللہ بن جدعان کی ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حسب معمول حضرت حمزہؓ شام کو شکار سے واپس آئے تو اس نے تمام ماجرا بیان کیا اور یہ بھی کہا "ابو عمارہ! آج ابوجہل نے آپ کے بھتیجے کو گالیاں بھی دیں اور ناپسندیدہ باتوں کی انتہا کر دی اور محمد ﷺ نے اس سے بات بھی نہیں کی"۔ اب حضرت حمزہؓ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ کیونکہ آپ کے چچاؤں میں حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص

محبت تھی' آپ کی ہر ادا کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دونوں رضاعی بھائی بھی تھے۔ ایک ساتھ کھیلے تھے۔

تیر و کمان لیے ہوئے تیزی سے وہاں سے چلے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا ابو جہل لوگوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ جب اس کے پاس پہنچے تو کمان اٹھا کر اتنے زور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر زخمی ہو گیا اور کہا کہ تو محمد کو گالیاں دیتا ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں اور میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ اگر تجھ میں جرات ہے تو میرے ساتھ بھی وہی برتاؤ کر کے دیکھ۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام کے بعد قریش نے سمجھا کہ اب آپ قوی اور محفوظ ہو گئے۔ اب حمزہؓ ان کی جانب سے مدافعت کریں گے اور عملاً ان کا یہ حال ہو گیا کہ آپ پر ایذا رسانی کا موقع پانے کے باوجود بھی وہ اس سے احتراز کرنے لگے۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام کے چند ہی روز کے بعد حضرت عمرؓ کا واقعہ پیش آیا۔ اسلام دشمنی میں حضرت عمرؓ کا نمبر ابو جہل سے کم نہ تھا اور تعذیب مسلمین ان کا دینی محبوب مشغلہ تھا۔ حبش کے واقعہ کا ان پر بھی اثر پڑا اور دل میں یہ طے کر لیا کہ مرکز دعوت خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو قتل کر دیا جائے تاکہ اس فتنہ کا جڑ ہی سے استیصال ہو جائے۔ ان کا واقعہ ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت سے یہ ہے کہ:

حضرت عمرؓ اپنی تلوار حمائل کیے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے کوہ صفا کی طرف جانے کے لیے نکلے۔ ان کو معلوم تھا کہ کوہ صفا کے پاس ایک گھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رہتے ہیں۔ ان کے پاس ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب' ابوبکر صدیق' علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور وہ مسلمان ہیں جنہوں نے ہنوز حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی ہے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوئی جو ان کے خاندان کے تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کسی کو اس کی خبر نہیں تھی۔ وہ اب تک اس کو چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور کو دیکھ کر حضرت نعیمؓ نے پوچھا:

"عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "اس بے دین شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ان کے عقل مندوں کو بے وقوف بتاتا ہے۔

ان کے دین میں عیب نکالتا ہے' ان کے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو قتل کر دوں"۔

حضرت نعیمؓ نے کہا: "عمر! خدا کی قسم تمہارے نفس نے تم کو دھوکا دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا تو بنی عبد مناف تم کو چھوڑ دیں گے۔ پہلے تم اپنے گھر کی تو اصلاح کر لو"۔

حضرت عمرؓ نے متعجب ہو کر پوچھا: "میرے گھر میں ایسا کون ہے؟"

حضرت نعیمؓ نے کہا: "تمہارا بہنوئی' تمہارا چچازاد بھائی سعید بن زید بن عمرو اور تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہو گئے ہیں"۔

اب حضرت عمرؓ کا رخ بدل گیا۔ بجائے کوہ صفا کے' بہن کے گھر پہنچے۔ عجب اتفاق کہ اس وقت حضرت خباب ابن الارتؓ جو ان کے معلم تھے' پڑھا رہے تھے اور ان کے ساتھ ایک کتاب تھی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ ان کی آہٹ پا کر حضرت خبابؓ مکان کے کسی حصہ میں چھپ رہے اور حضرت فاطمہ بنت خطابؓ نے اس کے اجزاء چھپا لیے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: "یہ کیا آواز تھی؟" بولیں: "کوئی خاص بات نہیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "مجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پیرو ہو چکے ہو"۔

یہ کہہ کر بہنوئی سے لپٹ پڑے۔ بہن بچانے کو آئیں تو ان کو ایسا مارا کہ سر زخمی ہو کر لہولہان ہو گیا۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو دونوں نے کہا کہ "ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔ تم جو چاہو کرو"۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر جو بہن کو خون میں لت پت دیکھا تو دل بے قرار ہو گیا اور کہا "اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے' میں بھی دیکھوں کیا چیز ہے؟"

بہن نے کہا: "بھائی جان! اس کتاب کو پاک شخص کے سوا کوئی دوسرا چھو نہیں سکتا"۔ اب حضرت عمرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کیا تو بہن نے کتاب دے دی۔ جب اس کا ابتدائی حصہ پڑھا تو بے اختیار بول اٹھے "یہ کلام کس قدر اچھا ہے اور کتنی عظمت والا ہے"۔

حضرت خبابؓ جو اب تک چھپے ہوئے تھے' یہ سنا تو یہ سمجھ کر کہ تیر نشانہ پر بیٹھ چکا'

اب عمروہ عمر نہ رہے' باہر نکل آئے اور کہا "عمر! بخدا مجھے امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے تم کو اسلام کے لیے منتخب کر لیا۔ میں نے کل ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا ہے:

اللھم ایدالاسلام بابی الحکم بن ھشام او بعمر بن الخطاب۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۲۰' ج ۱)

"اے میرے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے اسلام کی تائید فرما"۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ آستانہ مبارک پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک صحابی دروازہ کھولنے کے لیے بڑھے تو دروازہ کی جھریوں سے دیکھ کر عرض کیا کہ عمر بن الخطاب ہیں اور تلوار حمائل کیے ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنے دیجیے۔ اگر اخلاص لے کر آیا ہے تو ہم بھلائی کا سلوک کریں گے ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر رکھ دیں گے۔ حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر دامن پکڑ لیا اور بھینچ کر فرمایا:

ما جاء بک یابن الخطاب فو اللہ ما اری ان تنتھی حتی ینزل اللہ بک قارعۃ۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۲۰' ج ۱)

"اے عمر! تجھے کیا چیز یہاں لے آئی۔ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ تو باز نہیں آئے گا یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کوئی آفت نہ نازل کرے"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول اور اس چیز پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں جو اللہ کی طرف سے آپ لے کر آئے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیساختہ اتنی زور سے نعرہ مارا کہ تمام صحابہ جان گئے کہ حضرت عمر مسلمان ہو گئے اور بجلی کی طرح مکہ میں یہ خبر پھیل گئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو کفار قریش میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتفاق سے عین ہنگامہ کے وقت عاص بن وائل آگیا۔ اس نے پوچھا کہ "یہ ہنگامہ کیسا ہے؟" لوگوں نے کہا "عمر مرتد ہو گئے"۔ عاص بن وائل نے کہا "اس میں کیا ہوا؟ میں نے عمر کو پناہ دی"۔

ابن ہشام میں اس ہنگامہ کی تفصیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا جب میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو پوچھا کہ باتوں کو ادھر ادھر پہنچانے والا قریش میں کون ہے۔ کہا گیا کہ جمیل بن معمر الجمحی۔ تو آپ سویرے اس کے پاس پہنچے اور کہا اے جمیل! تجھے معلوم ہے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی جمیل کھڑا ہو گیا اور حضرت عمرؓ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ مسجد حرام کے دروازہ پر پہنچا تو اپنی انتہائی بلند آواز سے چیخا اور قریش کو' جو کعبۃ اللہ کے دروازہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے' پکار کر کہا: سن لو! عمر بن الخطاب بے دین ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں کہتے: یہ جھوٹ کہتا ہے' میں نے تو اسلام قبول کیا ہے اور اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا اور باہم جنگ ہونے لگی۔ اور اتنی دیر تک ہوتی رہی کہ آفتاب سروں پر آگیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ہم تین سو مرد ہو جائیں گے تو مکہ کو یا تو ہم چھوڑ دیں گے (یعنی ہجرت کر جائیں گے اور کسی جگہ پر دارالاسلام کی بنیاد رکھیں گے) یا تم اسے ہمارے لیے چھوڑ دو گے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ قریش کا ایک بوڑھا آدمی' جو یمنی کپڑے کا نیا لباس اور نقش و نگار کی ہوئی قمیص پہنے تھا' آیا اور پوچھا کہ یہ کیا ہنگامہ ہے۔ لوگوں نے کہا: عمر بے دین ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا: تو کیا ہوا؟ ایک شخص نے اپنی ذات کے لیے ایک بات اختیار کر لی ہے' پھر تم کیا چاہتے ہو کہ بنو عدی بن کعب اس کو تمہارے حوالہ کر دیں گے۔ اس شخص کو چھوڑ دو۔ یہ بوڑھا شخص عاص بن وائل تھا۔ (ص ۱۲۱' ج ۱)

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر کہ اسلام کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت ابوجہل ہے' چلو اس کو خبر کر دوں۔ ابوجہل رشتہ میں حضرت عمرؓ کا ماموں ہوتا تھا۔ آپ نے دروازہ پر پہنچ کر دستک دی۔ اس نے مرحبا اور اہلاً سہلاً کہہ کر پوچھا: "میرے بھانجے کیسے آنا ہوا؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس خبر کے لیے آیا ہوں کہ آپ کو یہ مژدہ پہنچا دوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں"۔ یہ سنتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ "اللہ تجھ کو اور اس چیز کو' جس کو لے کر تو آیا ہے' برباد کرے"۔ (ص ۱۲۲' ج ۱)

دعوت اسلام کفر کی نگاہ میں: سفارت حبشہ کی ناکامی کی وجہ سے ان کی عداوت میں جو شدت آگئی تھی' اس میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے مزید شدت پیدا ہوگئی۔ جیسے جیسے وہ دیکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں' ویسے ویسے ان کی شدت بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مگر باوجود اس کے جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ یہ شدت قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتی ہے تو متحیر ہو جاتے تھے اور دوسری راہ سے سوچنے لگتے تھے اور اس للہیت اور اخلاص اور فداکاری کی تہہ میں ان کو دنیاوی منفعت اور جاہ کی طلب مضمر نظر آنے لگتی تھی۔

چنانچہ سیرت ابن ہشام میں حضرت حمزہؓ کے اسلام کے بعد کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ (جو امیر معاویہؓ کا نانا تھا اور قریش کے سرداروں میں سے تھا) قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں تنہا بیٹھے ہیں۔ اس نے قریشیوں سے کہا کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کروں اور ایسی باتیں ان کے سامنے رکھوں جن میں سے کچھ نہ کچھ وہ قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور جو مراعات چاہیں' ہم انہیں دے دیں تاکہ وہ اپنی دعوت سے باز آجائیں۔ سبھوں کی تائید سے عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہا:

"بھتیجے! تم جانتے ہو کہ تم ہم لوگوں کی نگاہ میں باعتبار خاندان کے بڑے رتبہ والے ہو اور نسب کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔ لیکن تم نے اپنی قوم میں ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے جس سے تم نے قومی جماعت کو تتر بتر کر دیا ہے۔ ان کے عقلمندوں کو تم بیوقوف اور احمق کہتے ہو اور ان کے معبودوں کو برا بتاتے ہو اور ان کے دین کی عیب جوئی کرتے ہو اور ان کے بزرگوں کو کافر بتاتے ہو۔

سنو! میں چند باتیں تمہارے غور کے لیے تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ تم اس دعوت کے ذریعہ کیا چاہتے ہو؟ اگر مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اور اگر تم سیادت چاہتے ہو تو ہم تمہیں سردار بنالیں گے۔ کوئی بات تمہارے بغیر قطعی نہیں ہوگی۔ اور اگر تم حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے۔

اور اگر آسیب و جن میں مبتلا ہو تو ہم جھاڑ پھونک کا انتظام کریں گے"۔

وغیرہ وغیرہ۔

جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بات بھی سن لو۔ آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کو ابتداء سے پڑھنا شروع کیا اور آیت سجدہ تک پڑھتے چلے گئے۔ عتبہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پیچھے رکھ کر اس پر سہارا دیے ہوئے سنتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

قد سمعت یا ابا ولید ما سمعت فانت و ذاک۔ (ابن ہشام۔ ص۹۹' ج۱)

"اے ابو ولید تم نے جو کچھ سنا' سن لیا۔ اب تم جانو اور وہ"۔

عتبہ واپس آیا تو اس نے قریش سے کہا: "میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ واللہ نہ وہ شعر ہے' نہ جادو ہے' نہ کہانت ہے۔ تم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر عربوں نے اس کا خاتمہ کر دیا تو اغیار نے تم کو اس سے بے نیاز کر دیا اور اگر اس نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی"۔ لوگوں نے کہا "ابو ولید! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر اپنی زبان کا جادو کر دیا ہے"۔

حضرت عمرؓ کے اسلام سے مسلمانوں کی حالت بدل گئی۔ ابن ہشام میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ ہم کعبتہ اللہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو قریش سے جنگ کی اور آخر انہوں نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حوالہ جات

(۱) بخاری شریف کی اس روایت میں' جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے' نہ تو یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھ کو ڈر ہے" نہ یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک تھا اور نہ یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس شک کو مٹانے کے لیے ورقہ کے پاس تشریف لے گئے تھے بلکہ حضرت خدیجہؓ اپنی

طمانیت کے لیے ورقہ کے پاس گئیں۔ اور واقعہ کو خود صاحب واقعہ کی زبان سے بیان کرانے کے لیے آپ کو اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی طمانیت خود ذات رسالت کا مقصود تھا۔

کیونکہ عالمی مشن کی تبلیغ و تقویت کے لیے حضرت خدیجہؓ کی ذات سب سے پہلی کڑی تھی، اس لیے ان کی طمانیت ضروری تھی۔

(۲) ابن ہشام میں ۵۵ - ۵۶ ناموں کا ذکر اسی ترتیب سے ہے۔ حضرت خباب بن الارت کے بعد حسب ذیل ناموں کا ذکر ہے:

(۲۲) عمیر بن وقاص (۲۳) عبداللہ بن مسعود (۲۴) مسعود بن القاری (۲۵) سلیط بن عمرو (۲۶) ان کے بھائی حاطب بن عمرو (۲۷) عیاش بن ربیعہ (۲۸) ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ (۲۹) خنیس بن حذافہ (۳۰) عامر بن ربیعہ (۳۱) عبداللہ بن جحش (۳۲) ان کے بھائی ابو احمد بن جحش (۳۳) جعفر بن ابی طالب (۳۴) اسماء بنت عمیس (۳۵) حاطب بن الحارث (۳۶) ان کی بیوی فاطمہ بنت المجلل (۳۷) ان کے بھائی خطاب بن الحارث (۳۸) ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار (۳۹) معمر بن الحارث (۴۰) السائب بن عثمان (۴۱) المطلب بن ازہر (۴۲) ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف (۴۳) النحام جن کا نام نعیم بن عبداللہ تھا (۴۴) عامر بن فہیرہ، حضرت ابوبکرؓ کے غلام (۴۵) خالد بن سعید بن العاص (۴۶) ان کی بی بی امینہ بنت خلف بن اسد (۴۷) حاطب بن عمرو (۴۸) ابو حذیفہ بن عتبہ (۴۹) ابن عتبہ بن ربیعہ (۵۰) واقد بن عبداللہ (۵۱) خالد (۵۲) عامر (۵۳) عاقل (۵۴) ایاس بنو بکیر کے بچے (۵۵) عمار بن یاسر (۵۶) صہیب بن سنان رومی۔۔۔ (ص ۸۷، ج ۱)

(۳) مثلاً حضرت خبابؓ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ کوئلے دہکائے گئے۔ زمین پر بچھائے گئے۔ اس پر ان کو چت لٹایا گیا۔ پھر ایک شخص چھاتی کو پاؤں سے دبائے رہا کہ کروٹ نہ بدل سکیں، یہاں تک کہ کوئلے بجھ گئے۔ حضرت بلالؓ کو ٹھیک دوپہر کے وقت جلتی بالو پر لٹایا جاتا تھا پھر پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دی جاتی تھی۔ ان کے گلے میں رسی باندھ کر لونڈوں کے حوالہ کر دیا جاتا تھا کہ شہر کے ہر گلی و کوچہ میں گھسیٹتے پھریں۔ حضرت صہیب رومیؓ کو اتنی سخت اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ حضرت سمیہؓ کو برچھی سے مارا گیا اور اتنا مارا گیا کہ جاں بحق ہو گئیں۔ اس طرح کے

مظالم کی تفصیل تو کجا، ان کی اجمالی فہرست کی بھی یہاں گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ ان ظالموں کی بے رحمی اور سفاکی کی انتہا یہ تھی کہ لوہے کو آگ میں دہکا کر مسلمانوں کے جسم کو داغتے اور خوش ہوتے۔ ۱۲۔

(۴) (۱) خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ ہیں۔ (۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔ (۳) ان کا باپ عتبہ قریش کا سردار تھا۔ اس کی اسلام دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور یہی چیز باعث بنی کہ ابو حذیفہ بیوی کے ساتھ ہجرت کر جائیں۔ (۴) یہ قبیلہ بنی عامر بن لوئی کی خاتون تھیں۔ حبشہ ہی میں ان کو اللہ نے ایک لڑکا محمد بن ابی حذیفہ عنایت فرمایا۔ (۵) یہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کا لقب حواری رسول تھا۔ (۶) یہ خاندان بنو ہاشم سے تھے اور ہاشم کے پوتے تھے۔ (۷) یہ مشہور صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ چونکہ بنی زہرہ میں سے ہیں اس لیے حضور ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار ہیں۔ (۸) یہ قبیلہ بنی مخزوم سے تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن اسد تھا۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ (۹) یہ ام سلمہ وہی ہیں جو ابو سلمہ کے بعد حضور ﷺ کے عقد میں آئیں۔ یہ حبشہ سے مکہ آئیں پھر مکہ سے مدینہ آئیں۔ اہل سیر کے نزدیک ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ (۱۰) یہ امیہ بن خلف کے چچیرے بھائی تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور اس قافلہ کے یہی امیر تھے۔ بنو جمح سے تھے۔ (۱۱) یہ سابقون اولون میں سے ہیں، جو آل خطاب کے حلیف تھے۔ (۱۲) یہ قبیلہ عدی بن کعب کی خاتون تھیں۔ (۱۳) ابو سبرہ اور ان کی والدہ برہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ (۱۴) یہ بدری ہیں۔ امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے انہی نے ہجرت کی اور حبشہ پہنچے۔ (۱۵) سہل بن بیضا۔۔ یہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے دو دفعہ حبشہ ہجرت کی اور جنگ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ (۱۶) عبداللہ بن مسعود۔۔ یہ مجتہدین صحابہ میں سے ہیں۔ جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم و تربیت کی خدمت کے لیے کوفہ بھیج دیا تھا اور لکھا تھا کہ ان کے بھیجنے میں ہم ایثار کو راہ دے رہے ہیں۔

قریش کی سفارتیں

پہلی سفارت

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ قریش نے جب یہ دیکھا کہ (۱) محمد صلے اللہ علیہ وسلم علانیہ اسلام کے عالمی مشن کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ (۲) اور ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے باز نہیں آتے۔ (۳) اور ان کی قوم کو ان سے جو شکایت اور دکھ ہے' اس سے معذرت خواہ بھی نہیں ہوتے۔ (۴) اور ان کے چچا ابو طالب ان کی حمایت میں سینہ سپر ہیں۔ (۵) اور آپ کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور یہ ایک طاقت بنتے جا رہے ہیں تو قریش کے سرداروں کی ایک سفارت ابو طالب کے پاس آئی' جس میں عتبہ' شیبہ' ابو جہل اور ابو سفیان وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں' ہمارے دین کی عیب جوئی کی' ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف بنایا اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتایا' لہٰذا ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ:

سفارت کا مطالبہ: (۱) اس کو ہم سے روک دیجئے۔ (۲) یا ہمارے اور اس کے درمیان میں دخل نہ دیجئے کیونکہ آپ بھی اسی دین پر ہیں جس پر ہم ہیں۔ ہم آپ کی جانب سے بھی اس کا بندوبست کرلیں گے۔

مطالبہ سن کر ابو طالب نے ان سے نرمی سے باتیں کیں اور حسن تدبیر سے انہیں

واپس کر دیا۔

دوسری سفارت: اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی لیکن وجہ مخاصمت چونکہ اپنی جگہ پر موجود تھی یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علانیہ عالمی مشن کی دعوت پُرجوش طریقہ پر جس طرح انجام دیتے تھے' وہ بدستور دیے جا رہے تھے۔ ان کے معبودوں کی بے حقیقتی پر کھل کر جس طرح تبصرہ کیا جاتا تھا' وہ بدستور کیا جا رہا تھا اور بت پرستی کی سفاہت ان پر جس طرح ظاہر کی جاتی تھی' وہ بدستور کی جا رہی تھی۔ اس پر ان کی برہمی اور شدت کے لیے یہ نئی بات اور پیدا ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت عمر' حضرت حمزہ' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم بھی عالمی مشن کی علانیہ دعوت دینے لگے۔ طبقات میں یعقوب بن عتبہ کی روایت ہے کہ:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے مکہ میں اسلام کا ہر طرف چرچا کیا اور آپ کا کام پھیل گیا اور ایک دوسرے کو دعوت دینے لگے' تو حضرت ابوبکرؓ ایک کنارہ پر حسب معمول خفیہ طور پر دعوت دیتے تھے۔ سعید بن زیدؓ وغیرہ کا بھی اسی پر عمل تھا' لیکن حضرت عمر' حضرت حمزہ' حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم علانیہ دعوت دیتے تھے"۔ (ص ۱۳۳)

اس پر مزید برآں ان کی برہمی کا باعث یہ بھی بنا کہ مجرمین خاطئین کی سرزنش میں' چاہے وہ کوئی بھی ہوتا' قرآن کی آیت نازل ہوتی تھی اور ان کو اس طرح متنبہ کیا جاتا تھا:

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ۔ (علق)

"وہ متنبہ ہو جائے اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطاکار ہے"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ان مجرمین کے متعلق فرمایا جاتا تھا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ۔ (قلم۔ ع ۱' پ ۲۹)

"اس شخص کے کہنے میں نہ آیئے جو بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ہے۔ طعنہ کرتا ہے۔ چغلیاں لگاتا ہے۔ لوگوں کو بھلائی کے کام سے روکتا ہے۔ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ خطاکار ہے۔ تُند مزاج ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا ہے' اس لیے کہ وہ مالدار اور اولاد والا ہے"۔

ارباب اقتدار' جو ان ذلیل اور رسوا کن بداخلاقیوں میں مبتلا تھے' وہ اپنی دکھتی ہوئی رگ کی گرفت پر بلبلا اٹھتے تھے۔ لہجہ گرچہ سخت تھا مگر بات بغیر اس کے بننے والی بھی نہ تھی۔ علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے:

"ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی عربی نخوت' دولت و اقتدار کا فخر' ریاست کا زعم۔۔۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب سخت نہ ہوتی وہ باخبر نہ ہوتے' اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے جاتے:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۔ (مدثر۔ پ ۲۹)

"مجھ کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو۔ میں نے اس کو پیدا کیا اور بہت سا مال دیا۔ بیٹے دیے۔ سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں۔
ہرگز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے"۔

یہ خطاب (۱) ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے' جو قریش کا سرتاج تھا اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری اقتدار حاصل نہ تھا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۰۳' ج ۱)

ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عداوت میں شدت اور بڑھ گئی اور ذاتِ رسالت کا ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے جو لحاظ و خیال تھا' اب اس میں کمی ہونے لگی۔ ابن ہشام میں ہے کہ اب قریش ایک دوسرے کو آپ کے خلاف ابھارنے لگے بلکہ ملامت کرنے لگے۔ بالآخر قریش کی ایک دوسری سفارت مرتب ہوئی جس میں تمام روسائے قریش شریک ہوئے۔ وہ سفارت ابوطالب کے پاس آئی اور اس نے کہا:

اے ابوطالب! آپ ہم میں عمر اور نسب کے لحاظ سے' رتبہ کے لحاظ سے' خصوصی

درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے استدعا کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے بارے میں روکیے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا۔ واللہ ہم ان باتوں پر اب صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دی جائیں' ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف بتایا جائے' ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کی جائے اور یہ مطالبہ رکھا۔

سفارت ثانی کا مطالبہ

ہم اس کو اس طرح کی باتیں کرنے سے روک دیں گے یا مقابلہ کی ٹھہرائیں گے۔ اب آپ درمیان سے نکل جائیں' یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے ایک برباد ہو جائے۔

اس مرتبہ ان کے غم و غصہ کا پارہ اتنا اونچا تھا کہ سفارت ثانی کے تمام ارکان یہ چیلنج دے کر چلے آئے اور جواب کی کوئی پروا نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی کہ ابوطالب سے اس کے بارے میں کچھ استمزاج کریں۔ ابوطالب نے ارکان سفارت کے تیور کو دیکھ کر سمجھا کہ قریش میں اب صبر و ضبط کا یارا نہیں ہے اور معاملہ نے نہایت نازک صورت اختیار کر لی ہے اور تنہا قریش کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ تمہاری قوم کا یہ مطالبہ ہے۔ لہٰذا تم اپنی جان پر بھی رحم کرو اور مجھ پر بھی رحم کرو اور مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے یہ سن کر سمجھا کہ اب چچا بھی' جو آپ کے ظاہری پشت پناہ تھے' حمایت سے عاجز ہو رہے ہیں۔ عجب نہیں کہ آپ کی حمایت ترک کر دیں۔ پھر بھی پوری طمانیتِ قلب کے ساتھ فرمایا:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ۔ (ابن ہشام۔ ص ۸۹' ج ۱)

"چچا جان! واللہ اگر وہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس معاملہ کو چھوڑ دوں' یہاں تک کہ اللہ اس کو غلبہ دے دے یا میں مرجاؤں' میں اس کو نہیں چھوڑوں گا"۔

ان کلمات کو آپ نے اس شدتِ تاثر سے ادا کیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور آپ رو پڑے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوطالب یہ سن کر بے چین ہو گئے اور کہا کہ "بھتیجے جاؤ' اور جو چاہو کہو' خدا کی قسم! میں کسی قیمت پر تم کو ان کے حوالے نہیں کروں

گا"۔

تیسری سفارت: ابو طالب سے اس گفتگو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستور "عالمی مشن" کی دعوت میں مشغول رہے۔ قریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جرات تو نہ کرسکے مگر ابن ہشام میں ہے کہ قریش نے یہ دیکھ کر کہ ابو طالب نے عملاً (۱) اپنے بھتیجے کی امداد نہ کرنے سے انکار کردیا۔ (۲) نیز آپ کو حوالہ کرنے سے بھی انکار کردیا۔ (۳) اور ان کے معاملہ میں الگ ہو جانے سے بھی انکار کردیا۔ (۴) اور تمام رؤسائے قریش کے چیلنج پر بھی ان سب سے مقابلہ میں پوری قوم کی مخالفت کی بھی ان کو پروا نہیں ہوئی، یہ طے کیا کہ آخری فیصلہ کے لیے تیسری سفارت ابو طالب کے پاس جائے۔ چنانچہ قریش کی تیسری سفارت عمارہ بن ولید مخزومی کو لے کر ابو طالب کے پاس پہنچی اور صاف لفظوں میں دو ٹوک مطالبہ ان کے سامنے یہ رکھا:

تیسری سفارت کا مطالبہ: اے ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید ہے جو قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کو لے لیجئے۔ اس کا نفع اور نقصان آپ کے ساتھ رہے گا۔ اس کو بیٹا بنا لیجئے اور بھتیجے کو ہمارے حوالہ کر دیجئے کہ ہم اس کو قتل کر ڈالیں۔ (ابن ہشام۔ ص ۸۹، ج ۱)

ابو طالب نے کہا: تم کتنا برا معاملہ میرے ساتھ کر رہے ہو۔ میں تمہارے لڑکے کو اس لیے لوں کہ اس کو کھلاؤں اور پلاؤں اور میں تمہیں اپنا لڑکا اس لیے دوں کہ تم اس کو قتل کر ڈالو۔ واللہ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس پر مطعم بن عدی بول اٹھا: ابو طالب! تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اور جس بات کو تم ناپسند کرتے ہو، اس سے بچنے کی انہوں نے پوری کوشش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم ان کی کوئی بات ماننا نہیں چاہتے۔

ابو طالب نے کہا: واللہ انہوں نے تو میرے ساتھ کوئی انصاف نہیں کیا ہے، لیکن تو نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ میرے خلاف اپنی قوم کی حمایت کرے اور میرے حق میں انصاف کی کوئی بات نہ کہے۔ اچھا تو جو تیرے جی میں آئے کر۔

معاملہ کی شدت: اس کے بعد معاملہ نے شدت اختیار کر لی اور گرما گرم جنگ چھڑ گئی اور آپ کے عہد توڑ دیے گئے اور ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہو گئے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے محفوظ تھے۔ لیکن ان تمام مسلمانوں پر، جو قریش کے مختلف قبیلوں میں سے اسلام لا چکے تھے اور اپنے اپنے قبیلوں میں اپنے قبیلہ والوں کی پناہ میں تھے اور ان ہی میں رہا کرتے تھے، قریش کے ابھارنے پر ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے مسلمانوں پر پل پڑا اور ان کو دین سے برگشتہ کرنے کے درپے ہو گیا اور ان کو مرتد بنانے کے لیے ہر طرح کی تدبیریں کرنے لگا۔ (ابن ہشام۔ ص ۹۰، ج ۱)

ابو طالب کی بنو ہاشم کو اجتماع کی دعوت: جب ابو طالب نے یہ متحدہ محاذ دیکھا اور قریش کی اسلام دشمنی کی ظالمانہ کارروائیوں کی اس شدت کا معائنہ کیا جو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلہ کے مسلمانوں پر جاری کر رکھی تھیں اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہی ظالمانہ کارروائیاں وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمانوں کے ساتھ بلکہ خود بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو وہ مردانہ وار اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ جس چیز کا وہ عہد کر چکے ہیں یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حفاظت کا قول دے چکے اور ان کی حمایت کا فیصلہ کر چکے ہیں، بنو ہاشم کے سامنے ان سب کو رکھیں اور ان کو بھی اس کی دعوت دیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور حمایت کا عہد ان سے لیں۔ ابو طالب کی دعوت پر، بجز دشمن اسلام ابولہب کے، بنو ہاشم کا ایک ایک فرد جمع ہو گیا اور جب بنو ہاشم کے سامنے ابو طالب نے قریش کی معاندانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کی شدت کی روئیداد کو رکھ کر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور حمایت کا مسئلہ ان کے سامنے رکھا اور اپنے عہد اور عزیمت کا ان کے سامنے اظہار کیا اور ان کو بھی اس کی دعوت دی تو سبھوں نے ابو طالب کی دعوت کو لبیک کہا اور عہد کیا کہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ رہیں گے۔ ابو طالب اپنے نوجوانوں کے اس فیصلہ سے بہت مسرور ہوئے اور انتہائی مسرت میں پُرجوش الفاظ میں خاندانی مفاخرت اور ہاشمی شجاعت اور ہمیشہ ظلم کی مدافعت میں ان کے سینہ سپر رہنے کی روایات پر اشعار کہے اور اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کی، جس سے خاندانی محبت اور حمایت کا خون ان کے قلب کے ریشہ ریشہ میں اتر کر دوڑنے لگا۔ ابن ہشام نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔ (ص ۹۰، ج ۱)

اذا اجتمعت یوما قریش لمفخر   فعبد مناف سرها وصمیمها

فان حصلت اشراف عبد منافها ففی هاشم اشرافها وقديمها

وان فخرت يوما فان محمدا هو المصطفى من سرها وكريمها

تداعت قريش غثها وسمينها علينا فلم تظفر و طاشت حلومها

وكنا قديما لا نقر ظلامته اذا ما ثنوا صعر الخدود نقيمها

و نحمی حماها كل يوم كريهته و نضرب عن احجارها من يرومها

بنا انتعش العود الذواء وانما باكتافنا تندى و تنمى ارومها

(ترجمہ) "جب کبھی قریش کسی قابل فخر کام کے لیے جمع ہوئے تو ان میں بنی عبد مناف ہی ان کی جان اور روح رواں رہے--- پھر جب قریش کے عبد مناف کے شریفوں کا شمار کیا گیا تو ان کے بڑے مرتبہ والے اور آگے بڑھائے جانے کے قابل "بنی ہاشم" کے لوگ نکلے۔ اور جب کسی دن بنی ہاشم مفاخرت کی مجلس میں فخر کریں گے تو "محمد ﷺ" ہی بنی ہاشم کے جاندار اور معزز لوگوں میں "منتخب" نکلیں گے۔ قریش کے اچھے اور برے تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو ہماری مخالفت پر ابھارا۔ تاہم انہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی اور ان کی متین عقلیں ہوا ہو گئیں۔ ہمیشہ سے ہم اس کے خوگر رہے ہیں کہ کسی ظلم کو قائم نہیں رہنے دیتے۔ اور جب کبھی لوگوں نے تکبر سے گالوں کے جھکاؤ کو ٹیڑھا کیا تو ہم انہیں سیدھا کرتے رہے۔ ہر خوفناک موقع پر قومی زمینوں کی نگرانی ہم ہی کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی حدود کی جانب جب کوئی ارادہ کرتا ہے تو اس کی حدود کی حفاظت ہم ہی کرتے رہے ہیں۔ سوکھی لکڑیاں ہمارے طفیل سے سرسبز ہو گئی ہیں۔ ہمارے ہی "اکتاف" سے سوکھی لکڑیوں کی جڑیں ترو تازہ ہوتی ہیں اور نشوونما پاتی ہیں"۔

۷-۸-۹ نبوی --- شعب ابی طالب میں محصوری: اختتام ۶ نبوی تک

واقعات کے تسلسل نے صورت حال کو اس نازک حد تک پہنچا دیا کہ طبقات ابن سعد میں ہے:

غضبوا على رسول الله عليه وسلم واصحابه واجمعوا على قتل رسول الله صلے الله عليه وسلم۔

(ص ۱۳۹، ج ۱)

"قریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر غضبناک ہو گئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے "قتل" پر اتفاق کر لیا"۔

اور اس کی عملی صورت باہمی مشورہ سے یہ سوچی گئی کہ رسول اللہ اور آپ کے پورے خاندان کو، جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور حمایت کا ابو طالب سے عہد کیا تھا، انہیں محصور کر کے تباہ کر دیا جائے اور بے موت ان کو مار دیا جائے اور ان کا ہر طرح پر بائیکاٹ کر دیا جائے تاکہ کوئی چیز ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس باہمی عہد کی مضبوطی کے لیے تمام قبائل عرب نے ایک "معاہدہ" مرتب کیا اور سب لوگوں نے اس کا اقرار کیا کہ خاندان بنو ہاشم سے نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان سے کسی طرح کا میل جول رکھیں گے۔ جب معاہدہ مرتب ہو گیا تو مزید استحکام کے لیے اس کو خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا تاکہ اس معاہدہ کے خلاف کوئی شخص، کوئی بات نہ کر سکے اور خود معاہدہ کرنے والوں کو بھی اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرات نہ ہو۔ یہ سب کارِ خیر انجام دینے کے بعد ان ظالموں نے متحدہ طاقت کی بنا پر بنو ہاشم کو مجبور کیا کہ وہ مکہ چھوڑ دیں۔ مجبوراً ابو طالب پہلی محرم ۷ نبوی کی شب کو تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ، بجز ابو لہب کے، شعب ابی طالب میں (یعنی پہاڑ کے ایک درہ میں، جو ان کا موروثی تھا) جا کر محصور ہو گئے۔ طبقات میں ہے:

وكتبوا كتابا على بنی هاشم الا يناكحوهم ولا يبايعوهم ولا يخالطوهم وكان الذى كتب الصحيفة منصور بن عكرمة العبدرى فشلت يده وعلقوا الصحيفة فی جوف الكعبه وقال بعضهم بل كانت عند ام الجلاس بنت مخرمة الحنظلية خالة ابی جهل وحصروا بنی هاشم فی شعب ابی طالب ليلة هلال المحرم سنة سبع من حين تنبى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ص ۱۴۰، ج ۱)

"قریش کے لوگوں نے بنی ہاشم کے خلاف ایک معاہدہ نامہ لکھا کہ نہ تو ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، نہ میل جول

رکھیں گے۔ جس نے یہ عہد نامہ لکھا تھا وہ منصور بن عکرمہ العبدری تھا۔ اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ انہوں نے اس عہد نامہ کو کعبہ کے بیچ میں لٹکایا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ عہد نامہ ام الجلاس بنت مخرمہ حنظلیہ کے پاس رہا جو ابو جہل کی خالہ تھی۔ محرم ۷ نبوی کی چاند رات کو شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کا محاصرہ کر لیا گیا"۔

یہ محاصرہ تین سال تک مسلسل رہا اور قریش اپنے معاہدہ کی پوری نگرانی کرتے رہے کہ ان سے نہ کوئی ملے جلے' نہ باہر سے ان کے پاس کوئی چیز پہنچے۔ کوئی شخص اگر بنو ہاشم کے پاس کچھ بھیجنا چاہتا بھی تو بغیر چوری چھپے بھیجنا ناممکن تھا۔ یہ زمانہ بہت سخت تھا۔ علامہ شبلیؒ نے "روض الانف" کے حوالہ سے لکھا ہے:

"یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ "طلح" کے پتے کھا کر رہتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے' یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے "روض الانف" میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو ایک سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا' پھر آگ پر بھونا اور پانی ملا کر کھایا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۲۸' ج ۱)

طبقات میں ہے: قریش نے ان لوگوں کا غلہ اور ضروری اشیاء بند کر دیں۔ بنو ہاشم موسم حج کے سوا نکل نہیں سکتے تھے۔ ان پر سخت مصیبت آ گئی تھی۔ معصوم بچوں کے بلک بلک کر رونے کی آواز "شعب" سے باہر آتی تھی تو قریش خوش ہوتے تھے۔ ہاں بعض رحم دل لوگوں کو اس سے ناگواری ہوتی تھی۔

ان حالات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر (جن کی شان میں قرآن مجید نے عزیز علیہ ما عنتم بیان کی ہے۔ یعنی وہ چیز جو کافروں کے لیے مشقت کا سبب بنتی تھی' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ تکلیف کا سبب بن جاتی تھی) غم واندوہ کے ہاتھوں کیا گزرتی ہو گی' تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جب آپ سوچتے ہوں گے کہ آپ کے پورے خاندان کو آپ کی حمایت اور حفاظت کے عہد کے جرم میں شہر بدر کر دیا گیا اور ان پر ان کی زندگی بھاری کر دی گئی اور موت کے کھوہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا۔

ان ظالم قریشیوں کی ظالمانہ شدت کا یہ حال تھا کہ بنو ہاشم نہیں بلکہ بنو ہاشم سے سسری ناتہ رکھنے والے کو بھی اگر اس کا رشتہ دار کچھ بھیجنا چاہتا تو اس کو بھی روکتے تھے۔ ابن ہشام میں ہے کہ حکیم بن حزام بن خویلد' جو حضرت خدیجہؓ کا حقیقی بھتیجا تھا' اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی خدیجہؓ کے لیے چپکے سے گیہوں لیے جا رہا تھا۔ راستہ میں ابو جہل مل گیا اور حکیم بن حزام سے چمٹ گیا اور کہا: اچھا تم بنو ہاشم کے لیے کھانے کی چیز لے کر جاتے ہو۔ خدا کی قسم یہاں سے نہ تم آگے بڑھ سکتے ہو اور نہ یہ گیہوں جا سکتا ہے۔ میں تمہیں مکہ میں رسوا کر کے چھوڑوں گا۔

اتفاق سے ابو البختری بن ہشام کہیں سے آ گیا۔ گرچہ وہ کافر تھا مگر یہ بات اس کو نازیبا معلوم ہوئی۔ اس نے کہا کہ اگر ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے کچھ کھانا بھیجتا ہے تو اس سے تجھے کیوں پرخاش ہے' اس کو جانے دے۔ ابو جہل نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب ان دونوں میں بات بڑھ گئی۔ ابو البختری کو اس کی خساست اور قساوتِ قلبی پر غصہ آ گیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر اتنے زور سے ماری کہ سر کھل گیا۔ پھر لاتوں سے بھی خوب مرمت کی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دور سے دیکھ رہے تھے اور کفار قریش اس میں اپنی سبکی محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان ہماری باہمی لڑائی سے خوشی منائیں گے۔ (ص ۱۲۳' ج ۱)

اسی طرح ہشام بن عمرو مخزومی' جو اپنے قبیلہ میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا اور بنی ہاشم کا اس تعلق سے قریبی رشتہ دار تھا کہ ان میں اس کا اخیافی بھائی تھا' بنی ہاشم سے اچھے تعلقات رکھتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چھپ چھپا کر غلے کے اونٹ کو لاد کر رات کے وقت شعب ابی طالب کے دہانہ پر لاتا اور نکیل نکال کر اس کو پیچھے سے مار کر ہانک دیتا اور وہ ان لوگوں کے پاس پہنچ جاتا۔ پھر کبھی کپڑے اور خانہ داری کے سامان اونٹ پر لاد کر لاتا اور درہ کے اندر ہانک دیتا۔

بالآخر مسلسل تین برس قریش کی ظالمانہ حرکت اور مسلمان اور پورے خاندان بنو ہاشم کی مظلومانہ خاموشی اور ضبط نے اور قضاء الٰہی کے ماتحت بعض خصوصی پیش آنے والے واقعات نے ایسی فضا پیدا کر دی کہ انہی میں کے بعض شخصوں کے دل میں اس ظالمانہ حرکت سے نفرت پیدا ہو گئی۔

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ہشام ایک دن زبیر بن امیہ کے پاس

گئے۔ یہ عبدالمطلب کے نواسہ یعنی ان کی صاحبزادی عاتکہ کے لڑکے تھے اور کہا: "زبیر تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم کھاؤ پیو' کپڑے پہنو اور شادی بیاہ کرو اور تمہارے ماموں ابوطالب کو آب و دانہ نصیب نہ ہو"۔ پھر زبیر کو غیرت دلائی کہ "خدا کی قسم! اگر ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کا ماموں ہوتا اور تم اس کو اس بات کی دعوت دیتے' جس کی دعوت انہوں نے تم کو دی' تو وہ ہرگز قبول نہ کرتا"۔ زبیر کو طیش آگیا اور اس کا دل بھر آیا۔ اس نے کہا: "ہشام! افسوس ہے' آخر کیا کروں میں تنہا ہوں۔ واللہ اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا ہوتا تو اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑ کر رکھ دیتا"۔ ہشام نے کہا: "میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ زبیر نے کہا کہ "ایک تیسرے کو بھی تلاش کرلو"۔

ہشام وہاں سے مطعم بن عدی کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ "تم اس کو پسند کرتے ہو کہ عبد مناف کے دو قبیلے اس طرح برباد ہو جائیں؟ اور تم دیکھتے رہو اور محض دیکھنا نہیں بلکہ قریش کے ساتھ خود بھی موافقت کرو"۔ مطعم تلملا اٹھا اور کہا: "افسوس! آخر میں کیا کروں۔ میں ایک تنہا شخص ہوں"۔

ہشام نے کہا "تم نے دوسرے کو بھی پالیا"۔

مطعم نے پوچھا "کون؟"

ہشام نے کہا "میں"۔

مطعم نے کہا "ایک تیسرے شخص کو اور ڈھونڈلو"۔

ہشام نے کہا "میں نے یہ بھی کرلیا"۔

معطم نے پوچھا "کون؟"

ہشام نے جواب دیا "زبیر بن امیہ"۔

مطعم نے مشورہ دیا کہ ایک اور آدمی کو اپنا ہمنوا بنالو۔ اس کے بعد ہشام ابوالبختری کے پاس گیا۔ اس نے بھی ہامی بھری اور کہا کہ ایک آدمی کو اور اپنا ہمنوا بنالو۔ ہشام' زمعہ بن اسود کے پاس آیا اور ان کو رشتہ داری اور حقوق کی غیرت دلائی۔ انہوں نے بھی ہامی بھرلی۔ اب ان پانچوں میں یہ مشورہ ہوا کہ رات کو ہم لوگ "حطم الحجون" میں جمع ہوں' جو مکہ کی اعلیٰ جانب ہے۔ رات کو ان لوگوں نے جمع ہو کر اس ظالمانہ معاہدہ کے توڑنے کا عہد کیا اور زبیر نے کہا کہ اس معاملہ میں' میں سبقت کروں گا۔

دوسرے دن سب حرم میں پہنچے۔ زبیر نے بیت اللہ کا پہلے سات بار طواف کیا پھر

لوگوں سے کہا "مکہ والو! یہ کیا ہے کہ ہم سب تو کھائیں پہنیں اور بنوہاشم بے آب و دانہ مرتے رہیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک کہ یہ نامنصفانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائے"۔ ابوجہل' جو مسجد حرام کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا' بولا: "تو جھوٹا ہے۔ واللہ وہ ہرگز چاک نہیں کیا جائے گا"۔ زمعہ بن اسود نے کہا: "واللہ تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے' جب وہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم نے رضامندی ظاہر نہیں کی تھی"۔ ابوالبختری نے کہا: "زمعہ نے سچ کہا' جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے' نہ ہم اس پر راضی ہوں گے نہ اس پر قائم رہیں گے"۔ مطعم بن عدی نے کہا: "تم دونوں نے سچ کہا اور اس کے خلاف جس نے جو کچھ کہا جھوٹ کہا"۔ پھر ہشام نے تائید کی اور مطعم نے ہاتھ بڑھا کر عہد نامہ کو چاک کردیا۔ (ص ۱۳۱' ج ۱)

یہ واقعہ کب ہوا؟ کس طرح کی فضا میں ہوا؟ اور قریش کے ظالمانہ رویہ کے علاوہ قضاء الٰہی کے ماتحت وہ کیا خصوصی واقعہ پیش آیا جس سے اس قسم کی تحریک دلوں میں پیدا ہوئی؟ ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے کہا:

یا عم ان اللہ قد سلط الارضۃ علی صحیفۃ قریش فلم تدع فیہا اسما ہو للہ الا اثبتہ فیہا ونفت منہا الظلم والقطیعۃ والبہتان۔ (ص ۱۳۱' ج ۱)

"اے چچا! اللہ تعالیٰ نے قریش کے صحیفہ (یعنی عہد نامہ) پر دیمک کو مسلط کردیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے' وہ تو چھوڑ دیے اور جتنی ظلم اور زیادتی اور رشتہ کاٹنے اور بہتان کی باتیں تھیں' سب کو ختم کردیا"۔

ابوطالب نے پوچھا: "تمہارے پروردگار نے تم کو یہ اطلاع دی ہے؟"

فرمایا: "ہاں"۔

ابوطالب نے کہا: "واللہ پھر تو تم پر کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا"۔ (ص ۱۳۱' ج ۱)

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ ابوطالب نے اپنے بھائیوں سے اس کو بیان کیا اور سب لوگ مسجد حرام آئے۔ ابوطالب نے کفار قریش سے کہا: "میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے اور انہوں نے ہرگز مجھ سے غلط نہیں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے عہد نامہ پر دیمک کو مسلط کردیا۔ جو مضمون ظلم و جور یا قطع رحم کا تھا' اس نے کھالیا۔ وہی باقی ہے جس میں اللہ کا ذکر ہے۔

اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تم لوگ اپنی بری رائے سے باز آؤ اور اگر وہ غلط کہتا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کردوں گا، تم اسے قتل کر دینا یا زندہ رکھنا"۔

لوگوں نے کہا "یہ انصاف کی بات ہے"۔ عہد نامہ منگوایا گیا تو وہ اسی طرح تھا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ حیرت کے ساتھ وقتی طور پر لوگوں کو شرمندگی بھی ہوئی۔ ابو طالب نے کہا کہ "بتاؤ! اس حقیقت کے واشگاف ہو جانے کے بعد ہم لوگ کب تک محصور رہیں گے"۔ یہ کہہ کر کعبہ کے اندر گئے اور کہا:

"اے اللہ! اس شخص پر ہماری مدد فرما جو ہم پر ظلم کرے، جو ہم سے قطع رحم کرے اور ہماری جو چیز اس پر حرام ہے، حلال سمجھے"۔ (ص ۱۴۰، ج ۱)

اس کے بعد شعب کو واپس آ گئے۔ ابن ہشام میں ہے کہ اس واقعہ نے ان کی بدسلوکی کو اور بڑھا دیا (اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) قریش ہی کی ایک جماعت نے اس عہد نامہ کو تلف کرنے کی سعی کی، جس کا ذکر اس سے پہلے ہوا۔ (ص ۱۴۱، ج ۱)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ قریش کے برتاؤ پر ۱۰ نبوی میں مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہاشم، زہیر بن ربیعہ نے ملامت کی اور ہتھیار پہن کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال کر گھر پہنچا دیا اور اس طور پر تین سال کا محاصرہ ختم ہوا۔ (ص ۱۴۱، ج ۱)

۱۰ نبوی: عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کے لحاظ سے نبوت کا دسواں سال نہایت سخت ترین سال تھا۔ اس سال ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوا۔ ابن سعد کی روایت کی بنا پر دونوں کی وفات کے درمیان ایک مہینہ پانچ دن کا فصل تھا۔ ان دونوں کی وفات کا اثر آپ کی ذات پر بھی پڑا اور آپ کے کام پر بھی۔ ابو طالب آپ کے باہر کے کاموں کے لیے قوتِ بازو اور نگران تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں محافظ اور مددگار تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے، خود آپ کا بیان ہے کہ

ما نالت منی قریش شیئا اکرهه حتی مات ابو طالب۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۵، ج ۱)

"ابو طالب کے مرنے تک قریش میرے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کر سکے جو مجھے ناپسند ہو"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اول دن سے آپ کی دعوت کے کاموں میں آپ کی غمگسار تھیں اور آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کیا کرتی تھیں۔ ان دونوں کے پے در پے موت کا اتنا حزن و ملال آپ کو ہوا کہ اس سال کا نام آپ نے "عام الحزن" رکھا۔

ابو طالب جب بیمار پڑے تو ابن ہشام میں ہے کہ قریش نے ان کی علالت کی خبر سن کر باہم مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں، جبکہ عمر اور حمزہ (رضی اللہ عنہما) دونوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور قریش کے تمام قبیلوں میں اسلامی دعوت پھیل چکی ہے اور لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، خطرہ ہے کہ یہ لوگ ہماری امارت ہم سے چھین لیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ ابو طالب کے پاس چل کر ان سے کہیں کہ آپ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق اور ہم سے اپنے بھتیجے کے متعلق کچھ عہد لے لیں اور وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیں اور کوئی کسی پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ چنانچہ ابو طالب کے پاس عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سردار اور ممتاز لوگ آئے اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلوا کر کہا کہ قوم کے سربر آوردہ لوگ اس لیے آئے ہیں کہ تم سے کچھ عہد لیں اور تمہیں کچھ دیں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

نعم۔ کلمة واحدة تعطونیها تملکون بها العرب وتدین لکم بها العجم۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۶، ج ۱)

"اچھا صرف ایک بات کا تم مجھے قول دو، جس کے سبب سے تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور اس کے سبب سے عجم بھی تمہاری اطاعت کریں گے"۔

ابوجہل نے سن کر کہا: "بہت اچھا! تمہارے والد کی قسم ایک نہیں دس باتیں"۔ آپ نے فرمایا:

تقولون لا اله الا الله و تخلعون ما تعبدون من دونه۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۶، ج ۱)

"تم لوگ قول دو کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں ٹھہراؤ گے۔ اور اللہ کے سوا جس کی تم پوجا کرتے ہو، چھوڑ دو گے"۔

یہ سن کر لوگ تالیاں بجانے لگے کہ یہ تو عجیب بات کہتے ہو کہ سب معبودوں کو ایک معبود بنا دو اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلو اپنے بزرگوں کے دین پر چلتے رہو،

یہاں تک کہ اللہ تم میں اور اس میں کوئی فیصلہ کردے۔

جب ان دونوں کا انتقال ہوگیا اور ابوطالب کی جو حمایت تھی، وہ باقی نہیں رہی اور اس کی وجہ سے اشرار قریش جری ہوگئے تو طبقات میں ہے کہ آپ گھر ہی میں رہنے لگے اور باہر نکلنا کم کردیا۔ اور یہ قریش کے لیے ایسی مسرت کی بات تھی جو ان کو کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کی توقع تھی۔ ابولہب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ کے پاس آیا اور کہا کہ تم جہاں جانا چاہو جاؤ اور جو کام ابوطالب کی زندگی میں کرتے تھے، وہ کرو۔ لات کی قسم جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہاری طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔

چنانچہ ابن الغیطلہ نے جب آپ کو برا بھلا کہا اور ابولہب کو معلوم ہوا تو اس کے پاس آکر اس کو دُھتکارا اور برا بھلا کہا۔ ابن الغیطلہ چیختا ہوا بھاگا کہ "اے اہل قریش! ابوعتبہ (یعنی ابولہب) بے دین ہوگیا"۔

قریش جمع ہوگئے تو ابولہب نے کہا کہ میں نے عبدالمطلب کے دین کو ترک نہیں کیا مگر ظلم سے اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتا ہوں تاکہ وہ جو کام کرنا چاہے کرلے۔ قریش نے کہا یہ تم نے صلہ رحمی کی اور خوب کی۔ ابولہب کی حمایت سے لوگ ڈر گئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے عالمی مشن کی تبلیغ میں بدستور مشغول ہوگئے اور کسی کی جرات روک ٹوک کی نہیں ہوتی تھی۔ (ص ۱۴۱، ج ۱)

ابولہب کی حمایت قریش کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی تو اس کو توڑنے کے لیے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے بھتیجے نے تمہیں یہ بھی بتایا ہے کہ تمہارے باپ عبدالمطلب کا کہاں ٹھکانا ہے؟ ابولہب نے جب یہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی قوم کے ساتھ"۔ اس پر ابوجہل اور عقبہ نے کہا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ مطلب ہے کہ عبدالمطلب دوزخ میں ہیں"۔ اس پر ابولہب بگڑ گیا اور کہا کہ "واللہ میں ہمیشہ تمہارا دشمن رہوں گا"۔ اس کے بعد ابولہب نے اور تمام قریش نے سختی شروع کردی۔ (ص ۱۴۲، ج ۱)

محمد جبیر بن مطعم کی روایت ہے کہ قریش جب ایذا رسانی میں بے باک ہوگئے اور آپ کی مخالفت میں جری و گستاخ ہوگئے تو شوال ۱۰ نبوی کے آخر میں آپ زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ (ابن سعد۔ ص ۱۴۲، ج ۱)

طائف تشریف لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ ایسی حالت میں، جبکہ ابوطالب کا انتقال

ہوگیا اور ابولہب جڑ کر کٹ گیا اور کسی کی حمایت اور پناہ آپ کو مکہ میں حاصل نہ رہی اور قریش بے رحمی اور بے باکی سے ستانے لگے اور عالمی مشن کی آزادانہ تبلیغ کی یہاں کوئی صورت باقی نہیں رہی، طائف کے امراء میں سے کسی کی حمایت اور پناہ حاصل کی جائے اور اس کے ذریعہ عالمی مشن کی آزادانہ تبلیغ کی جائے اور اسلامی دعوت کی راہ نکالی جائے۔ طائف کے اندر اس زمانہ میں بڑے بڑے امراء اور بااثر لوگ موجود تھے۔

محمد بن عمرو کی روایت ہے کہ آپ دس دن طائف میں رہے اور طائف کے اشراف اور سرداروں میں سے ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے گفتگو کی لیکن ان لوگوں میں سے کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ (طبقات)

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ بنی ثقیف کے سردار اور رئیس ان دنوں، عبدیالیل، اور ان کے بھائی مسعود اور حبیب تھے۔ جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی تو ایک نے کہا کہ اگر اللہ نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اپنے کعبہ کے غلاف کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا: اللہ کو تیرے سوا کوئی دوسرا رسول بنا کر بھیجنے کے لیے نہیں ملا۔ تیسرے نے کہا: اگر حقیقت میں تم اللہ کے رسول ہو تو تم سے بات کرنا خطرے کی بات ہے۔ اور اگر تم اللہ پر افتراء کر رہے ہو تو پھر گفتگو کے لائق نہیں ہو۔ آپ مایوس ہو کر ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (ص ۱۴۶، ج ۱)

جب آپ ان کے پاس سے چلنے لگے تو طبقات ابن سعد میں ہے کہ اس خطرہ سے کہ ان کے نوجوان کہیں اسلامی دعوت قبول نہ کرلیں، انہوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے شہر سے چلے جائیے اور وہاں جاکر رہئے جہاں آپ کی دعوت قبول کی گئی ہو۔ پھر احمقوں کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا۔ وہ آپ کو پتھر مارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدموں سے خون بہنے لگا۔ زید بن حارثہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بچا کر پتھروں کو اپنے اوپر روکتے تھے مگر بے سود۔ ان کے سر میں بھی متعدد زخم آئے۔ (ص ۱۴۲، ج ۱)

علامہ شبلیؒ نے "مواہب لدنیہ" وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے

اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے گزرے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کیے، یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چُور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۳۳، ج ۱)

اس افسردگی کے عالم میں، جب کہ طائف سے بالکل ناکام لوٹنا پڑا تو آپ ﷺ نے اپنے دردِ دل کو خدا کی جناب میں ان لفظوں میں پیش کیا:

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلته حیلتی وھو انی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجدونی ام الی عدو ملکته امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیھا امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک او تحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک۔ (ابن ہشام۔ ص ۴۷، ج ۱)

"یااللہ! میں اپنی کمزوری، بے تدبیری اور لوگوں میں اپنی ذلت کی شکایت تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے، تو ہی کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے۔ تو ہی میری پرورش کرنے والا ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے۔ (کیا) ایسے دور والے کے جو میرے ساتھ تُرش روئی سی پیش آتا ہے یا ایسے دشمن کے جس کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو پھر میں کوئی پروا نہیں کرتا۔ مگر تیرا احسان میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو (مجھے) تیری رضامندی کی طلب ہے حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں نہ ضرر دور

کرنے کی طاقت ہے نہ نفع حاصل کرنے کی"۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جنگ احد کے دن سے (جس دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے اور خَود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئی تھیں اور آنحضرت ایک خندق میں جا رہے تھے) کبھی زیادہ تکلیف آپ کو پہنچی؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، اس دن جس دن میں نے عبد یالیل پر اسلام پیش کر کے اس کی دعوت دی تھی اور انہوں نے رد کر دی تھی۔ جب وہاں سے پلٹے تو قرن ثعالب تک (یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے) بے ہوشی کے عالم میں آئے۔ احد کے دن سے اس روز مجھ کو زیادہ تکلیف پہنچی تھی۔

مگر روحی فداہ کی شان رحمتہ للعالمینی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ جب ہم قرن ثعالب تک پہنچے اور اوپر سر اٹھایا تو بدلی معلوم ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نظر آئے۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں "ملک الجبال" کو بھیجا ہے۔ آپ کا جو مزاج چاہے آپ حکم فرمائیں۔ ملک الجبال نے پکار کر کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا نے آپ کی قوم کی باتوں کو سنا۔ اگر آپ فرمائیں تو یہ دونوں پہاڑ ان لوگوں پر ڈال دیے جائیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں مجھ کو امید ہے کہ ان کی آئندہ نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں، جو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (بخاری و مسلم)

خستگی کی وجہ سے آپ نے ایک باغ میں انگور کی بیل میں پناہ لی۔ یہ ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ کا باغ تھا۔ عتبہ گرچہ کافر تھا مگر شریف الطبع اور نیک مزاج تھا۔ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باہمی صلح و صفائی کی خاطر قریش کی طرف سے مال و جاہ، سیادت اور حکومت کی پیشکش لے کر آیا تھا اور حم سجدہ کی آیتیں سن کر جب لوٹ کر قریش کے پاس پہنچا تھا تو اس نے اپنی یہ رائے دی تھی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ یا تو عرب اس کا خاتمہ کر دیں گے یا وہ عرب پر غالب آ جائے گا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی۔ عتبہ کا دل آپ کی خستگی کو دیکھ کر اور طائف کے اوباشوں کے کمینہ برتاؤ کو دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ اس نے اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھوں انگور کا خوشہ کشتی میں لگا کر آپ کے پاس بھیجا۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھانا

شروع کیا تو عداس آپ کی صورت دیکھنے لگا کہ یہ تو ایسی بات ہے جو کافرانہ شعار سے جدا ہے۔ آپ نے پوچھا: "عداس! تمہارا گھر کہاں ہے اور تمہارا دین کیا ہے؟" عداس نے کہا "میں نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں"۔ اس پر آپ نے فرمایا:

امن قریته الرجل الصالح یونس بن متی۔ "کیا تم اس صالح انسان کی بستی کے ہو جن کا نام یونس بن متی تھا"۔

عداس نے کہا: "تمہیں کیا خبر کہ یونس بن متی کون تھے؟"

آپ نے فرمایا: ذاک اخی کان نبیا وانا نبی۔ "وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں"۔

یہ سن کر عداس جھک پڑا اور آپ کے سر اور ہاتھ پیر چومنے لگا۔ واپس آکر اس نے کہا کہ انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی جسے نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ عتبہ شیبہ نے کہا: کمبخت! کہیں وہ تجھے تیرے دین سے برگشتہ نہ کردے۔ تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۷، ج ۱)

طائف سے واپسی میں آپ نے چند روز نخلہ میں قیام فرمایا۔ زید بن حارثہ کو تردد ہوا کہ آپ کیسے مکہ جاسکیں گے؟ تو انہوں نے پوچھا کہ آپ قریش میں کس طرح جائیں گے؟ انہوں نے تو آپ کو نکال دیا ہے۔ فرمایا: زید! جو کچھ تم دیکھتے ہو اللہ اس کے لیے راہ کھولنے والا ہے۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے۔ (طبقات)

ابن ہشام میں ہے کہ جب مقام حرا میں پہنچے تو آپ نے الاخنس بن شریق کے پاس پیام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں لے لے۔ تو اس نے کہا کہ میری حیثیت حلیف کی ہے۔ حلیف پناہ نہیں دیا کرتا۔ تو آپ نے سہیل بن عمرو کو کہلا بھیجا۔ اس نے کہا بنی عامر بنی کعب کے مقابلہ میں پناہ نہیں دیا کرتے۔ تو آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے آپ کی استدعا قبول کی۔ پھر مطعم اور اس کے بیٹے ہتھیار لگا کر حرم پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] بھیجا کہ آپ بھی حرم میں تشریف لے آئیں۔

طبقات میں ہے کہ مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہوگیا اور پکار کر کہا کہ میں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے، لہٰذا کوئی ان پر حملہ نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حرم میں آئے تو (طواف کیا اور) حجر اسود کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھ کر

مکان تشریف لائے۔ مطعم بن عدی اور ان کے لڑکے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے گرد حلقہ کیے ہوئے تھے۔ (ص ۱۴۲، ج ۱)

مایوسیوں کے بادل میں امید کی کرن: قضا و قدر کے ہاتھوں جہاں ایک طرف یہ ہوا کہ ۱۰ نبوی میں عالمی مشن کی دعوت کے لیے گھر اور باہر دونوں جگہ کوئی ایسا غمگسار نہ رہا جس کی حمایت و پناہ میں علانیہ آزادی کے ساتھ اس کی تبلیغ کی جاتی، بلکہ ہر طرف آپ کو مایوسیوں کے سیاہ اور تاریک بادل ہی سے سابقہ پڑا اور ہر جگہ کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا ہی سے اپنے کو گھرا ہوا پایا، وہیں دوسری طرف نبوت کے دسویں سال ان ہی گھنگھور گھٹاؤں میں امید کی کرن اس طرح پیدا کی گئی کہ موسم حج میں، حسب دستور سابق، جس طرح ہر سال منیٰ، عکاظ، مجنہ وغیرہ کے اجتماع میں قبائل عرب کو دعوت دیتے تھے اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پناہ اور حمایت کے لیے پیش کرتے تھے، اس سال بھی دعوت کے لیے نکلے تو "انصار" کے چھ اشخاص سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس کے متعلق علامہ شبلیؒ نے زرقانی کی تحریر کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے کہ:

عقبہ کے پاس، جہاں اب مسجد العقبہ ہے، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے۔ آپ نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے کہا "خزرج"۔ آپ نے دعوت اسلام دی اور قرآن کی آیتیں سنائیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں"۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۴۴، ج ۱)

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اس موسم حج میں نکلے، جس میں انصار کے چھ اشخاص سے آپ کی ملاقات ہوئی تو ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا "کیا تم لوگ یہود کے حلیف ہو؟" انہوں نے کہا "ہاں"۔ پھر آپ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ سب اسلام لے آئے۔ وہ یہ لوگ تھے:

بنی نجار میں سے اسعد بن زرارہ اور عوف بن الحارث، بنی رزیق سے رافع بن مالک، بنی سلمہ سے قطبہ بن عامر، بنی حرام میں سے عقبہ بن عامر، بنی عبید سے جابر بن عبداللہ۔ ان میں سے پہلے کوئی اسلام نہ لایا تھا۔ محمد بن عمرو کی روایت ہے کہ ہمارے نزدیک یہی سب سے زیادہ درست ہے اور یہی متفق علیہ ہے۔ زکریا بن زید کی روایت

اپنے والد سے ہے کہ یہ انصار چھ اشخاص تھے، جس میں ابوالہیثم بن التیہان تھے یعنی عقبہ بن عامر کے ہونے میں اختلاف ہے۔

طبقات ابن سعد میں یہ روایت بھی ہے کہ ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میری حمایت کرو کہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچاؤں"۔ ان لوگوں نے کہا "ہم اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے انتہائی کوشش سے کام لیں گے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم باہم جنگ بعاث میں مبتلا رہے ہیں۔ اگر آپ اس حالت میں ہمارے پاس تشریف لائے تو ہوسکتا ہے کہ ہم سب کا آپ پر اتفاق نہ ہو۔ ہمیں مہلت دی جائے، شاید اللہ ہم میں صلح کرا دے۔ اب آپ سے آئندہ سال موسم حج میں ملاقات ہوگی"۔ یہ لوگ مدینہ منورہ آئے تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ قابل ذکر تعداد میں چاہے لوگ اسلام نہ لائے مگر اتنا ضرور ہوا کہ ہر گھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا اور انصار کا کوئی گھر اس ذکر سے نہ بچا۔

بہرحال مایوسیوں کے بادل میں یہ ہلکی سی امید کی کرن تھی جو نبوت کے دسویں سال "عام الحزن" میں آپ کو نظر آئی اور توقع ہوئی کہ اسلامی مشن کی دعوت کی حمایت کے لیے کوئی راہ پیدا ہو۔

۱۱-۱۲ نبوی: ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب آپ طائف سے مکہ تشریف لائے تو آپ کی قوم آپ کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۷، ج ۱)

قریش کے ہاتھوں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا کیا اذیتیں پہنچیں اور کس کس طرح آپ ستائے گئے اور کس کس طرح آپ کے ساتھ استہزا کیا گیا، اس طولانی داستان کی مختصر حکایت یہ ہے:

قریش کی حضور ﷺ کو ایذا رسانی: ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے گھر آکر ستاتے تھے، وہ ابولہب، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمرا ثقفی اور ابن الاصداء الہذلی تھے۔ ان میں سے حکم بن ابی العاص کے سوا اور کسی نے اسلام اختیار نہیں کیا۔ ان میں سے بعض آپ پر نماز کی حالت میں بکری کی گندی اوجھڑی لاکر ڈال دیتے تھے۔ بعض پکانے کے برتن میں

جب پکانے کے لیے رکھے جاتے تھے، اس میں گندی اوجھڑی لاکر ڈال دیتے تھے۔ ان کے شر سے بچنے کے لیے نماز کے لیے آپ نے ایک محفوظ مقام اختیار کرلیا تھا، وہیں چھپ کر آپ نماز ادا فرماتے تھے۔ جب اس قسم کی گندگی وہ لوگ آپ کے جسم اطہر پر ڈال دیتے تھے تو آپ اس کو ایک لکڑی پر اٹھا کر دروازہ پر تشریف لاتے اور پکار کر فرماتے یابنی عبد مناف ای جوار ھذا۔ اے عبد مناف والو یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ یعنی کیا پڑوسی کا حق یہی ہے جو تم ادا کر رہے ہو۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۵، ج ۱)

ایک مرتبہ ایک قریشی آپ کے راستے میں آڑے آیا اور آپ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی تو آپ اسی طرح گرد آلودہ مکان تشریف لائے تو صاحبزادی روتی جاتی تھیں اور دھوتی جاتی تھیں۔ آپ ان کی تسکین فرماتے جاتے تھے۔ اے بیٹی! نہ روؤ، اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۵، ج ۱)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بدبخت عقبہ بن ابی معیط آیا اور اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی کی طرح پھندا بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں، جب آپ خدائے واحد کو سجدہ کر رہے تھے، ڈال کر پیچ پر پیچ دینے شروع کر دیے، جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک بھنچ گئی اور پھانسی لگنے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی کہ اتنے میں کسی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نکل آئے اور انہوں نے عقبہ کو دھکا دے کر ہٹایا اور کہا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔

"کیا تم ایک جلیل القدر انسان کو صرف اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے۔ درآنحالیکہ تمہارے پاس اس نے روشن دلائل رکھے"۔

اس ترکیب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو چھوٹ گئے مگر چند شریر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لپٹ گئے اور ان کو مارا۔ (بخاری)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا: تم قریش کی ایذا رسانی کا ایسا واقعہ بیان کرو جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ تو عبداللہ رض

نے کہا: میں حرم میں ایسے وقت گیا کہ قریش کے لوگ مقام حجر میں جمع تھے۔ اثناء گفتگو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر چھڑ گیا تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں اتنے صبر و ضبط سے کام لیا ہے کہ کسی معاملہ میں اتنا صبر نہیں کیا۔ انہوں نے ہمارے عقلمندوں کو احمق بتایا، ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیں، ہمارے دین کی عیب جوئی کی، ہماری جماعت کو منتشر کیا، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا، پھر بھی ہم نے ضبط کیا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حجر اسود کا بوسہ دیا، بیت اللہ کا طواف کیا، پھر ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے طعن کی باتیں کیں، جس سے آپ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کا اثر ہوا، مگر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ جب آپ گزرے اور انہوں نے پھر طعن کی باتیں کیں تو آپ ٹھہر گئے اور جلال بھری آواز میں فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس ایک پاک و صاف چیز لے کر آیا ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب پر سکوت طاری ہو گیا اور وہ لوگ جو آپ کے خلاف دوسروں کو ابھار رہے تھے، خوشامد اور دل جوئی کی باتیں کرنے لگے کہ ابو القاسم جایئے، آپ نے کبھی نادانی کی باتیں نہیں کیں۔

دوسرے دن جب یہ لوگ پھر مقام حجر میں جمع ہوئے تب میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ لوگ کل کی باتوں پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ وسلم تشریف لے آئے تو ایک ساتھ ان لوگوں نے حملہ کر دیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہمارے دین اور ہمارے معبودوں کے متعلق ایسا ایسا کہتے ہو۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم انا الذی اقول۔ ہاں میں ہی وہ ہوں جو ایسی باتیں کہتا ہوں۔ بالآخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدافعت کی تو وہ لوگ لوٹ گئے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۹۸، ج ۱) ایک دن سخت ترین اذیت قریش کے ہاتھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پہنچی کہ جب آپ مکان سے نکلے تو جو بھی آزاد ہو یا غلام، آپ سے دوچار ہوا، اس نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو اذیت پہنچائی۔ آخر آپ گھر اس حال میں واپس ہوئے کہ تکلیف کے باعث کمبل اوڑھ کر پڑ رہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یا ایها المدثر۔ قم فانذر۔ و ربک فکبر۔ و ثیابک فطهر۔ و الرجز فاهجر۔ (ابن ہشام۔ ص ۹۸، ج ۱)

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل نے کہا کہ

فلاں محلہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے، اس کی اوجھڑی رکھی ہوئی ہے۔ کوئی جا کر لے آئے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نماز ہی کی حالت میں رکھ دے تو وہی بدبخت عقبہ گیا اور نجاست سے بھری اوجھڑی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر، جب آپ سجدہ میں تھے، لا کر رکھ دیا جس کے بوجھ سے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھا سکے اور اسی حالت میں خدا کا نام لیتے رہے۔ مشرکین قریش اس کو دیکھ کر اس قدر خوشی میں ہنسے کہ ایک دوسرے پر مارے ہنسی کے لوٹنے لگے۔ کسی نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خبر دے دی تو وہ آئیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے اس کو اٹھا کر پھینکا۔ (مشکوٰۃ)

ایک دفعہ ابو جہل نے شیخی میں لوگوں سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کے سامنے حرم میں نماز پڑھتے ہیں۔ کہا گیا "ہاں"۔ اس پر وہ بول اٹھا کہ قسم ہے لات و عزیٰ کی، اگر ہم اس کو نماز پڑھتے دیکھ لیں گے تو سر کچل دیں گے۔ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور یہ مردود اپنے منصوبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کو آگے بڑھا کہ یکایک وہ اس طرح پیچھے ہٹنے لگا کہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے اپنے سامنے روک رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایسا معلوم ہوا جیسے میرے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ سے بھرا ہوا گڈھا ہے اور دہشت اور پروالی چیز معلوم ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے قریب ہوتا تو ملائکہ (فرشتے) اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے۔ (مسلم شریف)

ایک دفعہ ابو جہل نے دعویٰ سے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ کل جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز میں ہوں گے، میں بڑا سا پتھر جس کو میں اٹھا سکوں، اس سے ان کا سر کچل دوں گا۔ خواہ تم میری مدد اور حمایت کرو یا نہ کرو۔ لوگوں نے کہا واللہ ہم ہر قیمت پر تیری امداد کریں گے۔ صبح سویرے ابو جہل ایک پتھر لے کر آپ کی گھات میں بیٹھ رہا اور قریش بھی صبح سویرے ہی اس تماشہ کے انتظار میں آ کر بیٹھ گئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں گئے تو ابو جہل پتھر لے کر آپ کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا تو اس طرح لوٹا کہ ہیبت زدہ تھا۔ چہرہ کا رنگ زرد اور اعضاء بے قابو ہو رہے تھے۔ پتھر ہاتھ سے پھینک دیا۔ لوگوں نے پوچھا "ابوالحکم کیا ہو گیا؟" اس نے کہا کہ میں نے اپنے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایک ہیبت ناک اونٹ دیکھا۔ اس نے مجھے

کاٹ کھانے کا ارادہ کیا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۰۱' ج ۱)

سورۂ تبت کا جب نزول ہوا تو ابولہب کی بیوی غصہ میں ایک پتھر لے کر مسجد حرام میں آئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ جب قریب آئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارا دوست کہاں ہے؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میری ہجو کرتا ہے۔ میں اس کو پاتی تو یہ پتھر اس کے منہ پر مارتی۔ پھر لوٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما رأتني لقد اخذ الله ببصرها.

"اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے اس کی بینائی مجھ سے پھیر دی"۔

(ابن ہشام۔ ص ۱۲۴' ج ۱)

ابولہب کی بیوی ام جمیل کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کو سورہ تبت میں "حمالۃ الحطب" فرمایا گیا ہے۔ وجہ اس کی ابن ہشام نے یہ لکھی ہے کہ وہ کانٹے اٹھا کر لاتی اور جس راستہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے، ڈال دیتی تھی۔

امیہ بن خلف، جو قریش کے سربر آوردہ لوگوں میں سے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے والوں میں اور جھگڑے اور فساد کے خواہاں لوگوں میں سے تھا، اس کا یہ مشغلہ خیر تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ پر آوازے کستا اور اشارے کرتا۔ اور اس گستاخی میں وہ اس حد تک آگے بڑھا کہ اس کے متعلق یہ پوری سورت نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۔ (الخ)

"تباہی ہے ہر عیب چینی کرنے والے، آوازے کسنے والے کے لیے جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا۔ سو یہ تو ہونا نہیں۔ لاریب وہ ڈال دیا جائے گا "حطمہ" میں (یعنی دوزخ میں)"۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ قوم میں آپ کی ہنسی اڑانے والوں میں بڑی بڑی پانچ ہستیاں تھیں اور یہ لوگ اپنی قوم میں بلند پایہ اور سن رسیدہ تھے۔ بنی اسد میں الاسود

بن المطلب، بنی زہرہ میں الاسود بن یغوث، بنی مخزوم میں ولید بن المغیرہ، بنی سہل میں عاص بن وائل، بنی خزاعہ میں الحارث ابن الطلاطلہ۔

یہ لوگ اپنے کردار میں مغضوب کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ ایسی حالت میں کہ لوگ طواف کر رہے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پہلو میں کھڑے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب ان لوگوں کی طرف دیکھا تو ہر ایک کی طرف خصوصی اشارے کیے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الاسود بن المطلب اندھا ہو کر مرگیا۔ الاسود بن یغوث پیٹ پھولنے کی وجہ سے مرگیا۔ ولید بن مغیرہ، جس کے پاؤں میں بہت دنوں سے تیر کی خراش کا نشان تھا، وہ پھوڑا بن گیا اور یہی اس کی موت کا سبب بنا۔ عاص بن وائل اپنے گدھے پر سوار ہو کر طائف جانے کے ارادہ سے نکلا۔ وہ اس کو لے کر ایک خاردار درخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اور یہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔ حارث بن طلاطلہ کے سر سے بغیر کسی ظاہری سبب کے پیپ نکلنے لگی اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۳' ج ۱)

ان ذمہ دار رؤسا کے ساتھ بدمعاش، شریر، اوباش طبع لوگ بھی ہوتے تھے جو گالیاں بکتے، تالیاں بجاتے اور شور کرتے تھے۔ وعظ سننے سے روکتے تھے۔ بالخصوص قرآن سننے کا موقع اس ڈر سے نہیں دیتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کی معجز بیانی سے، جو دل پر گہرا اثر کرتی ہے، لوگ اپنے آبائی دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ ان سے کہتے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (حم سجدہ۔ ع ۴' پ ۲۴)

"تم لوگ اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور اس کی تلاوت کے وقت خوب شور مچاؤ شاید تم غالب آ جاؤ"۔

ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے ادھر ادھر ہو جاتے یعنی اس قدر دور چلے جاتے تھے کہ کان میں آواز نہ پہنچ جائے۔ کوئی نیک سرشت اگر قرآن سننا بھی چاہتا تو بدمعاشوں اور اوباشوں کے ڈر سے چھپ کر آتا اور دور ہی سے سنتا اور وہاں اس کا خطرہ ہوتا کہ ان اوباشوں کو اس کی اطلاع ہو جائے گی، تو ان کی ایذا رسانی کے ڈر سے وہاں سے ٹل جاتا اور سننے سے محروم رہ جاتا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۰۷' ج ۱)

قریش اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے جس طرح اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ خود قرآن سنیں، وہ دوسروں کو بھی قرآن سننے سے روکتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے چونکہ قریش اپنی زبان و ادب کے اعتبار سے اونچا مقام رکھتے تھے اور شعر و سخن کا خصوصی ذوق ان میں تھا اور فصاحت و بلاغت کا جوہر خاندانی ترکہ ہوتا تھا، سال بھر میں جب حج کا زمانہ آتا تھا تو جہاں مختلف قسم کے میلے لگتے تھے، عکاظ کا میلہ ان کا علمی دنگل ہوتا تھا جہاں "سبعہ معلقہ" جیسے قصائد پڑھے جاتے تھے۔ یوں بھی عموماً ہر رات کو ادبی مجلس افسانہ گوئی کی شکل میں منعقد ہوتی تھی۔ جو اس میں صاحب کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ ذوق و شوق سے رات بھر سنتے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر ادبی ذوق کے باعث ان کا دل قرآن سننے کی طرف طبعاً کھنچتا تھا۔ قریش کے بڑے بڑے جبار اور سرتاج، جو اسلام دشمنی میں صف اول میں اپنا مقام رکھتے تھے، وہ بھی ایک دوسرے سے چھپ کر رات کو مخفی طور پر آکر قرآن سنتے تھے کیونکہ ان کا ادبی ذوق اونچا اور بلند تھا۔

زہری کی روایت ہے: ابوسفیان، ابوجہل، اخنس بن شریق، ابن وہب ثقفی ایک رات اس خیال سے نکلے کہ تہجد کی نماز میں آپ کی تلاوت کو سنیں۔ کسی کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ہر شخص نے اپنی جگہ پر سننے میں رات گزار دی۔ جب سحر ہوگئی تو یہ لوگ الگ الگ اپنی اپنی جگہ سے چلے مگر آگے چل کر راستہ میں ایک جگہ ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی اور اس حرکت پر ہر ایک نے دوسرے کی ملامت کی اور کہا کہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے۔ عوام دیکھ لیں گے تو ان کے دل میں بڑی اہمیت پیدا ہو جائے گی۔

جب دوسری رات آئی تو ان میں سے ہر فرد پھر رات کو اپنی اپنی جگہ پر آیا اور قرآن سننے میں رات گزار دی اور بدستور سابق الگ الگ اپنی اپنی جگہ سے چلے مگر راہ میں پھر ایک جگہ باہم اکٹھا ہوگئے۔ پھر بدستور ایک دوسرے کو ملامت کرکے اپنے اپنے گھر لوٹ آئے کہ دوبارہ اب ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ تیسری رات کو پھر یہی معاملہ ہوا تو ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے جب تک اس پر عہد نہ کرلیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے باہم اس پر عہد کیا کہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے۔

دن کو اخنس پہلے ابوسفیان کے پاس آیا، اس کے بعد ابوجہل کے پاس گیا اور پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تم نے جو کچھ سنا، اس کے متعلق کیا رائے ہے۔

ابوجہل نے کہا کہ ہم میں اور بنی عبد مناف میں علو مرتبت میں کھینچا تانی ہوئی یعنی ہم اور وہ حریف و مقابل تھے۔ انہوں نے کھانا کھلایا، ہم نے بھی کھلایا۔ انہوں نے سواریاں دیں، ہم نے بھی دیں۔ انہوں نے فیاضیاں کیں، ہم نے بھی کیں۔ یہاں تک کہ ہم دونوں گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح برابر ہوگئے تو اب وہ مدعی ہیں کہ ہم میں ایک "نبی" ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے لہٰذا واللہ! ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس کو سچا نہیں سمجھیں گے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۰۸، ج ۱)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نضر بن الحارث شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتا تھا اور لوگوں کو آپ کی دشمنی پر ابھارتا تھا۔ یہ "حیرہ" بھی گیا تھا اور وہاں ایرانی بادشاہوں کے حالات، رستم و اسفندیار کے واقعات سنے تھے۔ اس کی شرارت کا یہ حال تھا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں اسلام کی دعوت دیتے اور گزشتہ امتوں پر ان کی نافرمانیوں کے باعث جو عذاب الٰہی کا نزول ہوا، اس کو بیان فرماتے اور خدا کے عذاب سے ڈراتے تو آپ کے بعد آپ کی جگہ پر بیٹھ جاتا اور کہتا کہ میں تم کو اس کی باتوں سے بہتر باتیں سناتا ہوں اور ایرانی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کے قصے بیان کرتا۔ اور پھر کہتا کہ بتاؤ کونسی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے بہتر بیان کی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۰۲، ج ۱)

مگر ان تمام ایذا دہی، تمام شرارتوں، تمام استہزا اور تمام مخالفتوں کے باوجود آپ عالمی مشن کی دعوت میں مشغول رہتے اور اس کی وجہ سے لوگ کچھ نہ کچھ متاثر ہوئے اور محض مرد ہی نہیں، عورتیں بھی اسلامی مشن میں داخل ہوئیں، تو یہ بات رؤساء قریش کو بہت کھلتی تھی اور اس کو وہ اپنی ریاست و اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔

چنانچہ ان کا باہم یہ مشورہ ہوا کہ ایک نمائندہ مجلس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کر گفتگو کی جائے اور ان کو خفیف اور زچ کر دیا جائے اور بھری مجلس میں ان کو دعوائے نبوت میں کاذب ٹھہرایا جائے اور یوں عوام میں ان کے متعلق بے اعتمادی پیدا کی جائے تاکہ عوام کے نزدیک ہم لوگ ان کی مخالفت میں حق بجانب سمجھے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ قریش کے ہر قبیلہ کے بڑے بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، ابوجہل، نضر بن حارث، ابوالبختری، الاسود بن المطلب، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، عبداللہ بن ابی امیہ، عاص بن وائل، نبیہ، منبہ، امیہ

بن خلف وغیرہ وغیرہ مغرب کے بعد حرم میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلایا جائے اور ان کو بھری مجلس میں گفتگو کر کے قائل کیا جائے۔ یعنی یہ کہ تم اپنی دعوت میں جھوٹے ہو اور تمہاری مخالفت میں ہم حق بجانب ہیں اور معذور ہیں۔

جب آپ کو اطلاع دی گئی کہ ہر قبیلہ کے سردار جمع ہیں اور آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو آپ تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے آپ پر یہ فرد جرم عاید کی گئی کہ:

"عرب میں سب سے پہلے شخص تم ہو کہ تم نے اپنی قوم پر ایسی مصیبت لا کر ڈالی ہے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ہے۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیں۔ تم نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں۔ تم نے ہمارے دین کی عیب جوئی کی۔ تم نے ہمارے عقلمندوں کو احمق بتایا۔ جماعت میں پھوٹ ڈالی۔ تم نے باہمی تعلقات میں کوئی ایسی برائی نہیں چھوڑی جس کو تم کر نہیں گزرے۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا مقصد اس سے مال ہے؟ تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ اور اگر سرداری چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لیں۔ اور اگر حکومت چاہتے ہو تو ہم تم کو بادشاہ بنا لیں۔ اگر آسیب کا اثر ہے تو ہم جھاڑ پھونک کا انتظام کریں"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب یہ دیا:

ما بی ما تقولون ما جئت بما جئتكم به اطلب اموالكم ولا اشرف فيكم ولا املك عليكم ولكن الله بعثنى اليكم رسولا وانزل على كتابا- وامرنى ان اكون لكم بشيرا و نذيرا- فبلغتكم رسالات ربى ونصحت لكم فان تقبلوا منى ما جئتكم به فهو حظكم فى الدنيا والاخره- وان تردوه على فاصبر لامرالله حتى يحكم الله بينى و بينكم- (ابن ہشام- ص۱۰۰، ج۱)

"مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیے جو تم کہتے ہو۔ جو کچھ بھی میں لایا ہوں، وہ اس لیے نہیں کہ اس کے معاوضہ میں تمہارے مال حاصل

کروں۔ نہ میں تم میں اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہوں اور نہ تم پر حکومت۔ لیکن (بات اتنی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھ پر ایک کتاب اتاری ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے بشیر و نذیر کی خدمت انجام دوں۔ میں نے اپنے پروردگار کے پیغامات تم کو پہنچا دیے۔ اور تم سے خیر خواہانہ طور پر بات کہہ دی۔ اگر تم نے میری وہ باتیں، جو میں تمہارے پاس لایا ہوں، قبول کر لیں تو یہ دنیا و آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے۔ اگر تم نے مجھ پر لوٹا دیا تو میں حکم الٰہی تک صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے"۔

اس جواب کو سن کر ان لوگوں نے کہا: "اچھا اگر تم ان چیزوں میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے ہو تو یہی کرو کہ اپنے خدا سے کہو کہ یہ پہاڑ، جس نے ہم پر تنگی کر دی ہے، اس کو ہٹا دے تاکہ ہمارا شہر وسیع ہو جائے۔ ہمارے لیے شام و عراق کی سی نہریں جاری کر دے اور ہمارے بزرگوں کو، جن میں قصی بن کلاب بھی ہیں، زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے پوچھ لیں کہ تمہاری دعوت صحیح ہے یا غلط؟ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے اور تمہاری دعا سے مذکورہ باتیں ہو جائیں گی تو ہم مان لیں گے کہ خدا نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ما بهذا بعثت اليكم انما جئتكم من الله بما بعثنى به وقد بلغتكم ما ارسلت به اليكم فان تقبلوه فهو حظكم فى الدنيا والاخره- وان تردوه على اصبر لامر الله تعالے حتى يحكم الله بينى و بينكم- (ابن ہشام- ص۱۰۰، ج۱)

"میں تمہارے پاس ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں اللہ کے پاس سے صرف وہی چیز لایا ہوں جو چیز دے کر اس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور میں نے وہ چیز تمہیں پہنچا دی جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا۔ پس اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو وہ دنیا و آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے۔ اور اگر تم نے مجھ ہی پر لوٹا دیا تو میں حکم الٰہی کے آنے تک صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے"۔

اس کے بعد ان لوگوں نے کہا "اگر تم ہمارے لیے یہ کام نہیں کرتے تو اپنے لیے تم خدا سے استدعا کرو کہ وہ فرشتہ بھیجے جو تمہاری تصدیق کرے اور تمہارے لیے سونے چاندی کے خزانے اور باغ و محل مہیا کردے تاکہ تم فکر معاش سے آزاد ہو جاؤ، جس میں ہماری طرح تم مبتلا رہتے ہو"۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما انا بفاعل۔ ماانا بالذی یسئال ربه هذا۔ وما بعثت الیکم بهذا ولکن الله بعثنی بشیرا و نذیرا۔ (ایضاً)

"میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور نہ میں ایسا شخص ہوں جو اپنے پروردگار سے ان باتوں کی استدعا کرے۔ اللہ نے مجھے خوشخبری دینے والا اور (برے انجاموں سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔

اس پر ان لوگوں نے کہا "اگر تم یہ بھی نہیں کرتے تو اپنے خدا سے یہی کرا دو کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے، جیسا کہ تم دھمکی دیا کرتے ہو۔ بغیر اس کے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

ذالک الی الله ان شاء ان یفعله بکم فعل۔ (ایضاً)

"یہ اللہ کی مرضی پر ہے۔ اگر اس نے تمہارے ساتھ یہی کرنا چاہا تو وہ کرے گا"۔

حج کے زمانہ میں معمول کے مطابق عرب کے قبائل حج کے خیال سے دور دراز مقامات سے آتے تھے اور مکہ کے آس پاس ٹھہرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مختلف مقامات میں میلے لگتے تھے۔ ان میں بھی دور دور کے قبائل اکثر شریک ہوتے تھے اور میلے سے تجارتی فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر اسی زمانہ میں عکاظ وغیرہ میں ان کا علمی دنگل ہوتا تھا۔ شعراء جمع ہوتے تھے۔ قصائد پڑھے جاتے تھے۔ زبان و ادب کے جوہر شناس داد سخن دیتے تھے۔ مقابلہ ہوتا تھا۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے جس کا قصیدہ سب سے بلند اور معیاری ہوتا، وہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ آج بھی "سبعہ معلقہ" اس کی یادگار ہے جو تمام عربی درسگاہوں کے نصاب میں داخل ہے۔ بہرحال حج کے موسم میں مکہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا اور چونکہ اشہر حرم میں یہ اجتماع ہوتا تھا، اس لیے بے خوف و خطر لوگ شریک ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بھی

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے اور عالمی مشن کی دعوت لوگوں پر پیش کرتے تھے اور قریش اس کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

چنانچہ ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا: حج کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ عرب کے مہمان تمہارے یہاں آنے والے ہیں اور ان کو تمہارے ساتھی (محمد صلے اللہ علیہ و سلم) کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ تم اس کے متعلق ایک متحدہ قرارداد اور متفقہ تجویز طے کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم خود اپنے اختلاف بیان سے ایک دوسرے کو جھٹلانے اور رد کرنے لگو۔ لوگوں نے کہا: تم ہی کوئی بات بتاؤ۔ ہم سب وہی کہیں گے۔ ولید نے کہا: پہلے تم لوگ اپنی اپنی رائے دو، میں غور کروں گا۔

ایک شخص نے رائے دی کہ ہم ان کو کاہن بتایا کریں گے۔ ولید نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ واللہ وہ کاہن نہیں ہے۔ کہاں کاہنوں کی تک بندیاں اور کہاں محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کا کلام۔ ایک شخص نے کہا: ہم اس کو شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم شعر کے تمام اقسام کو جانتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کے کلام کو شاعری سے کچھ مشابہت نہیں۔ ایک شخص نے کہا: ہم دیوانہ کہیں گے۔ ولید نے کہا: وہ دیوانہ بھی نہیں ہے۔ میں نے دیوانوں کو دیکھا ہے۔ اس کو دیوانگی سے کیا نسبت۔ ایک شخص نے کہا: ہم اس کو جادوگر بتائیں گے۔ ولید نے اس کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں نے بڑے بڑے جادوگروں کو دیکھا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کو جادوگروں کے خرافات سے کیا تعلق؟

لوگوں نے کہا: بتاؤ پھر ہم کیا کہیں؟ ولید نے کہا: واللہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے کلام میں شیرینی ہے، وہ بہت عمیق ہے۔ صحت کے قریب تر بات یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کے کلام میں جادو ہے جو باپ کو بیٹے سے، بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے، خاندان کے فرد کو خاندان سے جدا کر دیتا ہے۔ لوگ اسی بات پر متفق ہو گئے۔ اب حج کے زمانہ میں لوگ آنے لگے تو یہ لوگ راستہ پر بیٹھ جاتے اور جو گزرتا، اس کو آپ ﷺ کے بارے میں یہی کہہ کر ڈراتے۔ (ابن ہشام۔ ص ۹۱، ج ۱)

بہرحال اس سلسلہ کی مختصر حکایت بھی اتنی طویل الذیل ہے کہ اس چھوٹے رسالہ میں اس کے لیے گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ ہاں اس مختصر حکایت کی روشنی میں ان کی ایذا رسانیوں، گستاخیوں اور بیہودگیوں کا جائزہ لیا جائے تو اس کی مختصر فہرست یہ ہوگی:

(۱) آپ کو ہر طرح تکلیف پہنچانے کے لیے کمیٹی قائم کی گئی۔

(۲) آپ پر پتھراؤ کیا گیا۔

(۳) بعض خبیث فطرت لوگوں نے حضور ﷺ کی گردن میں پھانسی لگائی۔

(۴) آپ کے جسم اطہر پر غلاظت رکھی گئی۔

(۵) آپ کی راہ میں کانٹے ڈالے گئے۔

(۶) آپ کے کھانا پکانے کے برتنوں میں غلاظت ڈالی گئی۔

(۷) اوباش لوگوں کو استہزا اور بے ہودگی کے لیے ابھارا گیا۔

(۸) آپ کو جادوگر کہا جاتا تھا۔

(۹) آپ کو مجنون کہا جاتا تھا۔

(۱۰) راہ چلتے آپ کو طنز آمیز کلمات اور بیہودہ گالی گلوچ سے خطاب کرتے اور استہزا اور پھبتی کستے تھے۔

(۱۱) آپ کے وعظ میں اس خیال سے کہ لوگ سننے نہ پائیں، لغویات بکا جاتا تھا۔ شور مچایا جاتا تھا۔ تالیاں بجائی جاتی تھیں۔

(۱۲) آپ کی ہجو میں اشعار اور قصیدے کہے جاتے تھے۔

(۱۳) لوگوں کو آپ کی جانب سے بد ظن کیا جاتا تھا۔

(۱۴) مسجد حرام میں آپ کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا تھا۔

(۱۵) قرآن شریف پڑھنے سے روکا جاتا تھا جو اسلامی دعوت کی تبلیغ کا اصل اصول تھا۔

(۱۶) آپ سے برادری ترک کی گئی۔

(۱۷) آپ کا بائیکاٹ کیا گیا۔ تجارت، خرید و فروخت، بازار میں آنے جانے سے روکا گیا۔

(۱۸) شہر بدر کیا گیا۔ مجبوراً تین سال تک مسلسل پہاڑ کی کھوہ میں رہنا پڑا۔

(۱۹) دینار و درہم کا لالچ دیا گیا۔

(۲۰) سیادت و قیادت کی رشوت پیش کی گئی۔

(۲۱) بادشاہی کا سبز باغ دکھایا گیا۔

(۲۲) دارالندوہ میں آپ کے قتل کی سازش کی گئی۔ متحدہ قرارداد منظور کی گئی او

آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا گیا اور آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنی پڑی (جس کی تفصیل آنے والی ہے)۔

بیعت عقبہ اولیٰ --- ۱۱ نبوی: نبوت کے گیارہویں سال حج کے موسم میں حسب وعدہ انصار کے بارہ آدمی پہنچے اور آپ سے عقبہ میں ملاقات کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔ طبقات ابن سعد میں ان بارہ اشخاص کے نام حسب ذیل ہیں:

اسعد بن زرارہ، عوف، معاذ، فرزندان حارث ذکوان بن عبد قیس، رافع بن مالک، عبادہ بن الصامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عقبہ بن عامر، قطبہ بن عامر، ابوالہیثم بن التیہان، عویم بن ساعدہ (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

طبقات ابن سعد میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے بیعت خواتین کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ دیدہ و دانستہ بہتان تراشی نہیں کریں گے۔ کسی نیک کام میں نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے اور جو اس میں کوتاہی کرے گا، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، خواہ عذاب کرے، خواہ معاف کردے۔

انصار کی اس خواہش پر کہ قرآن کی تعلیم کے لیے ایک معلم ہونا چاہیے، بارگاہ رسالت سے اس خدمت پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مامور کیے گئے اور ان کے ذمہ بحیثیت معلم یہ فریضہ عاید کیا گیا کہ (۱) ان لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ (۲) اور اسلام کی تعلیم دیں۔ (۳) اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا نام "مقری المدینہ" پڑ گیا تھا۔ مدینہ میں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں ٹھہرے۔ اب یہ معلم بھی تھے اور امام بھی تھے۔

ابن ہشام میں کعب بن مالک کی روایت ہے کہ اسعد بن زرارہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں بنی بیضاء کے پتھریلے مقام کی نشیبی زمین میں ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس روز آپ کتنے آدمی تھے۔ کہا: چالیس۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۵۴، ج ۱)

سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ کا قبول اسلام: ایک دن حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لے کر بنی عبدالاشہل کے محلہ میں گئے اور ایک باغ میں بیٹھ گئے۔ ان کے پاس چند وہ لوگ بھی جمع ہو گئے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ کو جب ان دونوں کے آنے کی اطلاع ملی تو اسید سے کہا کہ تم جا کر ان کو ڈانٹ دو اور منع کر دو کہ ہمارے محلہ میں نہ آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنائیں۔ میں خود جاتا مگر اسعد چونکہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں، اس لیے میرا جانا مناسب نہیں ہے۔

حضرت اسید نے چھوٹا برچھا لیا اور چل پڑے۔ حضرت اسعدؓ نے دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا کہ بنی اشہل کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے۔ خداوندی حکم کا پوری شدت سے لحاظ رکھنا۔ لحاظ و مروت کو کام میں نہ لانا۔

حضرت اسید پہنچتے ہی برس پڑے اور کہا کہ ہمارے محلہ کے کمزوروں کو بے وقوف بنانے آئے ہو۔ تم کو اگر جان پیاری ہے تو ہم سے دور رہو۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے سنجیدگی سے کہا کہ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔ پسند خاطر ہو تو فبہا ورنہ رد کر دیجیے گا۔ حضرت اسیدؓ نے کہا کہ تم نے معقول بات کہی۔ برچھا گاڑ دیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام سے روشناس کرایا اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو حضرت اسید بے اختیار بول اٹھے:

"یہ چیز تو بہت ہی خوب اور بہتر ہے"۔

پھر پوچھا کہ اسلام میں داخلہ کی کیا صورت ہوتی ہے؟ یعنی کوئی اسلام اختیار کرنا چاہے تو اس کو کیا کرنا پڑتا ہے۔ کہا گیا: غسل کر لیجیے۔ کپڑے پاک کر لیجیے۔ کلمہ توحید کا اقرار کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیجیے۔ حضرت اسید کھڑے ہو گئے۔ غسل کیا۔ کپڑے پاک کر لیے۔ کلمہ توحید کا اقرار کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی اور کہا: میرے بعد ایک ایسا شخص تمہارے پاس آتا ہے، اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو پھر قبیلہ کا کوئی شخص اسلام قبول کرنے سے نہ بچے گا۔

حضرت اسیدؓ نے واپس آ کر کہا: میں نے ان کو ڈانٹ دیا ہے اور سمجھا بھی دیا ہے۔

مگر مجھ کو خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لیے اس وجہ سے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے اور مقصد صرف تم کو ذلیل کرنا ہے۔ اب حضرت سعدؓ غصہ سے بھر گئے۔ حضرت اسیدؓ سے برچھا لیا اور چل پڑے۔ یہاں پہنچے تو دیکھا کچھ نہیں ہے۔ اب غصہ کا رخ ان دونوں کی طرف پھر گیا اور بری طرح برس پڑے۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ سے کہا: اگر ہم میں تم میں قرابت داری نہ ہوتی تو تم ہمارے محلہ میں ہماری مرضی کے خلاف بات لے کر آنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان کے تیور دیکھ کر کہا کہ ہم آپ کے محلہ میں آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں گے۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔ پسندیدہ خاطر ہو تو آپ ہی کی رغبت کی چیز ہو گی۔ اب حضرت سعدؓ نرم ہو گئے اور کہا: "تم نے انصاف کی بات کہی ہے" اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کو موثر انداز میں سمجھایا اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ تیر نشانے پر بیٹھ گیا۔

حضرت سعدؓ نے غسل کر کے کلمہ توحید کا اقرار کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور سیدھے اپنے قبیلہ کی مجلس میں پہنچے اور کھڑے ہو گئے اور پوچھا تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب میں زیادہ کنبہ پرور اور بہتر رائے رکھنے والے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا تو مجھ پر تم سب لوگوں سے اس وقت تک بات کرنی حرام ہے جب تک تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ شام تک قبیلہ کا ہر ہر فرد مسلمان تھا۔ نہ ایک مرد غیر مسلم رہا نہ ایک عورت غیر مسلم رہی۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ پھر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر واپس آ گئے اور اسلام کی دعوت دینے لگے۔ یہاں تک کہ انصار کے ہر گھر میں اسلام پہنچ گیا۔ صرف چار گھرانے: بنی امیہ بن زید، خطمہ، وایل اور واقف کے باقی رہ گئے جو غزوۂ خندق کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۵۳، ج ۱)

بیعت عقبہ ثانیہ ۱۳ نبوی: نبوت کے بارہویں سال انصار کے تہتر شخص، جو اپنی قوم کے پانچ سو بت پرست ساتھیوں کے ساتھ، جو حج کو جا رہے تھے، مکہ پہنچے۔ ان میں دو عورتیں بھی تھیں اور عقبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایام تشریق میں ملنے کی قرارداد ہو گئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب تہائی رات گزر گئی تو قرارداد کے مطابق انصار دبے پاؤں چھپتے ہوئے نکلے اور ایک دوراہے کے پاس جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ ساتھ تھے۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو بیعت سے پہلے حضرت عباسؓ نے انصار کو ان الفاظ میں خطاب کیا:

"محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم میں جس مرتبہ کے آدمی ہیں' اس سے تم واقف ہو۔ ہم نے ان کی اپنی قوم میں ہر طرح کی حفاظت کی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ ان کو لے جانے کے بعد اپنے وعدہ کو پورا کرسکتے ہو اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرسکتے ہو تو جس ذمہ داری کو تم خوشی سے اٹھا رہے ہو اٹھاؤ اور اگر لے جاکر چھوڑ دینے کا ارادہ ہو تو اسی وقت ان کو چھوڑ دو' اس لیے کہ وہ اپنی قوم میں اور اپنے شہر میں مامون ہیں"۔

اس کے جواب میں انصار نے حضرت عباسؓ سے یہ کہہ کر کہ ہم نے ساری باتیں سن لیں' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ! جو کچھ آپ کو اپنے متعلق اور اپنے خدا کے متعلق وعدہ لینا ہو' لے لیجیے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی اور فرمایا:

ابائعکم علے ان تمتعونی مما تمتعون منه نساء کم و ابناء کم۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۵۵' ج ۱)

"میں اس بات پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اسی طرح کرو گے جس طرح اپنی عورتوں کی اور اپنی اولاد کی کرتے ہو"۔

براء بن معرور نے (جو خزرج کے رئیس تھے) بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور کہا کہ:

"ہم لوگ آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے۔ آپ ہماری بیعت لیجیے۔ ہم لوگ میدان جنگ کے شہسوار ہیں اور یہ چیز ہم کو ہمارے بزرگوں سے میراث میں ملی ہے"۔

حضرات براء یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بیچ میں ابو الہیثم بن التیہان نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں اور یہود میں معاہدہ ہے اور اب اس کے بعد ہم اس کو

قطع کر دیں گے۔ کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب ہم یہ سب کچھ کر چکیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے تو آپ اپنی قوم میں واپس آجائیں اور ہم کو چھوڑ دیں؟"

یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

"میرا خون تمہارا خون ہو گا اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہو گا۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے' میں اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے صلح کروں گا"۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۵۵' ج ۱)

اس گفتگو میں عباس بن عبادۃ بن نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری کو مضبوط بنانے کے لیے کہا: "اے گروہ خزرج! تم سمجھ رہے ہو کہ ان سے تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟" لوگوں نے جواب دیا "ہاں"۔ اس پر عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:

"تم ساری دنیا کے کالے گورے سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ تم سوچ لو۔ جنگ میں تمہارے اموال ضائع ہوں گے۔ تمہارے شرفا قتل ہوں گے۔ اگر تم ان کو چھوڑ دو گے تو ابھی چھوڑ دو۔ ورنہ اگر بیعت کے بعد تم نے ان کو چھوڑا تو تم دین اور دنیا دونوں میں رسوا ہو گے اور اگر تم ہمت رکھتے ہو کہ اس صورت حال میں بھی اپنے وعدہ پر قائم رہو گے کہ تمہارے اموال ضائع ہوں' تمہارے شرفاء قتل ہوں تو دین اور دنیا دونوں میں یہ بہتر ہے"۔ (ابن ہشام)

لوگوں نے کہا "ہاں اموال کے مصائب اور اپنے شرفاء کے قتل پر آپ ﷺ سے بیعت کر رہے ہیں۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو بتا دیجئے کہ اگر ہم نے اپنے وعدہ کو پورا کیا تو ہم کو کیا ملے گا؟"

ارشاد فرمایا "جنت"۔

اس پر لوگوں نے کہا کہ "حضور! دست مبارک بڑھائیے"۔ پھر تمام لوگوں نے بیعت کی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۵۷)

اس کے علاوہ اس بات پر بھی بیعت لی گئی تھی۔ بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انصار سے آپ نے یہ بیعت لی تھی کہ شرک' چوری'

زنا اور اولاد کے قتل کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ بہتان نہیں باندھیں گے۔ نیک کام میں نافرمانی نہ کریں گے۔ ہم لوگ راحت و رنج ہر حال میں سمع و طاعت بجالائیں گے۔ اور امیر سے امارت کے بارے میں جھگڑا نہ کریں گے اور جہاں رہیں گے حق کا اظہار کریں گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم لوگ اپنے میں سے ۱۲ آدمیوں کو نقیب کی حیثیت سے پیش کرو۔ وہ اپنی قوم کے جماعتی معاملہ میں نگران ہوں۔ تو انہوں نے اپنے میں سے بارہ آدمیوں کا بحیثیت نقیب کے انتخاب کیا۔ ۹ خزرج میں سے، ۳ اوس میں سے"۔

انتخاب کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نقیبوں سے فرمایا: "تم لوگ دوسروں کے ذمہ دار ہو، جیسا کہ حوارئین عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ذمہ دار تھے یا میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں"۔ ان لوگوں نے کہا "ہاں"۔ (طبقات)

اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اپنے کجاووں میں چلے جاؤ۔ عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ کی قسم! جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا ہے، اگر آپ چاہیں تو منیٰ میں جو لوگ ہیں ان پر ہم لوگ اپنی تلواریں لے کر حملہ کر دیں"۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تم لوگ اپنے اپنے کجاووں کی طرف لوٹ جاؤ"۔ (ابن ہشام۔ ص۱۵۷، ج۱)

طبقات میں ہے کہ صبح ہوئی تو قریش کے شرفاء اور سرداروں اور سربر آوردہ لوگوں کی ایک جماعت آئی اور کہا "خزرج والو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے رات کو ہمارے آدمی (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) سے مل کر، ان سے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی بیعت کی ہے۔ بخدا عرب میں جتنے بھی قبیلے ہیں، کسی کے ساتھ لڑنا ہم اس قدر برا نہیں جانتے ہیں جس قدر تم لوگوں سے جنگ کو برا سمجھتے ہیں"۔

قبیلہ خزرج کے مشرکین میں سے جو لوگ وہاں تھے، جلدی جلدی اللہ کی قسمیں کھانے لگے کہ ایسا نہیں ہوا۔ ہمیں تو اس کا علم بھی نہیں۔ ابن ابی نے کہا: یہ محض باطل

امر ہے۔ نہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے، نہ میری قوم بغیر میرے حکم کے ایسا کام کرے گی۔ میں یثرب میں ہوتا تو مجھ سے ضرور مشورہ کرتے (پھر یہاں کون امر مانع تھا)۔ قریش یہ سن کر واپس ہو گئے۔ (طبقات۔ ص۱۵۰، ج۱)

ابن ہشام میں ہے کہ منیٰ سے جب قریش واپس ہوئے تو اس خبر کی چھان بین میں لگ گئے اور انہیں پتہ چل گیا کہ ضرور اس طرح کی بات ہوئی ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی تلاش میں نکلے۔ اور تو کوئی نہ ملا، سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ ان کو مل گئے۔ منذر پر تو قابو نہ پا سکے، سعد بن عبادہ کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا اور ان کے ہاتھ کو گردن سے باندھ دیا اور زدوکوب کرتے ہوئے مکہ لے آئے۔ مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ کو معلوم ہوا تو دونوں اس رابطہ کی وجہ سے آئے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو، جب یہ تجارت کے لیے مدینہ منورہ جاتے تھے، پناہ دیا کرتے تھے اور ان دونوں نے قریش کے ناروا ظلم سے ان کو نجات دلائی اور سعد بن عبادہؓ چھوٹ کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور راہ ہی میں اپنے ساتھیوں سے مل گئے۔ (ابن ہشام۔ ص۱۵۸، ج۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبائل عرب میں دورہ: یزید بن رومان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابتدائے نبوت سے تین سال تک مکہ میں پوشیدہ طور پر کام کرتے رہے۔ چوتھے سال آپ نے اعلان کیا۔ دس سال تک لوگوں کو اس طرح اسلام کی دعوت دی کہ آپ موسم حج میں ہر سال آتے تھے، حجاج کو ان کی قیام گاہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں تلاش کرتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ یہ لوگ آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لیں تاکہ آپ اللہ کے پیغام کی تبلیغ فرمائیں اور ان کے لیے جنت ہو۔ مگر کوئی شخص نہ آپ کی مدد کرتا، نہ آپ کی بات مانتا۔

آپ ہر قبیلہ والوں سے مل کر فرماتے تھے کہ "لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے اور اس کی بدولت عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت کے بادشاہ بن جاؤ گے"۔

ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا اور کہتا تھا: اس کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹا ہے۔ پھر لوگ بری طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے تھے اور آپ کو تکلیف پہنچاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے اہل و عیال اور کنبہ والے

آپ سے زیادہ واقف ہیں۔ انہوں نے تو آپ کی پیروی نہیں کی۔

عرب کے مشہور قبائل جیسے بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنی غفر، بنی البکاء، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ (حضرموت کے رہنے والے) ان سب کے پاس آپ تشریف لے گئے لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، نہ حفاظت کی حامی بھری۔ (طبقات ابن سعد۔ ص ۱۴۵، ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ میں نوجوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبیلوں کی منزلوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان سے فرما رہے تھے:

انی رسول الله الیکم۔ یامرکم ان تعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا وان تخلعوا ما تعبدون من دون الله من هذه الانداد وان تومنوا بی وتصدقوا بی وتمنعوتی حتی ابین من الله ما بعثنی به۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۸، ج ۱)

"میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں جو تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور خدا کے سوا تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو ان کی پوجا چھوڑ دو۔ اور مجھ پر ایمان لاؤ، اور مجھے سچا جانو، اور میری حفاظت کرو، تاکہ میں ان چیزوں کو صاف صاف بیان کر دوں جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے"۔

آپ کے پیچھے ایک سرخ و سپید شخص تھا جس کی دو چوٹیاں تھیں اور عدنی چادریں زیب بدن کیے تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی باتیں اور تبلیغ ختم فرماتے تو وہ کہنے لگتا کہ یہ شخص اس بات کی جانب تمہیں دعوت دیتا ہے، کہ تم اپنی گردنوں سے لات و عزیٰ (کے جوئے) کو نکال پھینکو اور جو بدعت اور گمراہی یہ لایا ہے، اس کی طرف مائل ہو جاؤ، لہٰذا تم اس کی بات نہ مانو اور اس کی اطاعت نہ کرو۔

میں نے والد سے پوچھا: "یہ کون شخص ہے جو آپ کے پیچھے چلتا ہے اور آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس کا رد کرتا ہے؟" جواب ملا کہ ان کے چچا ابولہب ہیں۔ (ابن ہشام۔

ص ۱۴۸، ج ۱) زہری کی روایت ہے کہ آپ بنی کندہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ ان کا سردار ملیح تھا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے کو اس پر پیش فرمایا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنی حنیفہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے کو پیش فرمایا تو انہوں نے آپ کی دعوت کا جو برا جواب دیا، عرب کے قبیلوں میں سے کسی نے اتنا برا جواب نہیں دیا۔

زہری کی روایت ہے کہ آپ بنو عامر کے پاس گئے اور ان کے سامنے اسلامی دعوت اور اپنی حفاظت و حمایت کا مسئلہ رکھا تو فراس بن عبداللہ نے کہا: واللہ اگر میں اس قریشی جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعہ تمام عرب کو کھا لوں یا فنا کر دوں یا ان کو مطیع بنا لوں۔ پھر اس نے کہا: اچھا بتاؤ اگر ہم نے تمہاری اطاعت کر لی اور اللہ تم کو مخالفوں پر غلبہ دے دے تو کیا تمہارے بعد حکومت مجھ کو ملے گی۔ آپ نے فرمایا:

الامر الی الله یضعه حیث یشاء

"حکومت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے دے"۔

اس پر اس نے کہا: تمہاری حفاظت میں عرب کے تیروں کا نشانہ تو ہم اپنے کو بنائیں اور جب اللہ تمہیں فتح دے تو حکومت دوسروں کو ملے۔ ہمیں تمہاری حکومت کی ضرورت نہیں۔

بنو عامر جب حج سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں آئے اور حسب دستور اپنے قبیلہ کے اس بوڑھے شخص کے پاس گئے جس سے حج کے موقع کے واقعات بیان کرتے تھے، تو اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے واقعہ کو بھی بیان کیا اور کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم اس کو اس کے دشمنوں سے بچائیں اور اس کی حفاظت کریں اور اس کو اپنی بستی میں لے آئیں۔ بڈھے نے یہ سن کر ہاتھ کو سر پر رکھ لیا اور کہا کہ اس کوتاہی کی کوئی تلافی ممکن ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اب تک ایسا دعویٰ بنی اسماعیل میں سے کسی نے نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ سچا ہے۔ تمہاری عقل کہاں چلی گئی تھی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴۸، ج ۱)

قبیلہ بنی ذہل ابن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابوبکر بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر نے مفروق سے کہا: تم نے کسی پیغمبر کا نام سنا ہے، وہ یہی ہیں۔ مفروق

نے آنحضرت ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا: برادر قریش تم کیا تلقین کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ اور یہ آیتیں پڑھیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (انعام۔ ع۱۹، پ۸)

"کہہ دو کہ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا حق خدمت بجالاؤ۔ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ہلاک نہ کرو"۔

اس قبیلہ کے رؤساء مفروق، مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ مدتوں کا دین دفعتاً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور اس سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ رہیں گے۔ آپ نے ان کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔ (سیرۃ النبی۔ ص۲۳۶، ج۱)

واقعہ ہجرت ۱۳ نبوی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب انصار (بیعت عقبہ ثانیہ کر کے) واپس گئے تو اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگجو، بہادر قوم کو حامی بنا دیا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے لیکن ان لوگوں کے بچ کر نکل جانے کی وجہ سے مشرکین کے ہاتھوں مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ قریش ان کی بری طرح توہین و تذلیل کرنے لگے، گالیاں دینے لگے اور تکلیف پہنچانے لگے جس کی مثال اس سے پہلے نہ تھی اور یہ معاملہ اس حد تک پہنچا کہ مکہ میں مسلمانوں کی زندگی ضیق میں ہو گئی۔ صحابہ نے شکایت کی اور آپ سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا دار ہجرت مجھ کو خواب میں دکھایا گیا ہے۔ (طبقات

ص۱۵۲، ج۱)

بخاری میں ہے کہ قبل ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ دار ہجرت ایسا مقام ہے جہاں کھجور کے باغ ہیں۔ خیال تھا کہ وہ شاید یمامہ ہو یا ہجر ہو مگر تقدیر الٰہی میں وہ مدینہ منورہ نکلا۔

بہرحال چند روز ٹھہرنے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: مجھے تمہارے دار ہجرت کی خبر دے دی گئی، وہ یثرب ہے۔ جو جانا چاہے وہاں جائے۔ صحابہ ہجرت کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور رازدارانہ طور پر اس کا اہتمام و انتظام کرنے لگے۔ سب سے پہلے جو مدینہ منورہ گئے، وہ حضرت ابو سلمہؓ تھے۔ ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہؓ گئے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی لیلیٰ بھی تھیں۔ اس کے بعد مسلمان جوق در جوق جانے لگے اور انصار کے مکانوں میں ٹھہرنے لگے۔ (طبقات۔ ص۱۵۲، ج۱)

صحابہ کرام عموماً کافروں کے شر سے بچنے کے لیے بغیر کسی اعلان و اظہار کے خموشی کے ساتھ ہجرت کر جاتے تھے کیونکہ کفار انہیں ہجرت سے روکتے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہادرانہ غیرت نے اس کو پسند نہیں کیا۔ انہوں نے اس شان سے ہجرت کی کہ پہلے مسلح ہوئے اور اپنے بدن پر ہتھیار لگا کر کفار کے مجمع سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ طواف کیا، نماز پڑھی، پھر بلند آواز سے پکار کر کہا کہ میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں، جس کو مقابلہ کرنا ہو، مکہ سے نکل کر مقابلہ کر لے۔ مگر کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو روک سکے۔ (زرقانی)

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ علم ہونے پر کفار ان کو گرفتار کر لیتے تھے، بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرتے تھے کہ مدینہ سے ان کو کسی حیلہ سے مکہ لا کر قید و بند میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ عیاش بن ربیعہؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن عاص اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم تینوں نے ایک ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور بات یہ قرار پائی کہ بنی غفار کے تالاب کے پاس "مقام تناصب" میں جمع ہو جائیں۔ ہم میں سے جو بھی صبح کو وہاں نہیں پہنچے گا، سمجھ لیا جائے گا کہ وہ گرفتار ہو گیا، اس لیے بغیر انتظار کے پہنچ جانے والے روانہ ہو جائیں گے۔ صبح کو حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ پہنچ گئے اور ہشام کفار کے ہاتھوں

گرفتار ہو گئے اور ایک گھر میں بیڑی پہنا کر مقید کر دیے گئے۔ جب یہ دونوں مدینہ پہنچے تو قبا میں عمرو بن عوف کے گھر اترے۔

مکہ سے ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام، جو عیاش کے چچازاد بھائی اور اخیافی بھائی تھے، عیاش کے پاس مدینہ منورہ پہنچے۔ ان دونوں نے عیاشؓ سے کہا کہ تمہاری ماں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لے گی، نہ تو اپنے سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ میں سے سایہ میں آئے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عیاشؓ سے کہا کہ ان کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ تم کو مرتد بنانا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم جب تمہاری ماں کو جوئیں تکلیف دیں گی، ضرور کنگھی کرے گی۔ مکہ کی دھوپ جب تیز ہوگی، ضرور سایہ میں جائے گی۔ مگر حضرت عیاشؓ چونکہ رقیق القلب تھے، وہ مکہ جانے پر تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اچھا تم میری اونٹنی لے لو، جہاں تم خطرہ محسوس کرو، اس اونٹنی سے بچ نکلنا۔ جب تینوں روانہ ہوئے تو راستہ میں ابو جہل نے کہا: واللہ میں نے اپنے اونٹ پر بوجھ بہت لاد دیا ہے۔ کیا تھوڑی دیر کے لیے اپنی اونٹنی پر نہیں بٹھاؤ گے۔ حضرت عیاشؓ نے کہا کیوں نہیں! جب تینوں نے اونٹ بٹھائے اور زمین پر اتر آئے تو دونوں نے عیاشؓ پر حملہ کر دیا اور رسی میں باندھ لیا۔ جب یہ لوگ مکہ پہنچے تو کہا: "مکہ والو! اپنے بیہودہ لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرو جس طرح ہم نے اس بیہودہ شخص کے ساتھ کیا ہے"۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۶۷، ج ۱)

جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لی بعیاش بن ربیعہ و ھشام بن العاص۔

"عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن عاص کو لانے کے لیے کون میری مدد کو تیار ہے"۔

حضرت ولید بن ولید نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوں۔ حضرت ولیدؓ چھپ کر مکہ پہنچے۔ ایک عورت کو دیکھا کہ کھانا لیے جا رہی ہے۔ پوچھا: اللہ کی بندی کہاں جا رہی ہے۔ اس نے کہا: میں دو قیدیوں کے پاس جا رہی ہوں۔ یہ بھی اس کے پیچھے ہو لیے اور جس گھر میں وہ قید تھے، اس کو پہچان لیا۔ اس گھر پر چھت نہ تھی۔ جب رات ہوئی تو دیوار پھاند کر ان کے پاس پہنچے اور بیڑیوں کو تلوار مار کر کا

دیا۔ پھر ان دونوں کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۶۷، ج ۱)

اسی طرح حضرت صہیب رومی نے جب ہجرت کا ارادہ کیا اور قریشیوں کو علم ہو گیا تو ان سے کہا کہ تم ہمارے یہاں بھیک منگوں کی صورت میں آئے تھے۔ یہاں رہ کر مالدار ہو گئے۔ اب تم اس مال کو لے کر جانا چاہتے ہو، واللہ یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت صہیبؓ نے کہا: اچھا بتاؤ، اگر میں تم کو اپنا سب مال دے دوں تب تو میری راہ میں حائل نہ ہو گے۔ انہوں نے کہا: ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے کہا کہ میں نے اپنا سب مال تمہیں دے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ربح صھیب ربح صھیب۔ "صہیب نفع میں رہے، صہیب نفع میں رہے"۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۶۸، ج ۱)

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک ایک فرد، جو جا سکتا تھا، چلا گیا اور ضعفاء مسلمین کو قریش نے گرفتار کر لیا تو مکہ میں صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہ گئے۔ آپ ہجرت کی اجازت ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بار بار ہجرت کی اجازت طلب کرتے تھے اور ہر بار ان کو یہ جواب ملتا کہ: لا تعجل لعل اللہ یجعل لک صاحبا۔ "جلدی نہ کرو شاید اللہ تمہارے لیے ساتھی پیدا کر دے"۔

تو حضرت ابو بکرؓ کو امید ہوتی تھی کہ وہ ساتھی آپ ﷺ ہی ہوں گے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۶۹، ج ۱)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ یثرب (مدینہ) کی ایک جنگجو اور بہادر قوم کی آپ کو حمایت حاصل ہو گئی اور مکہ کے علاوہ دوسرے شہر کے لوگ بھی آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے اور مکہ کے مسلمان بھی ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور اب وہ سب مل کر ایک طاقت بن گئے اور ایک محفوظ مقام ان کو حاصل ہو گیا اور ان کو خوف ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مل کر ان پر حملہ نہ کر دیں، پھر منیٰ کے واقعات کی روشنی میں وہ یہ بھی سمجھے کہ آپ نے ان سے جنگ کرنے کا عزم بھی کر لیا ہے۔ تو سب کے سب دارالندوہ میں اس لیے جمع ہوئے کہ آپ کی ذات اقدس کے متعلق ایک آخری اور قطعی مشورہ کریں کہ موجودہ صورت حال میں ان کو کیا رویہ

اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کی گئی اور اس دن کا نام "یوم الزحمہ" رکھا گیا۔ قرارداد کے مطابق لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے، جس میں قریش کے تمام سربر آوردہ سرغنے جمع ہوئے۔ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، ابوجہل بن ہشام، نبیہ، منبہ، فرزندان حجاج، امیہ بن خلف وغیرہ خصوصیت سے شریک ہوئے۔ ان کے علاوہ قریش کے اتنے لوگ شریک ہوئے کہ ان کی تعداد شمار نہ ہو سکی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۶۹، ج ۱)

طبقات میں ہے کہ نجد کے ایک بڑے بوڑھے کی شکل میں ایک شخص آیا۔ تلوار لٹک رہی تھی۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ ابن ہشام میں ہے کہ لوگوں نے اس کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو اس سے پوچھا: بڑے میاں تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں نجد کا ایک بوڑھا ہوں، مجھ کو تمہاری قرارداد کی خبر ملی تو میں بھی شریک ہو گیا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رائے دہی اور خیرخواہی میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ لوگوں نے کہا: اچھی بات ہے آؤ۔ آخر وہ بھی سب لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ بحث شروع ہوئی۔ ایک شخص نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوہے کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر کسی مکان میں بند کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے اس رائے سے انکار کر دیا کہ اس سے تمہارے خطرہ کا سدباب نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیرو حملہ آور ہوں اور اس کو چھڑا کر لے جائیں اور تمہاری حکومت پر بھی غالب آ جائیں۔ لہٰذا دوسری تجویز سوچو۔ دوسرے شخص نے کہا: اس کو یہاں سے جلاوطن کر دو۔ جب یہ چلا جائے گا تو ہم اپنے باہمی تعلقات اور محبت کی درستگی کر لیں گے۔ ہم اس سے بے پروا ہو جائیں گے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ وہ چاہے کہیں رہے، کہیں بسے۔ شیخ نجدی نے کہا: واللہ تمہاری یہ رائے بھی درست نہیں اور تمہارے خطرہ کا اس سے بھی سدباب نہیں ہو سکتا ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق میری ایک رائے ہے جس کی طرف غالباً تم میں سے کسی کا دھیان نہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا: ابوالحکم وہ کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک نوعمر، قوی، شریف النسب، جو ہم لوگوں میں بہترین جوان مرد ہو، انتخاب کیا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دے دی جائے اور وہ

سب مل کر ایک ہی مرتبہ وار کریں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ اس طرح پر اس کا خون تمام قبیلوں پر بٹ جائے گا اور بنو ہاشم تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم انہیں اس کا خون بہا دے دیں گے۔ نجدی (ابلیس) نے کہا: رائے تو یہی صائب ہے جو اس نوجوان (ابوجہل) نے کہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی رائے درست نہیں۔ اس آخری رائے پر اتفاق ہو گیا۔ مجلس مشاورت ختم ہو گئی۔ لوگ منتشر ہو گئے۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۰، ج ۱)

جب رات کا اندھیرا ہوا تو سب کے سب آپ کے دروازہ پر جمع ہو گئے اور کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کی اطلاع بذریعہ وحی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہو چکی تھی۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ تم میرے بستر پر میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح سب کی امانتیں دے کر مدینہ منورہ چلے آنا۔ تم کو کفار سے گزند نہیں پہنچے گی۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۰، ج ۱)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان محاصرین میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پھبتی کس رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ اگر تم اس کے اصول پر عمل کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔ مرنے کے بعد پھر اٹھائے جاؤ گے اور جنت ملے گی اور پیروی نہ کرو گے تو دوزخ میں عذاب دیے جاؤ گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں نکلے اور ایک مٹھی بھر خاک لی اور فرمایا: نعم اقول ذالک انت احدھم۔ "ہاں میں یہ باتیں کہتا ہوں اور تو بھی ان دوزخیوں میں سے ایک ہے"۔ اور سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے چلے گئے اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ آپ کے چلے جانے کے بعد ایک شخص آیا۔ اس نے پوچھا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا کہ وہ تمہارے سامنے سے تمہارے سروں پر خاک ڈال کر نکل گئے۔ اللہ نے تم کو محروم کر دیا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۰، ج ۱)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا: واللہ ہم نے ان کو نہیں دیکھا اور وہ لوگ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ ابوجہل، حکم بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، امیہ بن خلف، ابن الغیلطہ، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، ابولہب، ابی بن خلف، نبیہ، منبہ پسران حجاج تھے۔ (ص ۱۵۴، ج ۱)

حضرت ابو بکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی اور آپ ان کو اطلاع دے چکے تھے کہ اللہ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ نے دو اونٹ اس کام کے لیے پہلے سے خرید رکھے تھے۔ ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قیمت لینا منظور فرمالیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لائے اور حضرت ابو بکرؓ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم گھر کے پیچھے کی کھڑکی سے نکل گئے اور جبل ثور کے غار میں جاکر پوشیدہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے مطابق آپ کے صاحبزادہ عبداللہ دن بھر لوگوں کی باتیں سنتے رہتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی، شام کو آکر عرض کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتے، آپ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دودھ پی لیتے۔ شام کو حضرت اسماء بنت ابی بکر کھانا پکا کر لے آتیں۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۱، ج ۱)

غار ثور مکہ سے تین میل دائیں جانب ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب یہاں پہنچے تو پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ غار میں داخل ہوئے۔ اس کو صاف کیا اور جتنے سوراخ نظر آئے، ان کو بند کیا۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ ﷺ جب غار میں داخل ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتفاقاً ایک سوراخ، جو بند ہونے سے رہ گیا تھا، اس میں سے ایک سانپ نے سر نکالا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو یہ دیکھا تو نہ حرکت کی، نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جگایا بلکہ دیدہ و دانستہ اپنی جان پر کھیل کر اس سوراخ پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا۔ زہر جسم میں اثر کرنے لگا اور اس زہر کا اثر اتنا زیادہ ہوا کہ اس کی تکلیف سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر اس جاں باز رفیق صدیق نے اس حالت میں بھی اس خیال سے کہ آپ ﷺ کے خواب راحت میں خلل اندازی ہوگی، نہ تو جسم کو حرکت دی نہ جگایا۔ لیکن اتفاق سے آنسو کا ایک قطرہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ٹپک پڑا۔ آپ ﷺ اس سے بیدار ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی بے چینی اور متغیر حالت کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر لعاب دہن لگا دیا اور وہ تریاق بن گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے چنگے تھے، ویسے چنگے ہو گئے۔ (زرقانی)

صبح کو قریش جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں گھسے تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے بجائے پلنگ پر حضرت علیؓ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھ کو کوئی علم نہیں۔ پھر وہ لوگ آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے اور نشان قدم پر جبل ثور تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر نشان قدم ان پر مشتبہ ہو گیا تو پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار ثور تک پہنچ گئے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مرقاۃ میں ہے کہ یہ لوگ غار پر ایسی جگہ پہنچ گئے کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالتے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے۔ حضرت ابو بکرؓ اس صورت حال سے ڈر گئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ یعنی تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ ہم لوگوں کا محافظ ہے۔ وہ لوگ غار پر گھومتے رہے مگر تقدیر الٰہی یہ تھی کہ وہ دیکھ نہ سکیں۔

ابن ہشام میں حضرت اسما بنت ابی بکرؓ کی روایت ہے کہ آپ کے چلے جانے کے بعد قریش کی ایک ٹولی ہمارے پاس آئی، جس میں ابو جہل بھی تھا۔ انہوں نے پوچھا: تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا: واللہ میں نہیں جانتی کہ میرا باپ کہاں ہے تو ابو جہل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے گال پر ایسا تھپڑ مارا جس سے میرے کان کا بالا نکل کر نیچے آگرا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۲، ج ۱)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ تین روز آپ ﷺ اور ابو بکرؓ غار میں رہے۔ چوتھے روز عبداللہ بن اریقط، جو کافر تھا مگر اس پر اعتماد تھا اور اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا، دو اونٹ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے لیے اور ایک اونٹ اپنے لیے لے کر آیا۔ حضرت اسماءؓ چمڑے کا توشہ دان لے کر آئیں لیکن جب اس کو لٹکانے لگیں تو دیکھا کہ باندھنے کا بند نہیں ہے، تو اپنا "نطاق" (کمر باندھنے کا کپڑا) پھاڑ کر دو حصے کیے۔ ایک سے اس کے منہ کو باندھ دیا اور دوسرے حصہ سے اپنی کمر کو باندھ لیا۔ اسی بنا پر ان کو "ذات النطاقین" کے لقب کا شرف ملا۔ جب وہاں سے دونوں روانہ ہونے لگے تو حضرت ابو بکرؓ نے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کہ راستہ میں وہ آپ دونوں کی خدمت کر سکیں۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۲، ج ۱)

قریش جب اپنی تلاش میں ناکام رہے تو اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے گا یا گرفتار کر کے لائے گا، اس کو ایک خون بہا کے برابر یعنی سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن جعشم کی روایت ابن ہشام

میں ہے کہ میں اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے تین مسافروں کو ابھی ابھی گزرتے دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی تھے۔ میں نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیا کہ خاموش رہ اور میں نے کہا کہ وہ فلاں قبیلے کے لوگ تھے جو اپنے گمشدہ جانوروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا، پھر اپنے گھر گیا۔ گھوڑا اور ہتھیار لانے کا حکم دیا۔ پھر میں نے اپنے وہ تیر لیے جن سے میں اپنی قسمت دیکھا کرتا تھا۔ تیر نکال کر فال دیکھی تو میرے مطلب کے خلاف نکلی۔ پھر بھی اس امید پر کہ میں آپ کو قریش کے پاس گرفتار کر کے لے آؤں گا اور ان سے سو اونٹ لوں گا، نشان قدم پر چلا۔ میرا گھوڑا دوڑ رہا تھا کہ اس نے ٹھوکر کھائی اور میں اس پر سے گر پڑا۔ پھر میں نے تیر نکالا۔ فال پھر میرے مطلب کے خلاف نکلی۔ دل نے قبول نہیں کیا۔ میں پھر نشان قدم پر چلا۔ میرا گھوڑا دوڑ رہا تھا کہ پھر اس نے ٹھوکر کھائی اور میں اس سے گر پڑا۔ پھر فال کا تیر نکالا۔ پھر میرے مطلب کے خلاف نکلی مگر میرا دل اس پر راضی نہ ہوا۔ اور پھر میں نے پیچھا کیا، یہاں تک کہ وہ لوگ دور سے نظر آئے اور میں نے ان کو دیکھ لیا۔ تو میرے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور اس کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں اس پر سے گر پڑا۔ جب گھوڑے نے اپنے پیر کو زمین سے نکالا تو اس کے ساتھ بگولے کی طرح دھواں نکلا۔ اب میں نے سمجھا کہ میں اس پر قابو نہ پاسکوں گا۔ تقدیر الٰہی یہی ہے تو میں نے پکارا کہ میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ مجھ کو موقع دیا جائے کہ میں بات کروں۔ واللہ میں دغا نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: قل له ما تبغی منا۔ اس سے کہو کہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

میں نے کہا مجھ کو ایک تحریر لکھ دیجئے جو میرے پاس آپ کی نشانی رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ارشاد فرمایا کہ اس کو لکھ دو۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۷۳، ج ۱)

یہ روایت بخاری میں بھی ہے۔ اس کا آخر کا حصہ یوں ہے کہ سراقہ نے کہا کہ:

میں نے ان حضرات سے امن کی درخواست کی تو سب لوگ ٹھہر گئے۔ پھر میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہو کر رہیں گے۔ میں نے قریش کے انعامی اعلان کی ان حضرات کو اطلاع دی اور میں نے زاد راہ کے لیے کچھ پیش کیا تو آپ ﷺ

نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہم لوگوں کے معاملہ کو راز میں رکھنا۔ میں نے درخواست کی کہ میرے حق میں امن کا ایک رقعہ لکھ دیا جائے تو آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم فرمایا۔ اس نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ دیا۔ (باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ)

حضرت انسؓ کی روایت میں، جو بخاری ہی میں ہے، یہ بھی ہے کہ سراقہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ جو مناسب سمجھیں مجھے حکم دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس تم کسی شخص کو ہم لوگوں تک پہنچنے نہ دو۔ اب سراقہ کا یہ حال تھا کہ دن کے ابتدائی حصہ میں تو آپ ﷺ کا مخالف تھا اور آخر حصہ میں بہی خواہ تھا۔ (باب مذکور)

طبقات میں ہے کہ سراقہ کو جو لوگ بھی راستہ میں ملے ان سے انہوں نے کہا کہ تم نقش قدم میں میری مہارت کو جانتے ہو، یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ تم لوگ لوٹ چلو۔ چنانچہ سب لوٹ گئے۔ (ص ۱۵۷، ج ۱)

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غار ثور سے روانگی ۴/ ربیع الاول شب دو شنبہ کو ہوئی۔ راستہ میں آپ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ پر گزرے جو نہایت قوی اور دلیر خاتون تھیں۔ وہ اپنے خیمہ کے آگے میدان میں چادر اوڑھ کر بیٹھی رہتی تھیں اور مسافروں کو کھلاتی پلاتی تھیں۔ ان حضرات نے ان سے کھجور یا گوشت کے بارے میں پوچھا کہ خریدیں مگر ان کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اپنی کمزوری کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے نہ جا سکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہوں۔ اس نے کہا کہ اگر آپ دودھ دیکھیں تو دوہ لیجئے۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھن پر ہاتھ لگایا اور فرمایا کہ اے اللہ ام معبد کی بکری میں برکت دے۔ اس بکری نے اتنا دودھ دیا کہ ام معبد کو پلایا، اپنے اصحاب کو پلایا، خود پیا اور سبھوں نے سیر ہو کر پیا۔ پھر ام معبد کے برتن میں دوبارہ دوہا اور اس کو ان ہی کے پاس چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے شوہر ابو معبد آ گئے۔ دودھ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ یہ کہاں سے مل گیا؟ ام معبد نے کہا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتی کہ ایک بابرکت آدمی گزرے، جو ایسے ایسے تھے۔ ابو معبد نے کہا کہ میں انہیں

قریش کا وہی آدمی سمجھتا ہوں جن کی تلاش کی جارہی ہے۔ (ص ۱۵۶، ج ا)

بخاری میں ہے کہ حضرت زبیرؓ ایک جماعت کے ساتھ شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ راستہ میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔

ابن ہشام میں ہے کہ آپ ۱۲/ ربیع الاول روز دوشنبہ کو عمرو بن عوف کے پاس قبا میں پہنچے۔ (ص ۱۷۴)

یہاں پہنچ کر نبوت کی تیرہ سالہ مکی زندگی کے مختصر حالات ختم ہو جاتے ہیں، جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عالمی مشن کی راہ میں کن کن مشکلات و خطرات اور مصائب و آلام سے آپ کو دوچار ہونا پڑا اور کس بے بسی کے عالم میں آپ ﷺ نے عالمی دعوت کی تبلیغی خدمات انجام دیں۔

====================

حوالہ جات

(ا) قرآن کے اسلوب خطاب اور وعظ و پند کے متعلق ذہن کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے ہم اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کا اسلوب خطاب کے متعلق کیا اصول ہے؟ قرآن کا اسلوب خطاب ہر جگہ ایک طرح نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیے بلکہ موقع اور محل کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے اسلوب خطاب کے متعلق یہ بات اچھی طرح پیش نظر رکھنی چاہیے۔

۱۔ قرآن جب ان منکرین سے خطاب کرتا ہے، جن کے انکار و کفر کی بنیاد فکر کی خامی، ذہنی استبعاد، عقلی فرومائیگی یا غلط سوء ظن بروغیرہ پر ہوتی ہے، تو دلیل و منطق کے اصول پر بغیر کسی جھڑکی اور غلظت اور لہجہ کی شدت اور تہدید کے اتمام حجت کرتا ہے اور اس طرح کرتا ہے کہ رہتی دنیا تک عقلی مزاج والوں کے لیے محض مسکت ہی نہیں بلکہ قلب کے انشراح اور وجدان کی طمانیت کا باعث ہو۔ چنانچہ الوہیت، رسالت، معاد، حشر اجساد وغیرہ کے متعلق قرآن نے تمام یہی اسلوب اختیار کیا ہے اور یہ

اس لیے کہ قرآن کا تمام الہامی کتابوں کے مقابلہ میں یہ طرۂ امتیاز ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے جس طرح ہدایت پیش کرتا ہے، اسی طرح اپنے پیش کردہ ہدایتوں کے لیے "بینات" یعنی دلائل و براہین بھی پیش کرتا ہے۔ **شھر رمضان الذی انزل فیه القران ھدی للناس و بینات من الھدی والفرقان** (بقرہ- ع ۲۳، پ ۲) قرآن رمضان کے مہینہ میں نازل کیا گیا ہے۔ سارے جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے اور ہدایت اور فرقان کے لیے بینات ہے۔

۲- اور جب وہ ان منکرین سے خطاب کرتا ہے، جن کے انکار کی بنیاد صرف تمرد، تمسخر، استہزاء، کفر و جحود اور عناد پر ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ تم جھوٹے ہو، مفتری ہو، پاگل ہو، تم پر ہمارے دیوتاؤں کی مار ہے، تم مسحور ہو جس کی وجہ سے خبطی جیسی باتیں کرتے ہو اور آباؤ اجداد کے متوارث طور و طریقہ کو برا کہتے ہو۔ تو اس کے متعلق قرآن بلاغت کے اصول پر دوسری راہ اختیار کرتا ہے اور یہاں دلیل و منطق سے کام نہیں لیتا ہے کیونکہ یہ چیز یہاں بے کار اور بے سود ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ بے محل اور غلط ہوتی ہے، اس لیے کہ ایک عنید، ایک متمرد، ایک مسخرا، ایک غنڈے کے دل کے کسی گوشہ اور ریشہ میں دلیل و منطق کی طلب نہیں ہوتی ہے، اس لیے بلاغت کا اقتضاء یہاں یہ ہوتا ہے کہ ان کے تمرد کے نتائج اور اس کی ہولناکی پوری شدت اور غلظت اور تہدید سے ان کے سامنے پیش کر دی جائے اور خطاب کا تیور خشمگیں رکھا جائے اور پیرایہ بیان ایسا رکھا جائے جو قہر و غضب کا آئینہ دار ہو اور ان کے وجدان کو کپکپا دینے والا ہو۔

مثلاً جب کفار قریش نے از راہ عناد اور کفر و جحود یہ طے کیا کہ قرآن کی آواز کو کسی کان تک پہنچنے نہ دو اور جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قرآن پڑھنے لگیں تو سب مل کر ایک شور مچا دو۔ اور اس طرح ان کی دعوت کی پکار کو دبا کر غلبہ حاصل کرتے رہو اور تبلیغ حق کے لیے کوئی راہ باقی نہ رہنے دو۔ تو قرآن نے دلیل و منطق کی راہ اختیار نہیں کی، اس لیے کہ وہ اس کو سننے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ اس کے نتائج کو اور اس کی ہولناکی کو ان کے سامنے پیش کر دیا تاکہ ان کے وجدان کے لیے تازیانہ کا کام دے۔ ارشاد ہوا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا

فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ۔ (حم سجدہ۔ ع ۴' پ ۲۴)

"کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب رہو۔ ان کافروں کو ضرور ہم عذاب سخت چکھائیں گے اور ان کی بدکاریوں کا ضرور برا بدلہ دیں گے۔ دشمنان خدا کا بدلہ دوزخ ہے ان کے لیے دوزخ ہی ہمیشہ کا گھر ہے۔ یہ بدلہ اس کی سزا میں ہے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ کافر لوگ (قیامت کے دن) کہیں گے اے ہمارے پروردگار شیطان اور آدمی جنھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ان کو دکھلا دے کہ ہم ان کو اپنے پیروں کے تلے (مسل) ڈالیں تاکہ وہ بہت ہی ذلیل لوگوں میں ہوں"۔

۴۔ اسی منوال پر جب ان منکرین سے خطاب کرتا ہے جن کے انکار کی بنیاد صرف متکبرانہ اقتدار اور رعونت تھی اور ان کے متکبرانہ اقتدار و رعونت کی یہ تصویر تھی:

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ (مدثر۔ ع ۱' پ ۲۹)

"اس نے سوچا اور اٹکل سے کام لیا۔ خدا کی مار، کیسی اٹکل سے کام لیا۔ پھر اس کو خدا کی مار، کیسی اٹکل دوڑائی۔ پھر اس نے غور کیا پھر تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنا لیا۔ پھر پیٹھ پھیر کر چلتا بنا اور تکبر کیا۔ اور کہا یہ قرآن تو جادو ہے۔ جو اگلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ قرآن کچھ نہیں۔ انسانی کلام ہے"۔

قرآن نے ان کے خطاب میں دلیل و منطق کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ ان کے متکبرانہ رعونت کے نتیجہ کو ان کے سامنے رکھ دیا۔۔۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ (الی قال) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ۔ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ۔ (مدثر۔ ع ۱' پ ۲۹)

"میں اس کو عنقریب دوزخ میں ڈال دوں گا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ وہ نہ کچھ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ وہ بدن کو جھلس دے گی۔ ان لوگوں کے لیے کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں۔ گویا وہ گدھے ہیں بدکے ہوئے، شیر سے بھاگے ہیں"۔

پھر ان کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں ہوا کہ ان پر دلیل و منطق کی راہ سے اتمام حجت کیجئے۔ بلکہ یہ ارشاد ہوا:

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (مدثر۔ ع ۱' پ ۲۹)

"مجھ کو اور اس کو چھوڑ دو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا اور اس کو بہت سا مال دیا اور بیٹے دیے، جو (لڑنے بھڑنے کے لیے) حاضر رہتے ہیں۔ اور ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو ہماری آیتوں سے عناد کرنے والا ہے"۔

عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی کی مشکلات کا اجمالی جائزہ

ہجرت کا مقصد یہ تھا کہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے ایسی پناہ گاہ حاصل ہو جائے جہاں چین سے یکسو رہ کر بے روک ٹوک عالمی دعوت کی تبلیغ کی جائے۔ جہاں تک پناہ گاہ کا تعلق تھا، وہ تو انصار کی حمایت کی بنا پر مدینہ منورہ میں جگہ مل گئی تھی، لیکن جہاں تک عالمی دعوت کی بے روک ٹوک یکسو ہو کر تبلیغ کا مسئلہ تھا، وہ مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی میں قریش کی مخالفت کی وجہ سے صلح حدیبیہ سے پہلے تک حاصل نہ ہو سکا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر عالمی مشن کی عالمی دعوت کی راہ کھولنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ اختیار فرمائی کہ باہمی معاہدہ سے مصالحت کے ذریعہ عداوت اور مخالفت کے جذبہ کو دبا دیا جائے اور صلح و آشتی اور امن و خیرسگالی کے جذبہ کو ابھار کر تبلیغ کی راہ سے روک ٹوک کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام ۱ھ میں یہ کیا کہ یہود مدینہ (بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ) سے مصالحت باہمی کا معاہدہ کیا۔ پھر ہجرت کے بارہویں مہینہ میں قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ فرمایا مگر قریش اس غصہ میں تھے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور یہ اپنے سارے جتن کر لینے کے باوجود آپ ﷺ پر قابو نہ پا سکے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کی تدبیروں میں مشغول و منہمک رہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہجرت سے غزوۂ خندق تک (جو ۵ھ میں ہوا) اسلام

اور مسلمانوں کی مخالفت میں قریش اور تمام قبائل عرب کی نوعیت باعتبار حالات اور تغیرات تین طرح پر رہی۔

(ا) ہجرت سے غزوۂ بدر تک (جو ۲ھ میں ہوا) اس میں قریش کو اور جو قبائل عرب ان کے ہمدرد اور ساتھ تھے، ان کو اس کا یقین تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا قریش استیصال کر دیں گے اور تنہا اپنی طاقت سے ان کو فنا کر دیں گے اور اس پر ان کو پورا پورا اعتماد تھا، جس کا وہ حسب موقع بے تکلف اظہار بھی کرتے تھے۔ چنانچہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے آنے کے چند ہی روز بعد عبداللہ بن ابی کو، جو رئیس الانصار تھا اور ہنوز اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، یہ تہدیدی خط لکھا:

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم لتقاتلنه او تخرجنه او نسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلکم ونستبیح نساء کم۔ (ابوداؤد)

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا تم اس کو (مدینہ سے) نکال دو یا نہیں تو ہم سب مل کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے جنگجو لوگوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو مباح ٹھہرالیں گے یعنی ان پر تصرف کریں گے"۔

اس خط کو عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر نے بھی نقل کیا ہے اور بیہقی نے بھی دلائل میں ذکر کیا ہے۔ اس اعتماد کی بنا پر عرب کے دوسرے قبائل نے آپ ﷺ کے معاملہ کو قریش پر چھوڑ دیا تھا اور بدر تک قبائل عرب کے کسی قبیلہ نے نہ مدینہ پر حملہ کیا نہ اس کا ارادہ کیا۔ ہجرت سے غزوۂ بدر تک غزوے اور سریے، دونوں مل کر آٹھ ہیں اور ان سب میں صرف مسلمان اور قریش میں آویزش رہی۔ عرب کے قبائل سمجھتے تھے کہ قریش ان کو تنہا فنا کے گھاٹ پہنچا دینے کے لیے کافی ہیں۔ ان کو مٹھی بھر مسلمانوں کے نیست و نابود کر دینے میں کسی امداد کی حاجت نہیں ہے۔ اس لیے وہ بدر تک غیر جانبدار رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی سے تعرض نہیں فرمایا۔

جب غزوۂ بدر میں قریش کو شکست ہوگئی تو قریش کا یہ یقین کہ ہم مسلمانوں کا

استیصال کر دیں گے، مجروح ہو گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ قریش کی برہمی اور آتش غضب
میں اس وجہ سے اشتعال پیدا ہو گیا کہ ان کے ستر سردار ایک ساتھ خلاف توقع بدر میں
کھیت ہو کر رہ گئے، جو ان کے ایوان سیاست کے رکن رکین اور سقف سیادت کے
اساطین تھے۔ پھر ساتھ ہی ان قبائل میں مسلمانوں کی کامیابی حسد کا موجب بن گئی جو
اب تک عملاً ناطرفدار تھے مگر اسلام اور مسلمانوں کے بدخواہ تھے۔ مگر مسلمانوں کا دل
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ ارشاد سے اس راز کو پا گیا کہ قریش اب ہمارا
استیصال نہ کر سکیں گے۔

ان مكة القت افلاذ كبدها۔

"مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ڈال دیا"۔

مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ
قریش کے ستر سردار اور سرتاج، جو شجاعت اور شہامت میں نامور تھے، سپہ سالار تھے
اور قریش کے لیے بمنزلہ روح و جگر تھے، جب وہ سب کے سب مارے گئے تو اب
قریش بے جان لاشہ بن کر رہ گئے۔ اب وہ مسلمانوں کا استیصال نہیں کر سکیں گے۔

(۲) غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ احد تک جو ۳ھ میں ہوا، قریش کی نوعیت یہ تھی
کہ ان میں مسلمانوں کے استیصال کا یقین اور اعتماد کامل تو باقی نہیں رہا تھا مگر اس کا ظن
غالب پھر بھی تھا کہ اپنی اجتماعی اور قبائلی قوت سے مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے اور
اب قبائل نے قریش کی ہمدردی میں یہ خیال کیا کہ قریش کی مدد کرنی چاہیے۔ چنانچہ
بدر سے لے کر احد تک جو پانچ غزوے اور سریے وقوع میں آئے، ان میں سے تین
قبائل کے مقابلہ میں تھے اور یہ اس لیے ہوا جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بدر کی
کامیابی سے ان قبائل میں، جو دل سے آپ ﷺ کے بدخواہ تھے، حسد اور بغض کے
شعلے بھڑک اٹھے اور کھل کر آپ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ حالانکہ بدر سے پہلے ان
قبائل میں سے کسی نے نہ سر اٹھایا، نہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔

جنگ احد میں قریش کی تین ہزار کی جماعت تھی، جس میں سات سو زرہ پوش، ایک
سو تیر انداز، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور تقریباً پندرہ خاتونان حرم شریک
تھیں۔ میدان جنگ میں مسلمان کل سات سو تھے۔ جب مقابلہ ہوا تو کفار کے بارہ
سردار علمبردار پے در پے مارے گئے اور کفار کو شکست ہو گئی۔ یہ لوگ بدحواسی میں

عورتوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے کہ مشرکین سے میدان صاف ہو گیا اور مسلمان مال
غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے، لیکن اس موقع پر یہ غلطی ہوئی کہ درہ پر کے
وہ مسلمان، جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا کہ فتح ہو یا شکست، تم درہ کو
نہ چھوڑنا۔ ان کے درہ چھوڑنے کی وجہ سے کفار کو پشت پر سے اچانک حملہ کا موقع مل
گیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی مجروح ہوئے مگر اس
اتفاقی غلطی سے قطع نظر کر کے اصل حقیقت کے پیش نظر آپ ﷺ نے یہ معجزانہ
پیشین گوئی فرمائی کہ

لن ينالوا مثل هذا اليوم حتى نستلم الركن۔

(طبقات۔ ص ۳۱)

"مشرکین آج کی طرح ہم پر کامیابی حاصل نہ کر سکیں گے، یہاں تک کہ
ہم رکن (حجر اسود) کو بوسہ دیں گے"۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

لا يصيب المشركون منا مثلها حتى يفتح الله
علينا۔ (ص ۹۲، ج ۲)

"اب مشرکین اس طرح ہم پر قابو نہیں پائیں گے۔ اللہ کے فضل سے
ہم مکہ فتح کریں گے"۔

احد سے قریش اس طرح واپس ہوئے کہ اب ان میں یہ ظن غالب بھی باقی نہ رہا کہ
ہم اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کر دیں گے اور ان کو اپنی اجتماعی طاقت سے کچل کر
رکھ دیں گے بلکہ ان کا یہ ظن غالب شک سے بدل گیا اور ان کو اپنے منصوبہ کی ناکامی پر
ندامت ہوئی، چنانچہ ابو سفیان جو جنگ احد کا سپہ سالار تھا، جب احد سے بھاگ کر حمراء
الاسد پہنچا تو پھر دوبارہ لوٹنے کا ارادہ کیا اور منصوبہ کی ناکامی پر جو دل میں ندامت تھی،
وہ زبان پر آ گئی کہ ہم لوگ مسلمانوں کا استیصال کیے بغیر واپس ہو رہے ہیں۔ ہم کو ان
کے باقی ماندہ لوگوں پر دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ اور ان کی جانب سے بالکل فراغت ہی
حاصل کر لینا چاہیے۔ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں:

اصبنا جد اصحابه واشرافهم وقادتهم ثم نرجع
قبل ان نستاصلهم لنكون على بقيتهم فلنفرغن

منهم۔ (ص ۹۳، ج ۲)

''ہم نے ان کے چند ذمہ دار بڑے لوگوں کو قتل کیا ہے۔ پھر ان کے استیصال کے پہلے لوٹ رہے ہیں۔ بے شک ہم دوبارہ ان کے باقی ماندہ لوگوں پر حملہ کریں اور ان کی جانب سے بالکلیہ فراغت حاصل کرلیں''۔

مگر قلب چونکہ شک کے روگ میں مبتلا ہوچکا تھا، ہمت نہیں ہوئی، بخلاف اس کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تعاقب کیا اور آپ کے تعاقب کی خبر ابوسفیان کو جب معبد خزاعی کے ذریعہ ملی تو سیدھا مکہ مکرمہ واپس چلا گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب حمراء الاسد پہنچے اور قریش کو نہیں پایا تو مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

(۳) غزوۂ احد سے غزوۂ خندق تک (جو ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا) اب ان کی یہ نوعیت تھی کہ ان کو اپنی کامیابی مشکوک نظر آنے لگی تھی مگر پھر بھی مایوس نہیں ہوئے تھے۔ احد کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تعاقب حمراء الاسد تک پہنچنا، ابوسفیان کا بھاگ کر حمراء الاسد سے مکہ مکرمہ چلا آنا، پھر حسب اعلان بدر موعود(۱) پر ابوسفیان کا نہ پہنچنا، ان باتوں سے قبائل نے سمجھا کہ اب تنہا قریش مسلمانوں کے استیصال کے کارخیر کو انجام نہیں دے سکتے اور یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اب قریش کی پوری پوری مدد ضروری ہے۔ چنانچہ عملاً وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے اور احد کے بعد اور خندق سے پہلے، درمیانی زمانہ میں جو مسلمانوں کو مجموعی طور پر ۴، ۵ ہجری میں آٹھ غزوے اور سریے سے دوچار ہونا پڑا، بدر موعود کے سوا سب میں قبائل ہی سے مقابلہ تھا۔

یہود کا قبیلہ بنونضیر، جس کا اخراج حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ میں کیا تھا اور یہ خیبر جاکر آباد ہوگئے تھے اور اسلام دشمنی کی آگ میں جل رہے تھے، ان لوگوں نے غزوۂ احد کے بعد حالات کا اندازہ کرکے یہ سمجھا کہ اب تنہا قریش کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے عملی اقدام کریں یا عملی اقدام کی ہمت کریں، بلکہ ان کو ہمت دلانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسلام دشمنی کے جذبہ میں ان کے رؤساء کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں آئی اور قریش کو ہمت دلائی اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمام قبائل عرب تمہارے ساتھ ہوں گے۔ تم تیار ہوجاؤ تو اب بھی اسلام کا اور مسلمانوں کا استیصال کیا جاسکتا ہے۔ قریش کی تو یہ دلی تمنا تھی، وہ تیار

ہوگئے۔ پھر ان رؤساء نے تمام قبائل عرب کا دورہ کرکے سب کو تیار کیا اور چوبیس ہزار کی جرار فوج تیار ہوگئی، جس میں قبیلہ غطفان، قبیلہ بنو اسد، قبلہ بنو سلیم، قبیلہ بنو سعد وغیرہ بھی شریک تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کو تین طرف سے آکر گھیرلیا۔

تقریباً ایک ماہ یہ محاصرہ قائم رہا۔ ایک دن کفار کا حملہ اتنا سخت ہوگیا کہ تمام دن لڑائی رہی۔ کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برساتے رہے۔ یہی وہ دن ہے جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ بالآخر غیبی امداد اس طرح ہوئی کہ سردی کا موسم تھا، اس پر مزید یہ ہوا کہ اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، چولہوں پر سے کھانے کے دیگچے الٹ گئے۔ عجب طرح کی بدحواسی کا عالم ہوگیا۔ امتداد محاصرہ کی وجہ سے رسد کی بھی قلت ہوگئی تھی۔ یہ تمام اسباب بیک وقت اس طرح جمع ہوگئے کہ قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا۔ ابوسفیان نے طبل رحیل بجوادیا اور وحی الٰہی نے ان کی پسپائی کی تعبیر ان الفاظ میں کی کہ:

ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا و کفی اللہ المومنین القتال و کان اللہ قویا عزیزا۔

''اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا پسپا کردیا کہ ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی اور اللہ کی ذات زبردست اور غالب ہے۔ (احزاب۔ ع ۳، پ ۲۳)

کفار کا یہ حملہ مدینہ منورہ پر اس قوت اور زور سے تھا کہ اس سے زیادہ ان کے امکان میں نہیں تھا۔ تمام قرب و جوار کے قبائل، یہود اور خود قریش پورے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر نکلے تھے۔ اس پر بھی ناکامی ہوئی تو قریش اب اپنی کامیابی سے مایوس ہوگئے اور ان کی امید منقطع ہوگئی، اس لیے ابوسفیان نے لوٹنے کے وقت نہ انتقام کی قسم کھائی، نہ دوبارہ حملہ کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ سب کے سب اس طرح خاموش لوٹے کہ ان کے حوصلے پست تھے، ہمتیں شکستہ تھیں، امیدیں منقطع تھیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الاحزاب میں یہ تاریخی اعلان فرمایا:

الان نغزوھم و لا یغزوننا نحن نسیر الیھم۔

"اب حملہ کرنے کا ہمارا نمبر ہے۔ وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے۔ ہم ہی ان کی طرف بڑھیں گے"۔

یہ مدنی زندگی کی پنج سالہ مشکلات کا اجمالی جائزہ ہے کہ اس پوری مدت میں آپ ﷺ اندرونی اور بیرونی خطرات کی آماجگاہ رہے۔ ہجرت کا چھٹا سال، جو اب شروع ہوتا ہے، جس کے آخر میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ عمل میں آیا، اس کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش اور قبائل عرب کے مدینہ پر چڑھائی اور حملہ کا خوف نہ رہا لیکن قبائل سے چھیڑ چھاڑ اور چوری چھپے غارت گری کا خطرہ ہنوز تھا۔ خصوصاً یہود بنو قریظہ، جو مدینہ منورہ کے جوار میں تھے اور باوجود معاہدہ ہونے کے غزوۂ خندق میں کفار مکہ کے ساتھ شریک ہوگئے تھے، ان سے ہر وقت پرخاش کا خوف تھا، اس لیے ان کے متعلق اور اسی طرح کے دیگر قبائل کے متعلق فوری طور پر تادیبی کارروائی کرنا وقت کا اہم مسئلہ تھا، جس سے کسی طرح چشم پوشی اور قطع نظر نہیں کی جا سکتی تھی۔ مجبوراً آپ کو اس میں الجھنا پڑا۔ تقریباً ایک مہینہ صرف بنو قریظہ کے محاصرہ میں صرف ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے قبائل کی تادیبی کارروائیوں نے شوال ۶ھ تک مہلت لینے کا موقع نہیں دیا، جس پر "تفصیلی روشنی" تفصیلی جائزہ میں ملے گی۔

ذیقعدہ ۶ھ میں آپ ﷺ بغرض عمرہ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ چودہ سو جاں نثار آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ سب نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے تھے۔ ان سب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار ساتھ رکھ لینے کی اجازت ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ نیام کے باہر ہو۔ کیونکہ تلوار عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی۔

جب آپ ﷺ عسفان کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتے"۔ آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھے اور حدیبیہ میں اتر پڑے، جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت نو میل ہے اور قبیلہ خزاعہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقاء کی معرفت قریش کو کہلا بھیجا کہ ان سے جا کر کہہ دے کہ:

"ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں ہے۔ جنگ نے قریش کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور ان کی حالت زار کر دی ہے، اس لیے ان کے

واسطے بہتر یہ ہے کہ مدت معین کے لیے مصالحت کر لیں"۔

آپ ﷺ کے پیغام صلح پر قریش کے چند نمائندے آگئے۔ بالآخر چند شرطوں پر مصالحت ہو گئی، جس کی تفصیل "تفصیلی جائزہ" میں ملے گی۔ ان ہی شرطوں کے ساتھ یہ شرط بھی تھی جس کو ہم طبقات ابن سعد سے نقل کرتے ہیں۔

"دونوں فریق نے دس سال تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا کہ لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں۔ اس طور پر کہ نہ تو خفیہ چوری ہو نہ خیانت ہو۔ جو چاہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری میں داخل ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے تو وہ داخل ہو سکتا ہے۔ اس سال محمد (ﷺ) اپنے احباب کے ساتھ چلے جائیں گے۔ آئندہ سال صرف تین دن کے لیے اس طرح آئیں گے کہ ان کے پاس صرف تلوار ہوگی، وہ بھی نیام میں ہوگی"۔

اس مصالحت کے بعد آپ ﷺ نے احرام اتارا، قربانی کی اور چند دن قیام کر کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام ضجنان میں تھے تو آیت انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ نازل ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو فوراً ہی غزوۂ ذی قرد میں شریک ہونا پڑا۔ وہاں سے واپس آ کر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تین دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد خیبر تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ کے ان ہی تین دن کے قیام میں، جو پہلی فرصت اور پہلا موقع آپ ﷺ کو صلح حدیبیہ کی وجہ سے ملا۔ آپ ﷺ نے عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے سلاطین کو خطوط لکھے اور اپنے فرض منصبی کو بغیر تاخیر ایک دن کے انجام دیا جو ہجرت کا اصل مقصود اور فریضہ منصبی کا اصل مطلوب تھا۔ یہ کام اب تک قریش اور قبائل عرب کے تعرض کی وجہ سے ناممکن تھا۔ اب صلح حدیبیہ کی وجہ سے تعرض کا خوف جاتا رہا اور آپ ﷺ کو اس کا موقع ملا کہ امن کی فضا اور پرسکون حالت میں اس فرض کو انجام دیا جائے تو آپ ﷺ نے اس کو عملاً انجام دیا۔ فذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

حوالہ جات

(۱) بدر موعود۔ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے مسلمانوں کو چیلنج کیا تھا کہ آئندہ سال بھی ۴ھ میں بدر میں پھر مقابلہ ہوگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مسلمانوں نے جواب دیا تھا کہ ہم بھی وہاں پہنچیں گے۔ لیکن آئندہ سال ابوسفیان کی ہمت بدر آنے کی نہ ہوئی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ آئندہ سال ذیقعدہ میں پندرہ سو صحابہ کرام کو لے کر بدر پہنچے۔ یہاں یکم ذیقعدہ سے ۸ ذیقعدہ تک ہر سال بازار لگتا تھا۔ آپ یکم ذیقعدہ کو بدر پہنچ گئے تھے اور آٹھ دن قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ تفصیل مدنی زندگی کے ۴ھ کے واقعات میں غزوۂ بدرالموعود کے بیان میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲
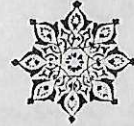
عالمی مشن کی عالمی دعوت کے سلسلہ میں

مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی کی مشکلات کا تفصیلی جائزہ

مدنی مشکلات کے تفصیلی جائزہ سے پہلے ضرورت ہے کہ حسب ذیل سوالوں پر نہایت اختصار کے ساتھ روشنی ڈال دی جائے۔

پانچ سوال:

(۱) ہجرت کیوں کی گئی؟

(۲) ہجرت کا کیا اثر پڑا۔ یعنی کس طرح کے وقائع ظہور میں آئے؟

(۳) ان اثرات و وقائع نے کس طرح کی مشکلات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکلات کے حل کے لیے چار و ناچار کیا طریقہ اختیار کرنا پڑا؟

(۵) ان چار و ناچار حالات میں آپ ﷺ کو کب تک الجھنا پڑا؟

(۱) ہجرت کیوں کی گئی؟ مکہ کے صنم کدہ میں جہاں بیت اللہ کی بنیاد اس لیے رکھی گئی تھی کہ ساری دنیا میں یہاں سے توحید کی آواز پہنچائی جائے گی، وہاں سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور ان ہی کی جے کا نعرہ لگتا تھا۔ اس پر عقیدت و ارادت کا ایسا رنگ چڑھ گیا تھا کہ اس کے خلاف کلمہ حق بلند کرنا مصیبت کو دعوت دینا تھا اور جان

بوجھ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ دنیا کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب توحید کی صدا بلند کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور کچھ لوگوں نے اس کو قبول کیا تو مکہ کے صنم کدہ میں دفعتاً زلزلہ پڑ گیا اور بتوں کی حمایت اور توحید کی مخالفت میں ایک ساتھ پوری آبادی نے ہجوم و یلغار سے کام لیا، جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

وجہ نزاع صرف یہ تھی کہ مسلمان کہتے تھے کہ ہم کو اپنے اعتقاد و ضمیر کی آزادی دو۔ ہم کو اپنی عقل اور اپنی فہم کے فیصلہ پر چلنے دو۔ اس کے خلاف جبراً نہ ہم پر کوئی چیز لادو، نہ اس پر مجبور کرو۔ کفار قریش کہتے تھے: یہ نہیں ہوگا! تم کو توحید کا اقرار اور اعلان نہیں کرنا ہوگا بلکہ بتوں کا احترام اور اس کی پوجا کرنی ہوگی اور آبائی دین پر ہی قائم رہنا پڑے گا۔ مکہ کے صنم کدہ میں اس کا حق کسی قیمت پر نہیں دیا جائے گا کہ تم توحید کا کلمہ پڑھو۔ بلکہ جبراً تم کو آبائی دین پر لوٹایا جائے گا اور اس کے لیے ہر طرح کی اذیت دی جائے گی اور زندگی اجیرن کر دی جائے گی۔

معاملہ جب اس حد کو پہنچ گیا کہ دین پر قائم رہنا مکہ کی مشرکانہ فضا میں ناممکن ہو گیا تو مجبوراً دین کو بچانے کے لیے مسلمانوں نے اپنا گھر بار چھوڑا، اپنا وطن چھوڑا، اعزہ و اقارب کو چھوڑا، مال و متاع کو چھوڑا اور جان سے بھی زیادہ عزیز اور محترم چیز بیت اللہ کو چھوڑا، جس پر ان کو بھی اتنا ہی حق تھا جتنا کفار قریش کو تھا۔

ہجرت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

کان المومنون یفر احدھم بدینہ الی اللہ و رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ۔ (بخاری۔ باب ہجرۃ النبی واصحابہ)

"مومن لوگ اپنے دین کی خاطر اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف اس ڈر سے بھاگتے تھے کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ کر دیے جائیں یعنی ان کو ارتداد پر مجبور نہ کیا جائے"۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ھاجرنا مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم نرید وجہ اللہ۔ (بخاری)

"ہم لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس کا مقصد صرف خدا کی رضا تھی"۔

جب مسلمان مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور صرف پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور چند گنے چنے مسلمان رہ گئے اور سب کے ظلم و ستم کے آپ ﷺ ہدف بن گئے اور معاملہ اس حد تک پہنچا کہ آپ ﷺ کے قتل کے لیے آپ ﷺ کے گھر کا متحدہ قبائل کے نوجوانوں نے متحدہ تجویز کی بنا پر محاصرہ کر لیا اور اسلام کو مٹا دینے کی سازش اپنی اس آخری حد تک پہنچ گئی کہ وحی الٰہی کی زبان پر بھی یہ آگیا:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ (انفال۔ ع ۴، پ ۹)

"(اے پیغمبر) وہ وقت یاد کرو جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کر رکھیں یا تم کو مار ڈالیں یا تم کو جلاوطن کر دیں اور (حال یہ تھا کہ) کافر اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے"۔

تو وحی الٰہی نے آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم دیا اور آپ ﷺ عین محاصرہ کی حالت میں ان کے بیچ سے ہو کر نکل گئے اور بیت اللہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ جب آپ ﷺ کاشانہ نبوت سے ہجرت کے خیال سے نکلے تو بیت اللہ پر حسرت سے نگاہ ڈالی اور فرمایا:

"مکہ! خدا کی قسم! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر تیرے فرزند مجھ کو ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں مکہ نہ چھوڑتا"۔ ("مدارج النبوۃ" للمحدث الدہلوی)

(۲) ہجرت کا کیا اثر پڑا؟ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ہر طرح کے خطرات سے محفوظ، مدینہ منورہ پہنچ کر مہاجرین و انصار سے مل گئے تو مکہ اور مدینہ دونوں کی دنیا میں عجیب طرح کا انقلاب رونما ہوا اور دونوں جگہ نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں، نئے نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں جگہ کے لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر خطرات کے نئے نئے بادل نظر آنے لگے۔

ہجرت کا مکہ پر اثر:

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر مکہ پر یہ ہوا کہ:

(۱) قریش کو اپنی سعی ناکام پر ندامت بھی ہوئی اور غصہ بھی ہوا۔ ندامت اس لیے کہ عین محاصرہ کی حالت میں آپ ﷺ ان کے بیچ سے ہو کر نکل گئے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ پھر آپ ﷺ کی تلاش میں قریش کے نوجوانوں کی ایک جماعت (جس میں ہر خاندان کا ایک ایک آدمی تلوار اور لٹھ لیے ہوئے تھا) نکلی اور غار ثور(۱) کے دہانہ تک، جس میں آپ ﷺ پوشیدہ تھے، پہنچی اور اس قدر قریب ہو گئی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خوفزدہ ہو کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "کفار اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو وہ ہم کو دیکھ لیں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تحزن ان الله معنا۔

"غمزدہ مت ہو۔ اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے"۔

مگر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم کا کوئی اثر اپنی قیافہ شناسی کی بنا پر اس کے آگے نہ پایا تو اس یقین پر کہ آپ ﷺ اس سے آگے نہیں گئے ہیں، پوری جماعت واپس ہو گئی۔ پھر باوجود اس اعلان و اشتہار کے کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیے جائیں گے، آپ ﷺ پر قابو نہ پا سکے حالانکہ مکہ سے تین ہی میل پر آپ ﷺ تھے اور مسلسل تین روز تک وہاں قیام فرما رہے۔

غصہ اس لیے ہوا کہ اسلام کے استیصال کی وہ سازش، جو دار الندوہ میں قبائل عرب کے متحدہ اجتماع اور اجلاس عام میں رد و کد کے بعد طے پائی تھی، ناکام ہو گئی۔

(۲) یہ خطرہ جس کے انسداد کے لیے دار الندوہ میں اجلاس عام بلایا گیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ میں جا کر انصار کی حمایت میں طاقت پکڑتے جا رہے ہیں اور اسلام پھیلتا جاتا ہے، کہیں مضبوط طاقت نہ بن جائیں۔ اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد یہ خطرہ تصور اور خیال کی حد سے نکل کر، واقعہ بن کر سامنے آ گیا جس سے ان کے غیظ و غضب میں اور اشتعال پیدا ہو گیا۔

(۳) مسلمانوں میں اور کفار قریش میں دراصل وجہ مخالفت یہ تھی کہ بت پرستی جو تمام قبائل عرب کا سینکڑوں برس سے آبائی اور واحد مشترک دین تھا، اسلام اس کی جڑ

کھودتا تھا اور جن بتوں کو وہ معبود سمجھتے تھے، اور جن کے آگے وہ ہر روز اپنی پیشانی رگڑتے تھے اور اپنا حاجت روائے عام سمجھتے تھے، اسلام ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہتا تھا۔ اب وہ مدینہ میں مسلمانوں کے اجتماع سے ڈرے کہ اسلامی تحریک اگر قائم رہی اور پھیلتی گئی اور اس کو پھیلنے، پنپنے اور مدینہ کی چار دیواری سے باہر نکلنے اور جمنے کا موقع دیا گیا تو ان کے سینکڑوں برس کے آبائی دین کے طلسم کا برباد ہو جانا یقینی تھا۔

(۴) اسی کے ساتھ قریش نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان خانماں برباد اور سخت جان مسلمانوں کو اگر چھوٹ دے دی جائے گی اور ان کی اسلامی تحریک سے پُرخاش نہیں کی جائے گی تو تمام عرب میں ان کو جو تفوق حاصل ہے، وہ جاتا رہے گا اور عظمت و مرجعیت عام کا جو تاج ان کے سر پر ہے، وہ اتر جائے گا۔

(۵) پھر ان کے معاش کا دار و مدار چونکہ شام و فلسطین کی تجارت پر تھا اور وہاں سامان تجارت لے کر جانے کے لیے جو راہ سب سے قریب تر تھی، وہ مدینہ کے قریب ہو کر جاتی تھی، اس لیے وہ اس یقین پر مجبور ہو گئے کہ اگر اسلامی تحریک کو قوت پکڑنے کی مہلت دی جائے گی تو وہ تجارت کی راہ میں روک ٹوک کریں گے اور اس طرح قریش معاشی کاروبار کے تعطل سے بے موت مر جائیں گے۔

(۶) ان وجوہ کی بنا پر قریش نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چند ہی روز کے بعد عبداللہ بن ابی کو (جو انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کا متفقہ لیڈر اور سردار تھا اور انصار نے اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے تاج تیار کر لیا تھا اور ہنوز اس نے منافقت کی راہ سے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور ہنوز مدینہ کے بت پرستوں کی کثیر تعداد اسی کے زیر اثر تھی) اس دھمکی کا خط لکھا:

انكم اويتم صاحبنا وانا نقسم الله لتقاتلنه او تخرجنه او لنسيرن اليكم باجمعنا حتى تقتل مقاتلتكم ونستبيح نساء كم- (ابوداؤد- باب خبر النضير)

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا تم اس کو مدینہ سے نکال دو یا نہیں تو ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے۔ اور تمہارے جنگجو لوگوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو مباح ٹھہرا لیں گے یعنی ان پر تصرف کریں گے"۔

اور ساتھ ہی ساتھ جنگجو قبائل عرب کو مذہب کے نام پر اسلام سے اس طرح بھڑکایا کہ تمام قبائل عرب اسلام دشمنی میں ایک دل اور ایک رائے ہو گئے۔

رمتهم العرب عن قوس واحد۔ (دارمی)

"تمام عرب ایک ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے"۔

(۷) پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس خیال سے کہ مسلمان مدینہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کریں اور اسلام کا اثر مدینہ سے باہر نہ پھیلنے پائے، عملاً یہ کارروائی کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے اور ان کو چھیڑ چھاڑ کرنے اور ان کو تنگ کرنے کے لیے مدینہ کی جانب چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے لگے۔

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کو انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو یا ہم آ کر ان کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں۔ کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری کرتا تھا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۹۲، ج ۱)

ہجرت کا اثر مدینہ پر: (۱) انصار اول روز سے، جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی تھی، یہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی دعوت دینی، دنیا بھر سے عموماً اور قریش سے خصوصاً جنگ مول لینی ہے۔ چنانچہ عین بیعت کے وقت بیعت کرنے والوں میں سے سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا "تمہیں خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم، جن و انس سے اعلان جنگ ہے"۔ تو سب نے کہا تھا کہ "ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں"۔ چنانچہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو سب سے پہلا اثر مدینہ پر یہ پڑا کہ مدینہ، جو اب تک تمام بیرونی خطرات سے امن میں تھا، اب قریش اور قبائل عرب کی اسلام دشمنی کے باعث مخالفین اسلام کے قتل و غارت کا آماجگاہ بن گیا۔

(۲) انصار کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمان جب پہلی دفعہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے تو قریش کی سفارت نجاشی کے پاس گئی تھی کہ یہ مہاجرین ہمارے قومی مجرم ہیں، ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ اس لیے ان کو خطرہ تھا کہ مدینہ میں قریش ان قومی مجرموں کو

گرفتار کرنے کے لیے دفعتاً فوجی دستہ لے کر نہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ وہ ان خطرات کے ماتحت راتوں کو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ حاکم کی روایت میں ہے:

لما قدم رسول الله صلے الله عليه وسلم واصحابه المدينة وآوتهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة وكانوا لا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه۔

"جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ صحابہ کرام ہتھیار باندھ کر رات گزارتے تھے اور اسی حالت میں صبح کرتے تھے"۔

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ راتوں کو جاگ کر بسر کرتے تھے۔ نسائی میں ہے:

كان رسول الله صلے الله عليه وسلم اول ما قدم المدينة يسهر الليل۔

"جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو رات جاگ کر گزارتے تھے"۔

(۳) عبداللہ بن ابی، جس کی تاج پوشی کی رسم متفقہ طور پر انصار میں طے پا چکی تھی، آپ ﷺ کی ہجرت کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ اس کا اس پر اور اس کے ساتھیوں پر خصوصی اثر کا پڑنا لازمی امر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آپ ﷺ نے اس کی حکومت چھین لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرتی طور پر مدینہ منورہ میں حاسدوں کی ایک منافق جماعت پیدا ہو گئی۔ یہ نہایت خطرناک پارٹ ادا کرتی تھی اور ان سے اس امر کا بھی ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کس وقت ان کی قریش سے سازباز ہو جائے۔ چنانچہ چند (۲) مرتبہ ایسا ہوا کہ عبداللہ بن ابی کی وجہ سے مدینہ کے اندر خون کا بادل برستے برستے رہ گیا۔

(۴) حوالی مدینہ میں یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ بستے تھے۔ یہ لوگ عموماً دولت مند، زمیندار، تجارت پیشہ تھے، اس لیے مدینہ منورہ کے ملکی اور تجارتی معاملہ میں ان کو چودھراہٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر انصار چونکہ بت پرست

تھے' اس لیے ان پر یہودیوں کا اچھا خاصا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی فوقیت تسلیم کرتے تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد دفعتاً ان کی یہ فوقیت جاتی رہی اور ان کی چودھراہٹ پر بھی آنچ آگئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کی وجہ سے ان کے اقتدار کو' ان کے جابرانہ کاروبار کو' ان کے سودی لین دین کو اور مذہبی وقار کو سخت دھکا لگا۔ اس کی وجہ سے ان میں سخت ناراضگی پیدا ہو گئی اور اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کر لیا اور صرف عزم نہیں بلکہ عملاً وہ طرح طرح کی سازشیں (۳) کرنے لگے۔

(۵) ان حالات میں مدینہ منورہ داخلی اور خارجی حیثیت سے غیر محفوظ تھا۔ داخلی نزاکت کا یہ حال تھا کہ حضرت طلحہ بن براءؓ جب مرنے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مرجاؤں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ ﷺ پر کوئی حادثہ گزر جائے۔ (اصابہ)

خارجی حالت کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں (فوجی دستے) مدینہ کے اطراف میں گشت لگاتی رہتی تھیں۔

(۳) ہجرت کے اثرات و وقائع کی مشکلات: ہجرت کے ان اثرات و وقائع نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو طرح کی مشکلات کو بھیانک شکل میں لا کر کھڑا کر دیا۔ ایک داخلی مشکلات جو مار آستین منافقین اور حاسدین یہود نے پیدا کر دیا تھا اور مدینہ کی داخلی زندگی کو غیر محفوظ بنا دیا تھا' دوسرے خارجی مشکلات جو قریش نے پیدا کر دی تھیں اور ان کے باعث مدینہ خارجی حیثیت سے غیر محفوظ ہو گیا تھا اور دونوں مشکلات ایسی اہم تھیں جن سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔

داخلی مشکلات سے چشم پوشی کے معنی یہ تھے کہ مدینہ کا داخلی امن و امان اور سکینت رخصت ہو جائے اور مخالفین اسلام کو اس کا موقع مل جائے کہ وہ مدینہ کے مسلمان اور بت پرستوں میں خون ریزی کی طرح ڈال دیں اور باہم انصار و مہاجرین میں بھی فساد کا بیج بو کر دونوں کو ٹکرا دیں۔ بلکہ موقع نکال کر جنگ بعاث وغیرہ کے تذکرہ سے خود باہم انصار کو بھی برانگیختہ کر کے' جس میں انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج

لڑے تھے' لڑا دیں اور خود ان کو اپنے ہاتھوں برباد کرا دیں یا کم سے کم انصار و مہاجرین مدینہ کے اندر اس طرح خوف زدہ ہو کر پُرخطر زندگی گزاریں کہ مدینہ کا لیل و نہار اور ان کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائیں' پھر رات دن کی بے اطمینانی سے ان کی معاشی زندگی تباہ ہو جائے اور ہر وقت کے ہراس اور بے اطمینانی سے ان کے اندر بزدلی پیدا ہو جائے اور بے سروسامان مہاجرین کی ذمہ داریوں سے' جن کا سارا بوجھ ان پر پڑ گیا تھا' اکتاہٹ پیدا ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

خارجی مشکلات کا معاملہ داخلی مشکلات سے بھی زیادہ اہم تھا' کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مٹھی بھر مہاجرین اپنا گھر' اپنا وطن' اپنے عزیز و اقارب' اپنے مال و متاع کو تج کر صرف اس لیے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں' اس کے حق سمجھنے میں ان کو ضمیر و اعتقاد کی آزادی حاصل رہے اور جس کام کو وہ ناحق سمجھتے ہیں' اس کے امتثال پر ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ مکہ میں یہ چیز ان کو حاصل نہ تھی۔ کفار قریش کہتے تھے کہ انہیں یہ حق نہیں دیا جائے گا بلکہ بزور شمشیر ان کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ توحید کا انکار کریں اور بتوں کا احترام اور اس کی پوجا کریں۔

مدینہ میں آ کر یہ تو ہوا کہ داخلی طور پر کھل کر ان کی اس آزادی میں کوئی مزاحمت نہیں کی گئی' مگر خارجی طور پر کفار قریش نے یہاں بھی چین سے زندگی گزارنے نہیں دی۔ اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ یا تو جس کو حق سمجھتے تھے' اس سے دست بردار ہو کر ارتداد کی زندگی گزاریں' جیسا کہ کفار کا مطالبہ (۴) تھا یا اس پر قائم رہیں مگر کافروں کے سامنے سر ڈال کر گھٹنے ٹیک دیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دیں اور ہمیشہ کے لیے فنا کے گھاٹ اتار دیں یا حق پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں اور قریش اور کفار عرب کے ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری صورت اختیار کی اور داخلی اور خارجی مشکلات پر قابو پانے کے لیے اور اس کے ماحول کے اقتضاء کو سامنے رکھ کر اسلامی اصول کی روشنی میں لائحہ عمل تیار فرمایا۔

(۴) حضورؐ نے مشکلات کے حل کیلئے چار و ناچار عملاً کیا طریقہ اختیار کیا؟

داخلی حفاظت اور امن و امان اور پر سکون زندگی کے لیے آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ یہودی قبائل کو (جو مدینہ پر اپنا خصوصی اثر رکھتے ہیں) مدینہ کی حفاظت اور باہم تعلقات کی خوشگواری کے لیے مصالحت کی دعوت دی جائے۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ خود یہود مسلمانوں کی بدخواہی سے رک جائیں گے' دوسرے منافقین کی شرارت میں' جس میں ان کی شہ کو بھی دخل ہوتا تھا' اس میں بھی بڑی حد تک کمی ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ایک مفصل دستاویز تحریر میں آگئی اور جانبین کے اس پر دستخط ہوگئے۔ ابن ہشام نے معاہدہ کا پورا متن لکھا ہے۔ اس میں اور باتوں کے ساتھ یہ دفعات بھی تھیں:

(۱) وان بینهم النصر علی من حارب اہل هذه الصحیفة۔

"یہود و مسلمان آپس میں ان لوگوں کے مقابلہ میں' جو اس دستاویز کرنے والوں سے جنگ کریں گے' مددگار ہوں گے"۔

(۲) ان بینهم النصح والنصیحة والبردون الاثم۔

"یہود اور مسلمان کے درمیان دوستی اور خیر خواہی رہے گی' نیکی رہے گی' برائی نہیں رہے گی"۔

(۳) وان یثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحیفة وان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثیم۔

"اس دستاویز کے شرکاء کے لیے مدینہ کی داخلی زندگی میں بگاڑ حرام ہو گا۔ پڑوسی کی حفاظت اپنی ذات کی طرح ہوگی۔ نہ تو کوئی کسی کو نقصان پہنچائے گا' نہ کوئی جرم کرے گا"۔

(۴) وانه لا تجار قریش ولا من نصرها وان بینهم النصر علی من دهم یثرب۔

"قریش کو اور قریش کے معاونوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ مدینہ پر کوئی شخص حملہ کرے گا تو دونوں فریق باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے"۔

خارجی حفاظت کے سلسلہ میں اس بنا پر کہ قریش کے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے

مدینہ کے اطراف میں گشت لگاتے رہتے تھے' جس سے خطرہ تھا کہ نہ معلوم کس وقت یہ غارت گری کے لیے گھس آئیں' آپ ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا مضبوط انتظام کر دیا جائے۔

عربوں میں یہ محکمہ نہایت منظم طریقے پر قدیم سے قائم تھا اور اس کے کارکن بہت باشعور لوگ ہوتے تھے۔ چنانچہ جاسوسوں کے ذریعہ ان کو جو خبر ملتی تھی اور جو اندازہ وہ لگاتے تھے' وہ اتنا صحیح ہوتا تھا کہ واقعہ ٹھیک اسی کے مطابق وقوع میں آتا تھا۔ سیرت ابن ہشام میں غزوۂ بدر کے بیان میں ہے کہ جب آپ نے ذفران سے کوچ کرکے بدر کے قریب منزل فرمائی تو آپ ﷺ عرب کے ایک بوڑھے شخص کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قریش اور ان کے ساتھیوں کے متعلق تم کو کیا اطلاع ملی ہے؟ بوڑھے نے کہا کہ جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے کہ تم کون ہو' اس وقت تک میں نہیں بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بتاؤ گے تو ہم بھی بتادیں گے۔ بوڑھے نے کہا اچھا اب بتا سکتا ہوں۔ اس کے بعد بوڑھے نے کہا کہ میرے مخبر نے مجھے خبر دی ہے اگر وہ صحیح ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آج فلاں مقام پر ہونا چاہیے۔ اور وہی مقام بتایا جہاں آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ اور قریش کی روانگی کی اطلاع' جو مجھے ملی ہے' وہ اگر صحیح ہے تو قریش آج فلاں جگہ ہوں گے۔ بوڑھے نے ٹھیک اسی مقام کو بتایا جہاں قریش اس وقت تھے۔

بیعت عقبہ ثانیہ' جس کا ہر معاملہ از ابتداء تا انتہا نہایت خفیہ اور رازدارانہ طریق پر انجام دیا گیا تھا' پھر بھی جاسوسوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔ طبقات ابن سعد اور سیرت ابن ہشام میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ۱۲/ ذی الحجہ کی شب کو' جب بھیڑ کم ہو جاتی ہے' ملنے کی قرارداد طے پائی تھی۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ ہم اس رات کو اپنی قوم کے ساتھ اپنی سواریوں میں سو رہے' جب تہائی رات گزر گئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قرارداد پر اپنی سواریوں سے تیتر کی چال سے دبے پاؤں چھپتے ہوئے نکلے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرما دی تھی کہ نہ تو کسی سونے والے کو بیدار کریں' نہ کسی غیر حاضر کا انتظار کریں' یہاں تک کہ ہم سب پہاڑ کی چڑھائی کے دوراہے کے

پاس جمع ہو گئے۔ ہم تہتر مرد تھے اور دو عورتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ملاقات ہوئی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم لوگ جب بات چیت کرنے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنی آواز پست کرو۔ ہم پر جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ جب بیعت کا معاملہ ختم ہو گیا تو کسی شیطان نے بلند آواز سے پکار کر کہا:

"کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھ جو بے دین لوگ ہیں، ان کے متعلق تمہیں دلچسپی ہے؟ یہ لوگ تم سے جنگ کے لیے جمع ہوئے ہیں"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارفضوا الی رحالکم۔ تم لوگ متفرق ہو کر اپنی سواریوں کی طرف چلے جاؤ۔

بہر حال عرب کے عام دستور کے مطابق خبر رسانی اور جاسوسی کا آپ ﷺ نے یہ انتظام فرمایا کہ وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی جماعتیں مختلف اطراف میں روانہ فرمایا کرتے تھے۔ اس انتظام کا فائدہ یہ ہوا کہ:

(۱) مخالفین کے ارادوں اور ان کے منصوبوں کی آپ ﷺ کو خبر مل جاتی تھی۔

(۲) نیز مخالفین کی نقل و حرکت کی بروقت آپ ﷺ کو خبر مل جاتی تھی کہ فلاں قافلہ فلاں راہ سے، فلاں روز گزرے گا۔

(۳) اسی طرح جب کوئی جماعت حملہ کرنے کا یا غارت گری کا ارادہ کرتی تھی تو بھی آپ ﷺ کو خبر مل جاتی تھی اور آپ ﷺ اس کی مدافعت کے لیے ضروری تدابیر اختیار فرماتے تھے۔

(۴) اس طرح خبروں پر مدافعت کے لیے کبھی تو صرف صحابہ کرام کی کچھ جماعت بھیج دی جاتی تھی، جس کو سیرت نگار "سریہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی صحابہ کرام کے ساتھ خود بھی تشریف لے جاتے تھے، جس کو سیرت نگار "غزوہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۵) سیرت کی کتابوں میں غزوات اور سریوں کی لمبی فہرست ہے۔ اس میں وہ جماعت بھی داخل ہے جس کو کبھی کبھی آپ ﷺ تفتیش حال اور خبر کے علم و اطلاع کے لیے بھیجتے تھے۔

دوسری تدبیر اسلام اور مہاجرین و انصار اور مدینہ کی خارجی حفاظت کے لیے آپ

ﷺ نے یہ اختیار کی کہ مصالحت کا پیغام مدینہ سے باہر کے قبائل کو بھی دیا جائے اور ایسی صورت اختیار کی جائے کہ کفار قریش، جن کا غرور و نخوت کا پارہ سارے قبائل عرب سے اونچا ہے، وہ بھی مصالحت پر مجبور ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے بذات خود مدینہ سے قبائل عرب کا سفر کیا اور مختلف قبائل سے مصالحت فرمائی جس کا ذکر تفصیلی جائزہ میں ملے گا۔ قریش سے مصالحت کا معاملہ نہایت اہم تھا۔ مٹھی بھر بے ساز و سامان مسلمانوں کے مقابلہ میں مصالحت کا لفظ سننا بھی ان کے لیے توہین کا باعث تھا۔ ان کے لیے آپ ﷺ نے براہ راست پیغام مصالحت کے بجائے ایسے حالات کا پیدا کرنا مناسب سمجھا جو ان کو صلح پر مجبور کر دے۔

قریش تمام کے تمام تاجر پیشہ تھے اور اسی پر ان کی بسر اوقات تھی۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش ان کے لیے نہیں تھا۔ ان کے لیے اس سے زیادہ کوئی بڑی مصیبت نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کی تجارت بند ہو جائے۔ اس کو قریش خود بھی سمجھتے تھے اور ان کی اس دکھتی ہوئی رگ کو دوسرے لوگ بھی پہچانتے تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جب مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کعبہ میں بہ آواز بلند کلمہ پڑھ کر کیا تو کفار قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ زمین پر فرش کر دیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ ادھر سے نکل آئے۔ انہوں نے جھک کر دیکھا تو کہا:

ویلکم اتقتلون رجلا من غفار و متجرکم و ممرکم علی الغفار فاقلعوا عنی۔ (بخاری۔ باب قصہ زمزم)

"بدبختی ہو تمہارے لیے کیا تم غفار کے آدمی کو قتل کر رہے ہو۔ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور تمہارے قافلے کا راستہ قبیلہ غفار کے پاس سے ہو کر جاتا ہے"۔

یہ سن کر لوگ ہٹ گئے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کے لیے مدینہ سے مکہ مکرمہ گئے اور پرانے تعلقات کی بنا پر امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرے۔ دوپہر کے وقت امیہ کے ساتھ طواف کرنے لگے۔ ابو جہل نے دیکھ کر پوچھا: کون طواف کر رہا ہے؟ حضرت سعد نے کہا: میں سعد بن معاذ ہوں۔ ابو جہل نے سن کر

کہا: تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دے کر امن کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس دھمکی پر برہم ہو کر غضب آلود لہجہ میں کہا:

واللہ لئن منعتنی ان اطوف بالبیت لاقطعن متجرک بالشام۔ (بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

"خدا کی قسم اگر تم مجھ کو بیت اللہ کے طواف سے روکو گے تو ہم تمہارا شامی تجارت کا راستہ روک دیں گے (جو مدینہ والوں کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا)"۔

اس دکھتی ہوئی رگ کے پیش نظر قریش کے قافلہ کی خبر جب آپ ﷺ کو ملتی تھی تو آپ ﷺ روک ٹوک کے لیے صحابہ کی مختصر سی جماعت بھیج دیتے تھے۔ مقصد اس کا قریش کو مرعوب کرنا ہوتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہو کر شام کا سفر چھوڑ دیں اور بالآخر معاشی تنگی اور تباہی سے مجبور ہو کر مصالحت کر لیں۔

سیرت کی کتابوں میں ابتداء۔ جتنے غزوے اور سریے قافلہ کے تعاقب میں آپ کو ملیں گے، وہ سب کے سب قافلے قریش ہی کے ملیں گے۔ ان ہی کو پیش نظر رکھ کر آپ ﷺ تعاقب کا فیصلہ فرماتے تھے اور غزوے اور سریے کی ترتیب دیتے تھے۔ قریش کے ساتھ یہ تخصیص اس لیے تھی کہ براہ راست مصالحت کے لیے ان نخوت پرستوں کے مزاج میں کوئی جگہ نہیں تھی تاوقتیکہ حالات کے تقاضے سے یہ مجبور نہ ہو جائیں۔

دوسرے قبائل کی یہ حالت نہ تھی بلکہ ان کو بذات خود مصالحت سے نفور نہ تھا۔ لیکن قریش چونکہ حرم کے متولی اور پڑوسی تھے، یہ لوگ ان کا احترام کرتے تھے، اس لیے دینی معاملہ میں ان کے زیر اثر رہتے تھے اور ان ہی کی چشم و ابرو کے اشارہ پر اپنا فیصلہ کا اکثر و بیشتر مدار رکھتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کے مزاج داں تھے، اس لیے قریش کے قافلہ کے سوا کسی قبیلہ کی طرف یا ان کے کسی قافلہ کی طرف آپ ﷺ نے کسی جماعت کو نہیں بھیجا بلکہ صرف قریش ہی کے قافلہ کی طرف اس خیال سے آپ ﷺ کی خصوصی توجہ رہی کہ اگر یہ صلح پر آمادہ ہو جائیں گے تو ان کے بعد کوئی قبیلہ نہ تو انکار کرے گا نہ سر اٹھائے گا۔

ہاں جب دوسرے قبائل نے قریش کے بھڑکانے پر مسلمانوں پر حملہ کیا یا ان کے

حملہ کی تیاری کی خبر ملی تو مجبوراً ان کی مدافعت کے لیے پیش قدمی کرنی پڑی، جس پر تفصیلی روشنی تفصیلی جائزہ میں ملے گی۔

(۵) ان چار و ناچار حالات میں آپ ﷺ کو کب تک الجھا رہنا پڑا؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مسلسل ۶ھ تک ان چار و ناچار حالات میں آپ ﷺ کو الجھا رہنا پڑا، یہاں تک کہ قریش سے حدیبیہ میں دس سال کے لیے اس بات پر مصالحت ہو گئی کہ فریقین امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں گے۔ ہر شخص کو اس کی آزادی ہو گی کہ فریقین میں سے جس فریق کے ساتھ چاہے، وابستہ ہو جائے اور ان کا حلیف اور معاہد بن جائے۔

اسی مصالحت سے عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے راہ کھل گئی اور آپ ﷺ کا وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لیے آپ ﷺ مہاجرین و انصار کی بیعت سے پہلے ہر قبیلہ کے پاس جاتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ تم ہماری حفاظت کی ذمہ داری لے لو تاکہ تمہاری پناہ میں دنیا کو میں خدا کا وہ پیغام پہنچا دوں جس کو لے کر میں مبعوث ہوا ہوں۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کی پہلی فرصت میں ایک دن ضائع کیے بغیر آپ ﷺ نے عالمی دعوت کے لیے تبلیغی خطوط لکھے اور عملاً اس کا ثبوت دیا کہ آپ ﷺ کی بعثت سارے عالم کے لیے ہے، آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم کے لیے نہیں ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک ساتھ تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور تاریخ عالم کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے یہ محفوظ ہو گیا کہ اس دعوت عمومی میں رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل، زبان اور اسلوب تحریر، دین و مذہب، اچھوت اور غیر اچھوت، وغیرہ وغیرہ کا کوئی امتیاز اور تفریق نہیں ہے۔

مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی کی مشکلات کا تفصیلی جائزہ:

ابن ہشام کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ۱۲/ ربیع الاول روز دوشنبہ کو قبا (جو مدینہ منورہ کا بالائی حصہ ہے اور تقریباً تین میل کی مسافت پر ہے) پہنچے۔ اور عمرو بن عوف کے خاندان کے افسر کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہ، مقداد، خباب، سہل، صفوان عیاض، عبداللہ بن مخرمہ، وہب بن سعد، معمر بن ابی سرح، عمیر ابن عوف، جو آپ ﷺ سے پہلے ہجرت کر کے آ چکے تھے، یہ لوگ ہنوز یہیں ٹھہرے

ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکہ میں مقیم رہے اور لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ سے قبا میں آ کر ملے اور حضرت کلثوم ہی کے گھر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کیا۔

سب سے پہلا کام جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قبا میں انجام دیا' وہ مسجد قبا کی تعمیر تھی۔ خود دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا اور تعاون باہمی کے اصول پر کام انجام دینے کا یہ اسوہ پیش فرمایا کہ خود مزدوروں کی صف میں شریک ہو گئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس والہانہ اخلاص کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا کہ بارگاہ رب العزت سے اس مسجد کے متعلق یہ وحی آئی:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ (توبہ۔ ع ۱۳' پ ۱۱)

"یہ ایسی مسجد ہے کہ پہلے ہی دن تقویٰ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ مسجد اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھیں"۔

اس شرف کی بنا پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ہر سنیچر کو قبا تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہفتہ میں دو دن تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کے خس و خاشاک کو دور کر کے اور جاروب کشی کر کے برکت اندوزی فرماتے تھے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز بیت المقدس کی دو مرتبہ کی زیارت سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔

طبقات ابن سعد اور بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ قبا میں چودہ دن مقیم رہے۔ چودہ دن کے بعد جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اب انصار کا یہ حال تھا کہ ہر قبیلہ کے ذمہ دار آ کر درخواست کرتے اور ادب سے عرض کرتے کہ یہاں قوت و ثروت اور حفاظت کے سامان حاضر ہیں' تشریف لائیں۔

آپ ﷺ ان کے جواب میں فرماتے:

خلوا سبیلها فانها مامورہ۔

"اونٹنی کی راہ چھوڑ دو کیونکہ وہ مامور (من اللہ) ہے"۔

جب آپ ﷺ بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے

جمعہ کی نماز مسجد بنی سالم میں ادا فرمائی۔ سو آدمی شریک جماعت تھے۔ جب آپ ﷺ کی اونٹنی اس جگہ پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو بیٹھ گئی۔ اس کے قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان تھا۔ آپ ﷺ وہیں فروکش ہو گئے جہاں پہنچ کر اب آپ ﷺ کی عملی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ جہاں سے ہم مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی کا سنہ وار تفصیلی جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن تفصیلی جائزہ سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی یہ عملی زندگی کس طرح کے ماحول میں اور کس طرح کے لوگوں کے درمیان میں شروع کرنی پڑی۔

مدینہ منورہ کی داخلی آبادی کی نوعیت

جس وقت آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے' مدینہ منورہ کا یہ حال تھا کہ چند مدنی قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور چند خاندان مثلاً بنی خطمہ' بنی واقف' بنی وائل' بنی امیہ' اوس اللہ۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا اور چند قبائل ایسے تھے جن میں اسلام پوری طرح ہنوز پھیلا نہیں تھا اور جن قبائل میں اسلام پوری طرح دخیل ہو گیا تھا' ان کا حال یہ تھا کہ چند روز پہلے اوس و خزرج کے دو رقیب قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ جنگ بعاث کی خون ریزیوں نے' جس کا خون بھی ہنوز خشک نہیں ہوا تھا' دونوں کو کمزور اور بے جان کر دیا تھا اور ان کی قومی طاقت برباد ہو چکی تھی۔ اسلام نے ان دونوں کو اسلامی رشتہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سب مسلمان بھائی بھائی ہیں) کے ناتے سے گرچہ باہم ملا دیا تھا لیکن پھر بھی اس دور کے قبائلی مزاج اور عربی خصائص کی بنا پر قبائلی عصبیت کے نام پر مشتعل ہو جانے کا مادہ موجود تھا' جس سے دشمن اسلام فائدہ اٹھاتے تھے۔

چنانچہ یہود نے' جو انصار کے مزاج شناس تھے' ایک دفعہ انصار کو باہم لڑا دینے کے لیے یہ چال اختیار کی کہ ان کی ملی جلی مجلس میں جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا اور اتنا بھڑکایا کہ معاملہ تیز و تند گفتگو سے بڑھ کر یہاں تک پہنچ گیا کہ مقابلہ کے لیے اسی وقت ایک سیاہ پتھریلا مقام مقرر ہو گیا اور دونوں طرف سے ہتھیار لاؤ' ہتھیار لاؤ کی چیخ و پکار ہو گئی اور دم کے دم میں دونوں طرف کے لوگ میدان میں نکل پڑے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ملی تو آپ مہاجرین کو ساتھ لیے ہوئے میدان جنگ میں پہنچ گئے اور

فرمایا:

"اے مسلمانوں کے گروہ! خدا سے ڈرو۔ خدا سے خوف کرو۔ کیا جاہلیت کے دعوئ پر لڑے پڑتے ہو۔ حالانکہ میں تم میں موجود ہوں۔ تمہیں اللہ نے اسلام کی ہدایت دی اور تمہیں عزت دی اور اسلام کی وجہ سے جاہلیت کی باتیں تم سے الگ کر دیں اور اس کے ذریعہ تمہیں کفر سے نجات دلائی اور اس کے ذریعہ تمہارے اندر الفت و محبت پیدا کر دی"۔

(ابن ہشام)

پھر ان انصار کے ساتھ مدینہ منورہ میں ہزاروں کی تعداد میں ہمسایہ کی حیثیت سے یہود کے تین قبیلے رہتے تھے۔ ان میں بھی آپس میں رقابتیں تھیں۔ بنو قریظہ کو بنو نضیر کے لوگ کم رتبہ اور نیچی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو بنو نضیر اس کو آدھا خون بہا دیتے تھے اور جب بنو قریظہ کا آدمی بنو نضیر کے آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو بنو نضیر اس سے پورا خون بہا لیتے تھے۔ قبیلہ بنو قینقاع یہودیوں میں یہ اپنے کو سب سے زیادہ جری اور بہادر سمجھتے تھے اور اپنے مقابلہ میں کسی کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔ ان کے پاس ہمیشہ اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے۔ ان کے غرور کا یہ حال تھا کہ جب مسلمان غزوۂ بدر سے فتح و ظفر کا علم لہراتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے کہا "بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں۔ ہمارے قلعہ سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو"۔

مگر یہ تینوں قبیلے اسلام دشمنی میں ایک رائے تھے اور اہل کتاب اور توحید کے دعویٰ دار ہونے کے باوجود بت پرست مشرکین عرب کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ مذہبی حیثیت سے یہ کفار مسلمانوں سے اچھے ہیں۔

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا۔ (نساء)

"یہ یہودی کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کفار مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں"۔

پھر جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ بت پرست منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی جماعت تھی، جس کی سیادت عبداللہ بن ابی کو حاصل تھی۔ ان سب کے علاوہ مہاجرین کی

جماعت تھی جو بیسیوں قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ حاصل یہ کہ مدینہ منورہ اس وقت اپنی اپنی گوناگوں آبادی کے لحاظ سے مجموعہ اضداد تھا اور ایک عجیب طرح کے اندرونی خلفشار اور انتشار میں مبتلا تھا اور بظاہر ان تمام عناصر میں وفاقی وحدت پیدا کرنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

مدینہ کے بیرونی عربی قبائل کی نوعیت: مدینہ منورہ سے باہر تمام عربی قبائل باوجود اس کے کہ سب کے سب ایک قوم تھے، ایک واحد ملک کے باشندے تھے، دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتے تھے اور سارا ملک قتل، غارت گری، سفاکی و خون ریزی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی مگر تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بہت دشوار تھا۔ جب تک ان کے پاس مختلف قبائل کے خفارے (اجازت نامہ رہ گزر یا محافظ دستے) نہ ہوں، جیسا کہ ابن قتیبہ کے استاد محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) نے اپنی کتاب "المحبّر" میں لکھا ہے۔ ہم اس اقتباس کو "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" سے ان ہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"جو تاجر بھی یمن اور حجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یعنی محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک وہ مغربی قبائل میں رہے کیونکہ ایک مضری قبیلہ دوسرے مضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا۔ مزید برآں، جن جن قبائل سے مضریوں کی حلیفی تھی، ان کے ہاں بھی ان کو امن رہتا اور یہ "باہمی امن" کے اصول پر مبنی تھا۔ چنانچہ قبائل کلب ان کو مضری قبیلہ بنو تمیم سے حلیفی کے باعث نہ ستاتے اور قبائل طے بھی ان کو مضری قبیلہ بنو اسد سے حلیفی کے باعث نہ چھیڑتے اور مضری قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے ہمارا وہ قرض ادا کر دیا جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہم کو وراثتاً مذمت کی صورت میں ملا تھا۔ جب یہ آگے بڑھ کر عراقی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرثد سے خفارہ حاصل کر لیتے تو تمام قبائل ربیعہ میں وہ کافی ہوتا۔ جو تاجر دومتہ الجندل جاتے، ان کو بھی قریش ہی سے خفارہ حاصل کرنا ہوتا۔ رابیہ جو حضرموت میں واقع ہے، اگر وہاں جانا ہوتا تو قریش وہاں کے قبیلہ بنو آکل المرار سے خفارہ حاصل کر لیتے اور باقی لوگ آل مسروق سے"۔

(المحبّر، ص ۲۶۳)

پھر دوسری جگہ لکھا ہے:

"اگر مسافر بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کر لیتے تو اس پورے علاقہ میں جہاں قبائل ربیعہ بستے تھے، انہیں حفاظت حاصل تھی۔ اگر بحرین کے سوق مشقر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کر لیا جاتا۔ اگر جنوبی عرب کے سوق مہرہ کو جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔ حضرموت کے سوق رابیہ کو جانے کے لیے قریش قبیلہ آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے اور دیگر لوگ کندہ کے آل مسروق کا۔ اس طرح دونوں ہی قبائل کو عزت حاصل تھی لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہو گئی"۔

حاصل یہ کہ عربوں میں تجارتی قافلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ گزرنے اور پہنچنے کے لیے خفارہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ اور یہ ان کے ہاں ایک مستقل ادارہ بن گیا تھا اور عدنان و قحطان اور مضر و ربیعہ کے سب قبائل اس میں داخل تھے۔

ملک کی بدامنی کی وجہ سے عبدالقیس، جو بحرین کا طاقتور قبیلہ تھا، ۵ھ تک مضری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب وفد عبدالقیس مدینہ منورہ آیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم لوگ صرف شہر حرام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ ہے۔ ہم لوگوں کو فیصل شدہ امور بتا دیجئے تاکہ ہم ان لوگوں کو بتائیں جو حاضر نہیں ہو سکتے ہیں اور اس کے سبب سے ہم لوگ جنت میں داخل ہوں"۔

پھر ان اشہر حرم کا یہ حال تھا کہ اس میں وہ جب چاہتے تھے، ردوبدل کر دیتے تھے اور اپنی غارت گری کا موقع نکال لیتے تھے۔ ابو علی قالی نے لکھا ہے "یہ ردوبدل اس لیے کرتے تھے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلسل تین مہینے ان پر بغیر غارت گری کے گزر جائیں کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھا"۔ (کتاب الامالی۔ ص ۶، ج ۱)

پھر اشہر حرم (حرمت والے مہینے) کے احترام کا یہ حال تھا کہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ قبیلہ طے اور قبیلہ خثعم کے دو ضرب المثل لٹیرے قبائل اشہر حرم

کی حرمت و امتناع کی پروا نہیں کرتے تھے۔ (عقد الفرید)

بہرحال مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ سے باہر قبائل عرب میں گزرنا اور عالمی مشن کی دعوت دینا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کی اسی بے بسی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ (انفال)

"یاد کرو جب تم تھوڑے اور کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں"۔

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر اب مدنی زندگی کا سنہ وار تفصیلی جائزہ ملاحظہ کیا جائے کہ آپ نے مدینہ منورہ کی شش سالہ زندگی کس طرح گزاری، لیکن یہ ضرور پیش نظر رہے کہ مدینہ منورہ کی زندگی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے از ابتداء تا انتہا جو کچھ کیا، چاہے مدافعت کی شکل میں کیا یا پیش قدمی کی شکل میں کیا یا تادیبی شکل میں کیا، اس کی غایت صرف یہ تھی کہ لوگ عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کی راہ میں مزاحمت سے باز آ جائیں۔ آپ ﷺ کی پالیسی ہرگز یہ نہیں تھی کہ قریش کا اور ان جیسے دشمن اسلام کا استیصال کر دیا جائے یا ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے کیونکہ یہ رحمت للعالمین کے مزاج کے منافی تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے ہمیشہ ان کی ہدایت رہتی تھی، ان کی تباہی نہیں رہتی تھی یا ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ آپ ﷺ نے پوری مدنی زندگی میں خود نہ کوئی ایسا فیصلہ کیا، نہ ایسا منصوبہ بنایا، نہ ایسا عملی اقدام کیا جس کی بنیاد کسی جماعت کے استیصال اور بالکلیہ تباہ و برباد کر دینے پر ہو یا جبراً اسلام پر ہو۔ کفار عرب اور قریش کے بارے میں آپ ﷺ کی سیاست یہ تھی کہ ان کو محفوظ رکھ کر ان کا ماحول ایسا بنا دیا جائے کہ اسلام کی مزاحمت سے باز آ جائیں یا مصالحت کر لیں یا اسلام قبول کر لیں۔ وہ سارے غزوات اور سریے، جو سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان سب کی بنیاد اس پر تھی کہ خبر رساں جماعت اور جاسوسوں سے جب آپ ﷺ کو اس طرح کی اطلاع ملتی تھی کہ:

(۱) فلاں جگہ، فلاں جماعت یا فلاں قبیلہ اسلام دشمنی میں یہ منصوبہ باندھ رہا ہے۔

(۲) یا قریش کا فلاں قافلہ، فلاں راہ سے، فلاں روز گزرے گا۔

(۳) یا فلاں قبیلہ یا جماعت حملہ یا غارت گری کا ارادہ کر چکی ہے۔

(۴) یا مسلمانوں یا اسلام کے استیصال کی خاطر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے کوئی جماعت فوج لے کر آ رہی ہے تو حسب حال ان کی مدافعت' ان کی تادیب' ان کو ان کے منصوبہ میں ناکام کرنے کے لیے فوجی دستے بھیج دیے جاتے تھے۔

کبھی کبھی مخالفین اسلام کی نقل و حرکت کی تفتیش کے لیے بھی سریے بھیجنے پڑتے تھے لیکن قریش اور قبائل عرب مسلمانوں کو اور اسلام کو استیصال کرنے کے لیے چڑھائی کر کے حملہ آور ہوتے تھے تو چار و ناچار مجبور ہو کر مردانہ وار مدافعت کے لیے سر اور دھڑ کی بازی اللہ کے بھروسہ پر لگا دیتے تھے۔

====================

حوالہ جات

(۱) غار ثور مکہ معظمہ سے دہنی جانب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس غار میں آپ تین دن رہے۔ چوتھے دن یہاں سے نکلے۔ طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غار سے روانگی شب دوشنبہ ۴ ربیع الاول کو ہوئی۔ ۱۲

(۲) عبداللہ بن ابی کو جب قریش نے یہ خط لکھا کہ تم لوگ مسلمانوں کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم حملہ کر کے تم کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے تو عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے قتل و خون ریزی کے لیے تیار ہو گیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ تشریف لے گئے اور اس کو سمجھایا کہ کیا قریش تمہارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں' وہ تم خود اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتے ہو۔ یعنی کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟ عبداللہ نے اس نکتہ کو سمجھا اور اس طرح خونی بادل کے ٹکڑے' جو مدینہ کی فضا میں ادھر ادھر دوڑنے لگے تھے' چھٹ گئے۔

ایک دفعہ آپ بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ عبداللہ بن ابی اپنے جرگہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ملا۔ پہلے گدھے کے چلنے سے جو گرد اڑی تو عبداللہ نے منہ پر کپڑا ڈال کر حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ گرد نہ اڑاؤ۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کر کے کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں۔ تو عبداللہ

بول پڑا کہ یہ انداز تمہارا مجھ کو پسند نہیں۔ ہماری مجلس میں آ کر ہم کو ستایا نہ کرو۔ مسلمان اس کی تحقیر سے برہم ہو گئے اور معاملہ رد و کد سے آگے بڑھ کر قریب تھا کہ جنگ و جدال کی نوبت آ جائے اور کشت و خون ہو جائے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ٹھنڈا کیا--- اور آپ کی وجہ سے معاملہ دب دبا گیا۔

ان دونوں واقعوں کا صحاح میں ذکر ہے۔ ۱۲

(۳) مثلاً اسلام کی بدنامی اور بے اعتباری کے لیے یہ سازش کی گئی۔ صبح کو اسلام قبول کر لو اور شام کو مرتد ہو جاؤ تاکہ لوگ اس سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ اسلام سچا دین نہیں ہے ورنہ اہل کتاب ہو کر اسلام قبول کرنے کے بعد چھوڑ کیوں دیتے۔ یہ ان کی ایسی ناپاک سازش تھی کہ قرآن میں بھی ذکر آ گیا۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (آل عمران۔ ع ۸' پ ۳)

"اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اسلام کا انکار کر دو۔ شاید لوگ پھر جائیں"۔

کعب بن اشرف جو یہودیوں کا رئیس اور مشہور شاعر تھا' اس نے ایک دفعہ یہ سازش کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر دے' چنانچہ آپ کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکہ سے قتل کر دینا۔

طبقات میں ہے کان رجلا شاعرا یهجوا لنبی صلے الله علیه وسلم ویحرض علیه۔ کعب بن اشرف شاعر تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور آپ کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا۔ اس کو اسلام دشمنی میں اتنا غلو تھا کہ چالیس آدمیوں کو لے کر مکہ گیا۔ وہاں ابو سفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا اور ابو سفیان سب کو لے کر حرم میں آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۳ بحوالہ خمیس)

نیز سیرۃ النبی میں زرقانی کے حوالے سے یہ مذکور ہے وکانوا قد وشوا الی قریش فی قتاله صلے الله علیه وسلم فحضوا هم علی

القتال و دلوهم علی العوره۔ ان لوگوں نے قریش سے درپردہ سازش کر کے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کے مخفی مواقع بتائے۔

ایک دفعہ آپ بنو نضیر کے پاس خون بہا کا حصہ، جو معاہدہ کی رو سے ان کے ذمہ تھا، مطالبہ کے لیے تشریف لے گئے تو ان ظالم سازشی لوگوں نے بظاہر دینا قبول کر لیا اور درپردہ یہ سازش کی کہ عمرو بن حجاش کو اس لیے کوٹھے پر چڑھا دیا کہ آپ پر پتھر گرا دے۔ اس وقت آپ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے۔ ان کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا تو آپ فوراً مدینہ تشریف لے گئے۔ تفصیل غزوۂ بنو نضیر میں ملاحظہ ہو۔

(۴) کفار میں اور مسلمانوں میں جو چیز وجہ نزاع تھی، وہ توحید کا مسئلہ تھا۔ کفار سب کچھ سننے کے لیے تیار تھے مگر اس کے ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ بس ایک خدا ہی کی ذات معبود ہے اور وہی پوجنے کے لائق ہے اور قرآن بار بار اسی کی دعوت دیتا تھا۔ اس لیے کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے ائت بقران غیر ھذا او بدلہ (یونس) اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں ردوبدل کر دو، پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کا مطالبہ مسلمانوں سے یہ تھا کہ تم ہمارے دین کو اختیار کر لو۔ اگر تم کو اس میں عذاب کا کھٹکا ہے تو ہم تمہاری طرف سے سزا بھگت لیں گے۔ سورہ عنکبوت میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ۔ (عنکبوت)

"کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی اتباع کرو۔ ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے"۔
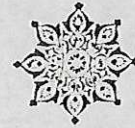
ہجرت نبوی ﷺ کا پہلا سال

ایک ہجری

دارالہجرت مدینہ منورہ میں جب امر الٰہی کے بموجب قیام گاہ نبوی ﷺ کا تعین ہو گیا، جہاں سے عالمی مشن کی عالمی دعوت کی خدمت انجام دی جانی تھی، تو اس خدمت کی انجام دہی کے لیے سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ اس لیے کہ اسی کو دعوت و رشد کا عالمی مرکز، اسی کو سارے مہمات کے لیے دارالشوریٰ، اسی کو فصل قضایا کے لیے دارالقضا (عدالت عالیہ)، اسی کو تبلیغ عام کے پیامبروں کے لیے دارالتبلیغ، اسی کو وفود اور سفراء کے لیے سفارت خانہ، اسی کو تعلیمات نبوی ﷺ کے لیے درسگاہ، اسی کو دنیا کے امن و سکون اور فلاح و صلاح کے لیے مجلس مقننہ، اسی کو جہاد اور ہر قسم کے غزوے اور سریے کے لیے چھاؤنی، اسی کو شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کے لیے مرکز رشد و ہدایت، اسی کو ساری اندھیاریوں کے لیے منارۂ روشنی، اسی کو ذکر الٰہی اور تسبیح و تقدیس کے لیے زاویہ قدس، اسی کو خاصان خدا کی عبودیت کے لیے سجدہ گاہ اور خطاکاروں کے عفو و بخشش کے لیے انابت گاہ، اسی کو مادیت کی دنیا میں روضته من ریاض الجنة، اسی کو اجتماع خاص، اجتماع عام، نظم جماعت، نظام ملت کے لیے اور شب و روز کی تعلیم و تربیت کے لیے تربیت گاہ۔ مختصر یہ کہ کونین کی سعادت، دارین کی فلاح کے لیے ضمانت گاہ بننا تھا۔

جب یہ اہم کام انجام پا گیا یعنی مسجد نبوی بن گئی اور ساتھ ہی ساتھ مسجد کے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی بن گئے تو آپ ﷺ سات (۱) ماہ بعد اس مکان میں منتقل ہو گئے اور مکہ سے حرم نبوی اور صاحبزادی (۲) بھی بلا لی گئیں۔

دوسرا اہم کام جو مہاجرین کے معاش کا مسئلہ تھا، جس کا اب تک کوئی مضبوط اور منظم انتظام نہ تھا، اس کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ تھی کہ مہاجرین بالکل بے سرو سامان مدینہ آئے تھے اور قریش کی روک ٹوک کی وجہ سے یہ کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لائے تھے حالانکہ ان میں بعض ذی حیثیت اور صاحب ثروت تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے قیام و طعام کا یہ حل فرمایا کہ انصار کو طلب فرمایا۔ لوگ حضرت انس بن مالک کے مکان میں جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

تاخوا فی اللّٰہ اخوین اخوین۔

”اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ“۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخصوں کو بلا کر فرمانے لگے کہ تم اور یہ باہم بھائی بھائی ہو۔

حضرت علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ مہاجرین کی تعداد (۳) پینتالیس تھی۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ (۴) نوے (۹۰) آدمی تھے اور ایک قول میں سو (۱۰۰)۔

اس حل کو انصار نے کس طرح سنا اور اس پر کس طرح عمل کیا؟ بخاری میں ہے:

انصار نے اپنی طرف سے یہ پیشکش کی کہ ہمارے نخلستان کو ہمارے بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں بلکہ نخلستان کی محنت و مشقت اور اخراجات کی ذمہ داری تم ہی اپنے ہاتھ میں رکھو اور پھلوں میں مہاجرین کو شریک کرو۔ انصار نے کہا: قبول و منظور (۵) ہے۔

انصار کے پاس جو کچھ کائنات تھی، وہ یہی نخلستان تھے۔ اس کی پیشکش کے معنی اپنی پوری کائنات کی نذر تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہاجرین آمدنی میں تو شریک ہوں گے لیکن محنت اور اخراجات سب تم ہی کو ادا کرنے ہوں گے تو سب نے بلا کسی تردد کے خندہ پیشانی اور پوری بشاشت قلب سے کہا

کہ ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعد بن ربیع کا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت افزا ہے۔ بخاری میں ہے:

عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ربیع کے درمیان جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم کر دی تو سعد بن ربیع نے عبدالرحمان بن عوف سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ تم میرے مال کو نصف نصف بانٹ لو۔ میری دو بیبیاں ہیں، ان میں سے تم کو جو پسند ہو مجھ کو بتا دو تاکہ میں اس کو طلاق دے دوں اور تم عدت (۶) کے بعد اس سے نکاح کر لو۔

مواخات کا یہ معاملہ ۶ھ تک اسی طرح رہا۔ جب ۷ھ میں خیبر کی فتح ہوئی تو مہاجرین نے انصار کو نخلستان واپس کر دیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مہاجرین نے انصار کے ان عطیوں کو، جو انہوں نے مہاجرین کو نخلستان کے پھلوں کی صورت میں دیے تھے، واپس کر دیے۔

انصار نے مہاجرین کے معاش یعنی انتظام طعام کے ساتھ انتظام قیام کا بھی یہ بندوبست کیا کہ اپنے گھروں کے پاس جو افتادہ زمینیں تھیں، وہ ان کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی، انہوں نے مسکونہ مکان میں حصہ دار بنا لیا۔ مواخات کے سلسلہ میں حضرت علامہ شبلیؒ نے بڑے پتہ کی بات لکھی ہے کہ مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔

اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے۔ اس سلطنت الٰہی کے لیے وزراء، ارباب تدبیر، سپہ سالاران لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے ارباب استعداد تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر ان لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاذ اور شاگردوں میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضروری ہے۔ تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۶۹، ج ۱)

مزید بر آں اس مواخات کے ذریعہ ایک اہم کام یہ لینا تھا کہ ان کے مزاج سے اس روگ کو دور کرنا تھا جو اسلامی مزاج کے منافی ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا۔ انصار ہوں یا مہاجرین' وہ بدو شعور سے قبائلی عصبیت' قبائلی حمایت' قبائلی حرمت' قبائلی آن پر مرمٹنے کا ہنگامہ دیکھتے اور سنتے آئے تھے اور اسی میں نشوونما پاتے آئے تھے اور اسی کو برتنے میں اپنی عزت اور بڑائی سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور مفاخرت کی مجلسوں میں شدت سے اس کا اظہار کرتے تھے اور اس کے ہاتھوں باوجود ایک قوم اور ایک ملک کے باشندے ہونے کے قبائلی جنگ میں مبتلا تھے اور کوئی قبیلہ اپنے قبائلی معاملات میں دوسرے قبیلہ کی حاکیت کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا اور پشت ہا پشت سے اسی ماحول میں زندگی گزارنے کی وجہ سے مزاج میں نزاج اور خودسری کی روح پیدا ہو گئی تھی اور ان کا یہ مزاج اسلامی مزاج کے یکسر منافی تھا۔

اسلام عالمی مشن ہونے کے لحاظ سے اول روز سے عالمی مرکزیت اور عالمی وحدت کا داعی تھا اور اس کے مقاصد میں اس بات کو اولی درجہ حاصل تھا کہ اپنے پیروؤں میں اول روز سے تنظیم شرعی کی روح پیدا کر دے اور جماعتی زندگی کو ان کے تمام شعبہ حیات میں سمو دے تاکہ باوجود قبائلی اختلاف کے اجتماعی مقصد اور شرعی تنظیم کے علمبردار بن سکیں اور قبائلی عصبیت پر مرمٹنے کے بجائے اجتماعی مقصد پر مرمٹنا سیکھیں اور ساری دنیا پر اس کو پیش کریں اور سکھائیں اور عالمی مشن کے اولین اداکار ہونے کے لحاظ سے وہ دنیا کے سامنے اس کا نمونہ اور اسوہ بن کر پیش ہوں کہ اسلامی ناتے سے ہم سب بھائی بھائی ہیں اور ہم سب کی گردن میں ایک ہی قلادہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہے۔

محض اسی وجہ سے کہ جماعتی مرکزیت اور وحدت کے مسئلہ کو چونکہ اسلامی مقاصد میں اولی درجہ حاصل ہے' آپ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں جو انصار سے بیعت لی اور دوسرے امور کے ساتھ ان سے اس پر بھی بیعت کی تھی کہ امیر سے امارت کے بارے میں جھگڑا نہ کریں گے یعنی قبائلی عصبیت کو وہاں دخیل نہ ہونے دیں گے۔ پھر عملی طور پر بیعت کے بعد ہلکی سی مرکزیت اور وحدت کی روح پیدا کرنے کے لیے ان میں سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کرایا گیا اور اسی وحدت و مرکزیت کو مضبوط کرنے کے لیے جب مہاجرین و انصار ایک جگہ ہوئے تو ان دونوں کو مواخات کے رشتہ میں جکڑ دیا

گیا اور شرعی تنظیم کی روح ان میں اجاگر کی گئی۔

جب بے خانماں مہاجرین کے ٹکنے اور معاش کا مضبوط اور قابل اطمینان حل ہو گیا تو سب سے اہم کام جو آپ ﷺ کے سامنے آیا' وہ مدینہ منورہ کا داخلی مسئلہ تھا۔ مدینہ منورہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی: مہاجرین' انصار' بت پرست مشرکین جن کا رشتہ انصار سے تھا۔ ان ہی میں عبداللہ بن ابی کی جماعت بھی تھی جو منافقت کا پارٹ ادا کر رہی تھی۔ ان تین کے علاوہ یہود کے تین قبیلے بنو قرینظہ' بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔

عالمی مشن کی عالمی اور مقامی دعوت کے لیے' پھر اس دعوت کے تبلیغی بندوبست کے لیے' پھر اس دعوت کے مطالبہ کے عملاً نفاذ کے لیے اور محسوس طور پر اس دعوت کی افادیت کی نمود و ظہور کے لیے اور عالمی مشن کی عالمی وحدت اور تنظیم شرعی کے بروئے کار آنے کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ مدینہ کی آبادی داخلی حیثیت سے پرسکون رہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک مدینہ کے یہ چاروں عناصر اپنے اپنے حقوق و مفاد کی جانب سے مطمئن نہ ہوں۔

آپ ﷺ نے اس کے لیے یہ حل تجویز فرمایا کہ ان چاروں عناصر کے اتفاق سے ایک دستاویز مرتب کی جائے' جس میں ان سب کے حقوق و مفاد کا اس طرح تعین کر دیا جائے کہ ہر عنصر اپنی جگہ پر مطمئن ہو جائے اور کسی کو کسی کی جانب سے بدظنی کی گنجائش نہ رہے' پھر اس لحاظ سے کہ ہر مفاد اور حق کا دامن اپنے ساتھ کچھ ذمہ داریاں اور فرائض رکھتا ہے' ہر عنصر کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی اس میں مذکور ہوں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی فہمائش سے اس طرح کی دستاویز مرتب ہو گئی جس کی بعض دفعات کا ذکر "ابن ہشام" کے حوالے سے "پانچ سوال" کے چوتھے نمبر میں آچکا ہے۔ ان دفعات کے علاوہ اس میں یہ دفعات بھی تھیں:

(۱) وانہ لا یجیر مشرک ما لا لقریش و لا نفسا و لا یحول دونہ علی مومن۔

"کوئی مشرک قریش کو جان و مال کی پناہ نہیں دے گا اور نہ کسی مسلمان کے متعلق کوئی رکاوٹ ڈالے گا"۔

(۲) وان یہود بنی عوف امتہ مع المومنین للیہود

دینھم وللمسلمین دینھم۔ موالیھم وانفسھم۔

"یہود بنی عوف کی حیثیت مسلمانوں کے ساتھ ایک امت (یعنی جماعت) کی ہوگی"۔

(۳) انه لا یخرج منھم احد الا باذن محمد علیه السلام وان لا ینحجز علی ثار جرح۔

"محمد (رسول اللہ) علیہ السلام کی اجازت کے بغیر ان میں کا کوئی شخص باہر نہیں جا سکے گا اور کوئی کسی جرم کے خمیازہ بھگتنے سے پہلوتہی نہیں کرے گا"۔

(۴) وانکم مھما اختلفتم فیه من شیء فان مردہ الی اللہ والی محمد علیه السلام۔

"اور تم میں آپس میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اس کا مرجع اللہ اور محمد علیہ السلام کی طرف ہوگا"۔

(۵) وان الیھود ینفقون مع المومنین ما داموا محاربین۔

"یہود جب تک مومنین کے ساتھ رہ کر جنگ کرتے رہیں گے تو اخراجات جنگ مومنین کے ساتھ ادا کریں گے"۔

اس دستاویز سے بڑی حد تک مدینہ منورہ کا داخلی مسئلہ حل ہو گیا اور اس دستاویز کی ان دفعات کی رو سے یہود، جن کو یہاں اور اس کے پہلے ہم لکھ آئے ہیں، اور مدینہ منورہ کے بت پرست، جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، اس کے پابند ہو گئے:

(۱) قریش کی جان و مال کو پناہ نہ دیں۔

(۲) مدینہ کے داخلی امور میں کوئی بگاڑ پیدا نہ کریں۔

(۳) قریش کے معاونوں کو بھی پناہ نہ دیں۔

(۴) مدینہ کے حملہ آور پر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے مددگار ہوں۔

(۵) باہمی تعلقات میں نیکی اور خیر خواہی کا لحاظ رکھا جائے۔

(۶) خارجی معاملات میں مرکزی حیثیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔

(۷) اختلافی امور میں فیصلہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہے گا۔

(۸) یہود و مسلمان اپنے دینی اور مذہبی معاملہ میں آزاد ہوں گے۔

(۹) مشترکہ جنگ میں جنگی اخراجات میں شریک رہیں گے یعنی ہر فریق خود کفیل ہوگا۔

اس دستاویز کا مدینہ منورہ کی داخلی حیثیت پر یہ بڑا خوشگوار اثر پڑا کہ مہاجرین مکہ، انصار مدینہ، مدینہ کے غیر مسلم اور یہود، اور یہود اور ان کے متبعین کے اشتراک سے ایک وفاقی طرز کی شہری مملکت وجود میں آ گئی اور اس کے سربراہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تسلیم کر لی گئی اور یہ مسلمانوں کی اور اسلام کی زبردست سیاسی کامیابی تھی۔ پھر ایک اہم فائدہ اس کا یہ ہوا کہ قریش ایک اہم حلیف یہود سے محروم ہو گئے۔

مذکورہ بالا داخلی امور کی سرانجام دہی میں تقریباً سات مہینے گزر گئے اور خارجی معاملات کے متعلق اس کا موقع نہ ملا کہ ادنیٰ سی توجہ بھی اس کی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کر سکیں۔ ہجرت کے آٹھویں مہینے میں آپ ﷺ نے خارجی مشکلات کے سلسلہ میں یہ کیا کہ ماہ شوال میں سب سے پہلا سریہ آپ ﷺ نے روانہ فرمایا۔

سریۂ عبیدة بن الحارث

اس میں اختلاف ہے کہ اول سریہ کون ہے۔ ابن ہشام کا میلان یہ ہے کہ اول سریہ عبیدة (۷) بن الحارث ہے۔

قال ابن اسحاق وکانت رایة عبیدة بن الحارث فیما بلغنی اول رایته۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ کو جو روایت پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ پہلا جھنڈا عبیدہؓ کا جھنڈا ہے۔ (ابن ہشام۔ ص ۵۶، ج ۲)

اس کے بعد لکھا ہے کہ اہل علم سے بھی ہم نے یہی سنا ہے کہ سب سے پہلے انہی کے لیے جھنڈا بنایا گیا۔

ابن ہشام میں اس کی تاریخ اور وقت کا بیان نہیں ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ہجرت کے آٹھویں مہینہ شروع شوال میں عبیدة بن الحارث کا سریہ ہے۔ اس سریہ میں ساٹھ مہاجرین تھے، کوئی انصاری نہ تھا۔

جب یہ سریہ حجاز کے "مرہ" نامی ایک چشمہ کے پاس پہنچا تو ابو سفیان سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ساتھ قریش کی دو سو کی جماعت تھی۔ مشرکین کی جماعت میں دو صحابی مقداد بن عمرو البہرانی اور عتبہ بن غزوان بن جابر تھے۔ وہ مسلمانوں میں آ ملے۔ طبقات

میں ہے کہ فریقین میں نہ صف بندی ہوئی، نہ تلوار کھنچی، صرف تیراندازی ہوئی۔
حضرت علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ ﷺ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے، جن کو ان کی زبان میں سریہ کہتے ہیں۔ سریہ حمزہ، سریہ عبیدۃ بن الحارث، سریہ سعد بن وقاص، لیکن ان میں سے کسی مہم میں کشت و خون نہیں ہوا۔ یا بچ بچاؤ ہوگیا یا بچ کر نکل گئے۔

ارباب سیر نے ان سرایا کا یہ مقصد بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ یعنی حضرت سعد کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت ترین گناہ ہے۔ ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا۔ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹ اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلہ کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟" (سیرۃ النبی۔ ص ۲۸۸، ج ۱)

سریہ حمزہ کا غزوۂ ابواء سے پہلے ہونا، جیسا کہ طبقات میں لکھا ہے کہ "ہجرت کے ساتویں مہینہ ماہ رمضان میں بھیجا گیا" صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ سریہ حمزہ کے متعلق طبقات ہی میں یہ بھی لکھا ہے کہ فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی۔ سب نے لڑنے مرنے کے لیے صفیں باندھ لیں۔ مجدی بن عمرو الجہنی، جو فریقین کا حلیف تھا، درمیان میں آگیا۔ جنگ نہیں ہوئی۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں اور قافلہ کے ساتھ مکہ روانہ ہوگیا اور حمزہ بن عبدالمطلب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس ہوگئے۔ حالانکہ ابواء کی مہم سے پہلے آپ ﷺ نے نہ کسی سے مصالحت فرمائی، نہ کسی کو حلیف بنایا۔ اس لیے سریہ حمزہ کا واقعہ ۲ھ کا ہے اور غزوۂ ابواء کے بعد کا ہے۔

یہ سریہ حمزہ، جس میں محض تیس مہاجر تھے، حضرت حمزہ کی امارت میں قریش کے قافلہ کی روک ٹوک کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ قافلہ شام سے آرہا تھا۔ اس میں تین سو آدمی تھے اور ابوجہل بن ہشام قافلہ میں شریک تھا۔

سریہ سعد بن وقاص

طبقات میں ہے کہ ہجرت کے نویں ماہ ذیقعدہ کے مہینہ میں یہ سریہ اس غرض سے بھیجا گیا کہ قریش کا جو قافلہ بھی ان کی طرف سے گزرے، روک ٹوک کریں۔ اس سریہ میں کل بیس مہاجر تھے اور سب پیادہ تھے مگر ابن ہشام نے لکھا ہے کہ سعد بن وقاص کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ سفید علم، جو اس سریہ کے لیے بنایا گیا تھا، مقداد بن عمرو کے ہاتھ میں تھا۔ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ یہ "الحزار" سے آگے نہ بڑھیں گے۔ "الحزار" ان چند کنووں کا نام ہے، جو جحفہ سے مکہ کی طرف جانے میں مجحہ کی بائیں جانب ملتے ہیں۔ یہ لوگ دن کو کمین گاہ میں چھپ رہتے اور رات کو چلتے تھے۔ جب پانچویں صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ قافلہ شب ہی کو گزر گیا۔ اس لیے سب مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ کسی سے مقابلہ نہیں ہوا۔

====================

حوالہ جات

(۱) طبقات ابن سعد۔ ۱۲۔

(۲) علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زید صرف حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت سودہ (زوجہ محترمہ نبوی) کو لے کر آئے۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۶۰، ج ۱) مگر طبقات ابن سعد میں ہے زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ بھیجا۔ ان دونوں کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیے۔ یہ دونوں آپ کے پاس فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، ام کلثوم بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کی زوجہ سودہ بنت زمعہ اور اسامہ بن زید کو لائے۔ ۱۲۔

(۳) سیرۃ النبی، ص ۲۶۴، ج ۱۔ ۱۲۔

(۴) ترجمان القرآن، ص ۲۷، ج ۲۔ ۱۲۔

(۵) باب اخاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار۔ ۱۲۔

(۶) باب اخاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ۔ ۱۲۔

(۷) حضرت عبیدہؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور آپ سے عمر

میں دس سال بڑے تھے۔ یہ اس وقت اسلام لائے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں پناہ گزیں بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہ بن اسدؓ حضرت عبداللہؓ بن ارقم، حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ جنگ بدر میں ان کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔ یہ زخم کاری تھا' اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ بدر سے واپسی میں مقام صفراء میں انتقال ہو گیا۔ وہیں دفن کر دیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک دفعہ آپؐ نے "صفراء" میں پڑاؤ کیا تو صحابہ نے عرض کی کہ حضرت یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے' تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ابو معاویہ (یعنی عبیدہ) کی قبر موجود ہوتے ہوئے اس پر تمہیں تعجب کیوں ہے؟ (طبقات ابن سعد و استیعاب وغیرہ)

ہجرت نبوی ﷺ کا دوسرا سال

دو ہجری

ہجرت کے پہلے سال میں مدینہ منورہ کے مختلف داخلی معاملات کی بنا پر، جن میں سے بعض کا ذکر ہم ایک ہجری کے تحت کر آئے ہیں، آپ ﷺ کو اس کا موقع نہیں ملا کہ خارجی مشکلات کی طرف خصوصی توجہ فرماتے۔ خارجی مشکلات کے انسداد کے سلسلہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے دو طریقے اختیار فرمائے۔ ایک یہ کہ مدینہ کے باہر کے قبائل کو مصالحت کا پیغام دیا جائے اور ان سے مصالحت کر لی جائے مگر اس مصالحت کا موقع آپ ﷺ کو ہجرت کے پہلے سال میں نہیں ملا۔ دوسرا یہ کہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے کفار قریش مصالحت پر مجبور ہو جائیں اور وہ ان کے تجارتی قافلہ کی راہ میں حائل ہونا، روک ٹوک کرنا، ان کو مرعوب اور خوفزدہ کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے حضرت عبیدۃ بن الحارث اور حضرت سعد بن وقاص کے سریے شوال اور ذیقعدہ میں روانہ فرمائے۔

بہرحال اب ہجرت کے دوسرے سال میں اس کا موقع تھا کہ اس مہم کی طرف توجہ کی جائے کہ مدینہ کے باہر کے قبائل سے مصالحت کے لیے سلسلہ جنبانی کیا جائے۔ علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے "سیرۃ النبی" میں لکھا ہے:

"اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لیے مہم بھیجی گئی، ان میں سب سے پہلے "جہینہ" کا قبیلہ ہے۔ جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا

اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے معاہدہ ہوا کہ فریقین سے یکساں تعلقات رکھیں گے۔ یعنی دونوں سے الگ رہیں گے"۔
(ص ۲۸۸، ج ۱)

پھراس کے متعلق حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:

"اس واقعہ کا ذکر مورخین نے مستقل طور پر نہیں کیا بلکہ جہاں سب سے پہلے "سریہ ضمرہ" کا ذکر کیا، وہاں مجدی جہینی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے۔ کان موادعا للفریقین۔ یعنی اس نے دونوں فریق سے صلح کر رکھی تھی۔
بہرحال جہینہ سے مصالحت کے بعد بماہ صفر ۲ھ آپ ﷺ نے "ابواء" کا سفر کیا"۔

غزوۂ ابواء: حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی" نے "مدارج النبوۃ" میں لکھا ہے:

"در صحیح بخاری از ابن اسحاق روایت کردہ کہ اول غزوہ کہ آنحضرت کردہ "ابواء" بود"۔ (ص ۹۸) صحیح بخاری میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا، وہ غزوہ ابواء تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ہجرت کے گیارہویں مہینہ ماہ صفر کے آغاز میں آپ ﷺ نے ابواء کا غزوہ فرمایا۔ آپ ﷺ کا علم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔ سیرت محمدیہ میں ہے کہ آپ کے ساتھ مہاجرین میں سے ستر آدمی(۱) تھے۔ اسی غزوہ میں آپ نے فحشی بن عمرو الضمری سے، جو آپ کے زمانہ میں قبیلہ بنو ضمرہ کا سردار تھا، ان شرائط پر مصالحت فرمائی کہ نہ آپ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ وہ آپ سے لڑیں گے، نہ آپ کے خلاف لشکر جمع کریں گے اور نہ دشمن کو مدد دیں گے۔ (ابن سعد)

لیکن "زرقانی" اور "روض الانف" میں معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ انھم امنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم الا ان یحاربوا فی دین اللہ ما بل بحر صوفہ وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ۔

"یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لیے۔ جان و مال ان لوگوں کا محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بجز اس صورت کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے"۔

اس سفر میں آپ ﷺ مدینہ سے پندرہ دن باہر رہے تھے۔ اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کا امیر سعد بن عبادہ کو بنایا تھا۔ یہ پہلی مہم ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔ یہ مہم کس غرض سے تھی، ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ قریش کے قافلہ کے لیے نکلے تھے۔ ابن ہشام نے قریش کے قافلہ کے ساتھ بنو ضمرہ کا بھی نام لیا ہے۔ حضرت شیخ محدث دہلوی نے "مدارج" میں صرف بنو ضمرہ کے لیے نکلنا لکھا ہے اور یہی امر راجح اور قرین قیاس ہے کیونکہ "ابن سعد" اور "ابن ہشام" میں قریش کے قافلہ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ کیا ہوا؟ آیا آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے نکل گیا یا آپ ﷺ کے پہنچنے کی خبر پا کر راستہ بدل دیا یا آپ ﷺ کے پہنچنے کے بعد بچ کر نکل گیا یا اس سے مقابلہ ہوا، پھر بیچ بچاؤ ہو گیا۔ اگر یہ مہم قریش کے قافلہ کی روک ٹوک کے لیے ہوتی اور آپ ﷺ اسی قصد سے نکلتے تو ضرور اس کا ذکر "ابن سعد" یا "ابن ہشام" یا دوسرے ارباب سیر کرتے۔ اور جب کہیں بھی قافلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں قافلہ قریش پیش نظر نہیں تھا، بلکہ دراصل مقصد بنو ضمرہ سے مصالحت کا معاملہ انجام دینا تھا اور اسی مقصد کو لے کر آپ ﷺ خود اس مہم میں شریک ہوئے کیونکہ بغیر آپ ﷺ کے مصالحت کا معاملہ طے نہیں پاتا۔

بہرحال تمام ارباب سیر کا مصالحت کا ذکر کرنا اور قافلہ قریش کے متعلق کسی کا کوئی ذکر نہ کرنا، اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ مہم دراصل بنو ضمرہ سے مصالحت کے لیے تھی اور اس نظریہ کے ماتحت تھی کہ مدینہ سے باہر کے قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے سے مصالحت کے ذریعہ روک دیا جائے اور ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔ علامہ شبلی" نے بھی "ابواء" کی مہم میں بنو ضمرہ سے مصالحت ہی کا ذکر کیا ہے، قافلہ قریش کی روک ٹوک کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

صفر ۲ھ میں آپ ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے، جس کو ودان بھی کہتے ہیں اور جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے اور جو مدینہ سے تقریباً آٹھ منزل (۸۰ میل) ہے۔ یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے۔ ان اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا، جن کا سردار فخشی بن عمرو ضمری تھا۔

غزوۂ بواط: بواط جہینہ کے پہاڑی سلسلہ میں وہ مقام ہے جو علاقہ رضوان اور شام کے راستہ سے متصل ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ابن سعد میں ہے کہ ہجرت کے تیرہویں مہینے یعنی ربیع الاول ۲ھ میں مدینہ منورہ میں اپنی جگہ پر سعد بن معاذ کو اور بروایت ابن ہشام سائب بن مظعون کو خلیفہ بنا کر دو سو مہاجرین کے ساتھ بواط کو روانہ ہوئے۔ اس موقع پر آپ کا جھنڈا بالکل سپید تھا، جس کو حضرت سعد بن وقاص لیے ہوئے تھے۔ یہ مہم قریش کے اس قافلہ کے مقابلہ میں تھی، جس میں امیہ بن خلف ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹوں کے ساتھ تھا۔ جب آپ بواط پہنچے تو وہاں کسی کو نہیں پایا۔ شاید آپ کے پہنچنے سے پہلے قافلہ نکل گیا تھا۔ آپ بغیر کسی مقابلہ کے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

سریہ حمزہ بن عبدالمطلب: اسی ۲ھ میں سریہ حمزہ بن عبدالمطلب کو، جس میں کل تیس مہاجر تھے، آپ ﷺ نے قافلہ قریش کی روک ٹوک کے لیے روانہ فرمایا، جس میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا۔ یہ قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ اس میں تین سو آدمی تھے۔ اس کا مختصر تذکرہ سریہ عبیدۃ ابن الحارث کے ذیل میں مذکور ہو چکا ہے۔

غزوۂ ذوالعشیرہ: غزوۂ ذوالعشیرہ بالاتفاق جمادی الثانی ۲ھ کا واقعہ ہے۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو امیر بنایا اور ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین کے ساتھ روانہ ہوئے۔ علم نبوی سفید تھا جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ہمراہ چلنے میں کسی پر جبر نہیں کیا۔ کل تیس اونٹ تھے جن پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس مہم کا مقصد قافلہ قریش کو، جو شام جا رہا تھا، روک ٹوک کرنا اور اس کو منتشر کرنا تھا کیونکہ یہ قافلہ، جو

ابو سفیان کی سرکردگی میں تجارتی سامان لے کر شام جا رہا تھا، دراصل وہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے پیش نظر سامان جنگ لانے اور مصارف جنگ کے بندوبست کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے لیے قریش کی تمام آبادی نے، جس کے پاس جو رقم تھی، کل کی کل دے دی۔ قریش کی کوئی عورت اور کوئی مرد ایسا نہ تھا جو اس "کار خیر" میں شریک نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ جس کے پاس پانچ روپے تھے، اس نے بھی اپنی پونجی حوالہ کر دی۔

جب آپ ﷺ ذوالعشیرہ پہنچے، جو مدینہ منورہ سے تقریباً ایک سو آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے، تو معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ چند روز قبل جا چکا۔ ابن ہشام میں قافلہ قریش کا ذکر نہیں ہے بلکہ بجائے قافلہ قریش کے صرف قریش کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ "وادی ینبوع" میں "عشیرہ" نامی مقام پر پہنچے اور یہاں قیام فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ نے چند راتیں گزاریں۔ یہیں آپ ﷺ نے بنی مدلج اور ان کے حلیف بنی ضمرہ سے مصالحت فرمائی اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ علامہ شبلیؒ نے سیرت میں لکھا ہے:

> "آپ ﷺ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر "بنو مدلج" سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے نو منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے۔ بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے سے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کر لیں"۔ (ص ۲۸۹، ج ۱)

ہجرت کے سولہ ماہ کا جائزہ: ہجرت کے سولہ مہینوں کی یہ روئیداد ہے جس میں تین سریے اور تین غزوے ہیں۔ ان کے متعلق اسلام کے دوستوں ہی کو نہیں، اسلام کے دشمنوں کو بھی یہ اعتراف ہے کہ ان سرایا اور غزوات میں:

(۱) مسلمانوں نے نہ کسی کو قتل کیا،

(۲) نہ غارت گری کی،

(۳) نہ قریش کے قافلہ کے سوا عرب کے کسی قبیلہ کے قافلہ کی آمد و رفت میں کوئی روک ٹوک کی۔

ان واقعات کی روشنی میں صاف دماغ لوگ اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ

مسلمانوں کا مقصد ان سرایا اور غزوات سے نہ کسی کی جان لینی تھی اور نہ کسی کا مال لوٹنا تھا' نہ قریش کے سوا کسی دوسرے قبائل عرب کے تجارتی قافلے کی راہ میں کوئی دشواری پیدا کرنی تھی کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس کے لیے کوئی مانع نہ تھا۔

رہا یہ سوال کہ پھر ان سرایا اور غزوات کا کیا مقصد تھا؟ تو اس کے متعلق ہم مدینہ کی خارجی مشکلات کے حل کی تدبیر کے ذیل میں بتا چکے ہیں کہ ان غزوات و سرایا کا مقصد قریش کو مرعوب کرنا تھا کہ وہ بار بار کے تعاقب کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر شام کا سفر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں اور بالآخر وہ معاشی تنگی اور تباہی کے ہاتھوں مصالحت پر تیار ہو جائیں اور مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں وہ اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں اور اگر وہ خود اس کو قبول نہ کریں تو دوسروں کے قبول کی راہ میں مانع نہ ہوں اور مسلمانوں کو بلاوجہ محض اس جرم میں تنگ نہ کریں کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا۔

اس سلسلہ میں سرایا اور غزوات کے متعلق ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"سیرت کی کتابوں میں ابتداء" جتنے غزوے اور سریے قافلوں کے تعاقب میں آپ کو ملیں گے' وہ سب کے سب قافلے قریش ہی کے ملیں گے اور آپ صرف ان ہی کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ فرماتے اور غزوے اور سریے کی ترتیب دیتے تھے۔ قریش کے ساتھ یہ تخصیص اس لیے تھی کہ براہ راست مصالحت کے لیے ان نخوت پرستوں کے مزاج میں کوئی جگہ نہ تھی تاوقتیکہ حالات کے تقاضوں سے مصالحت کے لیے یہ مجبور نہ ہو جائیں"۔

یہ سمجھنا کہ "دراصل ان غزوات و سرایا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد قریش کے کاروان کی خون ریزی اور ان کو لوٹنا ہوتا تھا' لیکن کاروان کی یہ خوش قسمتی ہوتی تھی کہ وہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا اور ہاتھ نہ آتا تھا" اس کو انتہا درجہ کی غباوت اور بلادت تو کہا جا سکتا ہے' دانش مندانہ فہم نہیں کہا جا سکتا ہے اور کوئی بلید سے بلید تر انسان ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوچ سکتا ہے کہ آپ ﷺ اس قدر بے تدبیر تھے اور حالات سے اس قدر بے خبر رہتے تھے کہ ہر مرتبہ آپ ﷺ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور قریش کا قافلہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا۔

حالانکہ آپ ﷺ کے حسن رائے کے متعلق ہم بتا آئے ہیں کہ آپ ﷺ نے

جنگ بدر' جنگ احد' جنگ احزاب کے موقع پر کفار کے مستقبل کے متعلق جو کچھ فرمایا اور اپنی جس رائے کا اظہار کیا' وہ حرف بحرف پوری ہوئی اور بال برابر بھی اس میں فرق نہ آیا۔ حالات سے باخبری کا یہ حال تھا کہ قریش کے ہر قافلہ کی نقل و حرکت کی خبر آپ ﷺ کو برابر ملتی رہتی تھی اور اسی کی بنیاد پر آپ ﷺ غزوے اور سریے مرتب فرماتے تھے۔

رہا یہ سوال کہ آخر ایسا کیوں ہوتا تھا کہ ہر مرتبہ کاروان بچ کر نکل جاتا اور ہاتھ نہ آتا تھا تو اس کے متعلق بھی ہم ان الفاظ میں اشارہ کر آئے ہیں:

"یہ ضرور پیش نظر رہے کہ مدینہ منورہ کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از ابتدا تا انتہا جو کچھ کیا' چاہے مدافعت کی شکل میں یا پیش قدمی کی شکل میں کیا' یا تادیبی شکل میں کیا' اس کی غایت صرف یہ تھی کہ لوگ عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کی راہ میں مزاحمت سے باز آ جائیں۔ آپ ﷺ کی پالیسی ہرگز یہ نہیں تھی کہ قریش کا اور ان جیسے دوسرے دشمنان اسلام کا استیصال کر دیا جائے یا ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے کیونکہ یہ رحمتہ للعالمین ﷺ کے مزاج کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے ان کی ہدایت رہتی تھی' تباہی نہیں رہتی تھی۔ قریش جو اسلام اور مسلمانوں کے استیصال میں سب سے پیش پیش تھے' ان کے استیصال کا بھی کبھی آپ ﷺ نے منصوبہ نہیں بنایا بلکہ ان کے متعلق آپ ﷺ کی سیاست یہ تھی کہ ان کو محفوظ رکھ کر اس طرح گھیرا جائے کہ وہ مغلوب ہو جائیں یا مصالحت پر مجبور ہو جائیں"۔

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ بالقصد ان کو موقع دیتے تھے کہ وہ نکل جائیں اور ان کی جانی و مالی تباہی نہ ہو اور وہ خوفزدہ بھی ہو جائیں۔ چنانچہ آگے چل کر تفصیلی جائزہ میں آپ پڑھیں گے کہ بالآخر وہ شام کی اس راہ کو' جو مدینہ سے نزدیک ہو کر گزرتی تھی' اور سب سے قریب راہ تھی' چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے اور آخر کار حدیبیہ میں ہار وناچار صلح پر اتر آئے۔

اس رحمتہ للعالمینی کا یہ صدقہ تھا کہ جنگ بدر کے اسیروں کا قتل عام نہیں کیا گیا بلکہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ ایک ایک کو

قتل کر دیا جائے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جب پچاس آدمیوں کے دستہ کو، جس کو قریش نے عمرہ کے احرام باندھے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کے لیے بھیجا تھا، محمد بن مسلمہ گرفتار کر کے رحمت عالم کی بارگاہ میں لے آئے تو باوجود اس کے کہ ہر شخص اس کا سزاوار تھا کہ اس کی گردن مار دی جائے، آپ ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا اور غزوۂ غابہ میں جب حضرت سلمہ بن اکوع نے حضرت رسالت میں آکر یہ عرض کیا کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، میرے لیے سو آدمی منتخب کر دیے جائیں، میں سب کو قتل کر دوں گا، کوئی خبر دینے والا بھی باقی نہ رہے گا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا واقعی تم ایسا کرنا چاہتے ہو۔ جب انہوں نے کہا ہاں تو بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اذا ملکت فاسجح (جب تم قابو پا جاؤ تو نرمی سے کام لینا) اور فتح مکہ میں ان خونی مجرمین کے لیے، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کرنے کی سعی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور ان میں کا ہر شخص گردن زدنی کا سزاوار تھا، اور سرنگوں سامنے کھڑا تھا، ان کے لیے ان لفظوں میں معافی کا اعلان کیا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم الطلقاء۔

"تم پر کچھ مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

قبیلہ ثقیف کے لیے جب صحابہ نے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے بجائے بددعا کے یہ دعا فرمائی:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔

"اے اللہ! (قبیلہ) ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے"۔

کیا ایسے شخص کے متعلق، جو اپنے مخالف کے حق میں بھی بددعا کرنا پسند نہ کرتا ہو، عیاذاً باللہ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ وہ خون ریزی اور غارت گری کے مقصد سے سرایا بھیجتا اور غزوات میں شریک ہوتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور ہوتا تھا کہ جب وہ مجبور کر دیا جاتا، اور اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے اس پر چڑھائی کر کے حملہ کر دیا جاتا تو وہ چار و ناچار مدافعت کے لیے اللہ کے بھروسہ پر سر دھڑ کی بازی لگا دیتا تھا۔

=================

حوالہ جات

(۱) علامہ شبلی رحمتہ اللہ نے لکھا ہے، صفر ۲ھ میں آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے۔ (ص ۲۸۸، ج ۱) ابن ہشام، طبری، ابن سعد، مدارج النبوۃ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔

غزوۂ بدرِ اولیٰ

کرز بن جابر فہری کا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ اور غارت گری

کرز بن جابر فہری کے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرنے کا واقعہ غزوۂ ذوالعشیرہ کے بعد ہے یا پہلے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن ہشام نے اس کا ذکر غزوۂ ذوالعشیرہ کے بعد کیا ہے۔ ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے غزوۂ ذوالعشیرہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دس دن سے زیادہ نہ ہوئے ہوں گے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا۔

لیکن ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ماہ ربیع الاول ۲ھ کا واقعہ ہے مگر کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا۔ اس لیے ترجیح ابن ہشام کی روایت کو ہے۔ پھر حملہ کے متعلق لکھا ہے کہ کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ کو لوٹا اور مویشی ہنکا کر لے گیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب میں وادی سفوان تک پہنچے جو نواح بدر میں ہے۔ اسی وجہ سے ارباب سیر اس کو غزوۂ سفوان اور غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

لیکن جب تک آپ ﷺ وہاں پہنچے، تو کرز بن جابر روانہ ہو چکا تھا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ کا سفید جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور مدینہ میں آپ ﷺ نے زید بن حارثؓ کو امیر بنایا تھا۔

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت تک نہ تو کسی شخص کو قتل

کیا، نہ کسی کے مال کی غارت گری کی۔ اس کی ابتداء کرز بن جابر فہری سے ہوئی جو قریش کا ذمہ دار رئیس تھا اور چونکہ اس کا یہ فعل مدینہ منورہ پر حملہ کا مقدمہ تھا، اس لیے اس کی روک تھام نہایت ضروری تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے تعاقب میں خود بھی حصہ لیا اور جب وہ نہ ملا تو آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمادی الآخر کے بعد رجب میں عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں جو سریہ روانہ کیا گیا، اس میں قتل بھی ہوا اور مال غنیمت پر بھی قبضہ کیا گیا اور یہی آئندہ جنگ اور مال غنیمت کے لیے سبب بنا۔ بہرحال حملہ اور غارت گری کی ابتداء کفار کی جانب سے ہوئی۔

سریہ عبداللہ بن جحش

سریہ (۱) [illegible]

کرز بن جابر فہری کے تعاقب سے واپسی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ قریش کی دیکھ بھال اور ان کے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے خصوصی نظم کیا جائے تاکہ پھر اس طرح کی غارت گری کا ان کو موقع نہ ملے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ماہ رجب ۲ھ میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ قریش کی دیکھ بھال اور ان کی خبروں کی اطلاع دیتے رہنے کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو ایک تحریر دے کر یہ فرمایا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا، اور جہاں جانے کا حکم ہے وہاں جانا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔ ان کے ساتھ جو آٹھ مہاجر تھے، ابن ہشام نے ان کے حسب ذیل نام لکھے ہیں: ابو حذیفہ بن عتبہ، عکاشہ بن محصن، عتبہ بن غزوان، سعد بن ابی وقاص، عامر بن ربیعہ، واقد بن عبداللہ، خالد بن سہیل، سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ دو دن چلتے رہنے کے بعد عبداللہ بن جحش نے تحریر کھول کر دیکھی۔ اس میں لکھا تھا:

اذا نظرت فی کتابی ھذا فامض حتی تنزل نخلة بین مکة والطائف فترصد بھا قریشا و تعلم لنا من اخبارھم۔ (ابن ہشام۔ ص ۷، ج ۲)

"جب تم میرے اس خط کو پڑھو تو سفر جاری رکھو۔ نخلہ، جو طائف اور مکہ کے درمیان ہے وہاں قیام کرو۔ قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی

خبروں کی اطلاع دیتے رہو"۔

یہ مقام مدینہ سے کافی دور اور نہایت پُر خطر تھا۔ کیونکہ جس نخلستان میں ان کو اترنے کا حکم تھا' وہ ابن عامر کا باغ تھا اور مکہ کے قریب تھا۔ تحریر پڑھ کر عبداللہ نے "سمعاً و طاعۃً" کہا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں نخلستان جاؤں اور وہاں قریش کی دیکھ بھال کرتا رہوں اور ان کی خبروں کی اطلاع حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیتا رہوں۔ تم میں سے کسی کو مجبور کرنے سے مجھے منع فرما دیا گیا ہے۔

مقامی خطرات کے پیش نظر عبداللہ بن جحش نے ان سے صفائی سے یہ بھی کہا کہ جس کو شوق شہادت ہو اور اپنی جان کی پروانہ کرتا ہو' وہ میرے ساتھ ساتھ چلے ورنہ لوٹ جائے۔ سب لوگ ساتھ ہو لیے۔ دو دو آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب یہ لوگ "بحران" پہنچے تو سعد بن وقاصؓ اور عتبہ بن غزوانؓ کے حصہ کا اونٹ کھو گیا۔ وہ دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ باقی لوگ نخلہ پہنچ کر اتر پڑے۔

اتفاق سے قریش کا ایک قافلہ سامنے سے آنکلا جو تجارتی سامان لے کر آ رہا تھا۔ اس میں عمرو بن الحضرمی' عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی' اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ اور حکم بن کیسان ایسے ذمہ دار لوگ تھے۔ یہ قافلہ بھی ان ہی لوگوں کے قریب اترا۔ ابن ہشام میں ہے کہ یہ رجب کا آخری دن تھا مگر محدث دہلوی نے لکھا ہے:

ان روز اول ماہ رجب بود' مسلمانان را اشتباہ شد کہ آخر جمادی الاخری ست۔ پس شتابی کردند کہ مبادا ماہ رجب درآمد و ہتک حرمت شہر حرام لازم آید۔

(ترجمہ) "اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی' مسلمانوں کو شبہ ہو گیا کہ یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے۔ اس لیے لوگوں نے عجلت سے کام لیا کہ مبادا ماہ رجب نہ داخل ہو جائے اور شہر حرام کی ہتک حرمت لازم آ جائے"۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ انہوں نے شک کیا کہ آیا ماہ حرام میں ہے یا نہیں؟ پھر انہوں نے جرات کی اور ان سے قتال کیا۔ بہرحال باہم اس مسئلہ پر بحث ہوئی کہ اس

وقت جنگ کی جائے گی تو اشہر حرم میں جنگ کا ارتکاب ہوگا اور اگر پہلی شعبان پر جنگ ملتوی کر دی جائے تو قافلہ حرم کی حدود میں پہنچ جائے گا اور محفوظ ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟

بالآخر سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ جس کو قتل کر سکو' کرو اور اسباب تجارت پر قبضہ کر لو۔ واقد بن عبداللہ التیمی نے عمرو بن الحضرمی کو ایک تیر مارا اور وہ مارا گیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہو گئے۔ نوفل بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دونوں قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے مال غنیمت لینے سے انکار کر دیا اور برہمی کے ساتھ فرمایا:

ما امرتکم بقتال فی الشھر الحرام۔ (ابن ہشام۔ ص ۸' ج ۲)

"میں نے تمہیں ماہ حرام میں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا"۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ بیہقی کی روایت میں' جس کے راوی عروہ ہیں' یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرمی کا خون بہا ادا کیا۔

اور صحابہ کرام نے الگ عبداللہ بن جحش کو ملامت کی کہ

صنعتم مالم تومروا بہ و قاتلتم فی الشھر الحرام ولم تومروا بقتال۔ (طبری۔ ص ۲۶۳' ج ۲)

"تم لوگوں نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور ماہ حرام میں تم نے جنگ کی حالانکہ اس مہینہ میں لڑنے کا حکم تم کو نہ تھا"۔

یہ پہلا سریہ ہے جس میں مسلمانوں نے مال غنیمت پر قبضہ کیا اور جس میں مسلمانوں کے ہاتھ سے حضرمی مارا گیا اور یہی وہ پہلا سریہ ہے جس میں مسلمانوں نے قریش کے دو آدمیوں کو گرفتار کیا۔ یہ شاخسانہ تھا کرز بن جابر کی غارت گری اور لوٹ کا کیونکہ کرز کی ڈاکہ زنی سے پورا مدینہ اس لیے متاثر تھا کہ اس ڈاکہ کی حیثیت قبائلی غارت گری کی نہ تھی۔ یعنی ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ پر حملہ نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت کفر کے اسلام پر زد اور حملہ کی تھی۔ علاوہ اس کے جس چراگاہ پر اس نے ڈاکہ ڈالا تھا' وہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اونٹ نہیں چرتے تھے بلکہ تمام اہل مدینہ کے مویشی وہیں چرا کرتے تھے۔ اس لیے انفرادی اور جماعتی دونوں حیثیت سے مسلمان

متاثر تھے اور کرز کی غارت گری کا جواب دینے پر مجبور تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی برہمی اور صحابہ کرام کی ملامت نے اور عام کفار کے اس اعتراض نے کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں نے ماہ حرام کو بھی حلال کر دیا، عبداللہ بن جحش اور اس کے ساتھیوں کو اس حد تک پشیمان کر دیا کہ وہ اپنے متعلق یہ سمجھنے لگے کہ ماہ حرام کی ہتک حرمت کی وجہ سے ہم تباہ ہو گئے اور ندامت کے ہاتھوں اتنے تنگ دل اور پشیمان ہوئے کہ ان کی طرف سے وحی الٰہی نے یہ صفائی پیش کی:

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا۔ (بقرہ۔ ع ۲۷)

"لوگ تم سے ماہ حرام کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا جائز ہے؟ کہہ دو اس میں لڑنا بہت گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے۔ اور فساد قتل سے زیادہ برا ہے۔ یہ لوگ سدا جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں"۔

جب قرآن مجید میں اس حکم کا نزول ہوا اور اللہ نے مسلمانوں کے خوف و ہراس کو دور فرما دیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا اور قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کی رہائی کے لیے جو فدیہ بھیجا، اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ:

لا نفدیکموھما حتی یقدم صاحبانا یعنی سعد بن وقاص و عتبۃ ابن غزوان۔ فانا نخشاکم علیھما فان تقتلوھما نقتل صاحبیکم۔ (ابن ہشام۔ ص ۸، ج ۲)

"ہم ان دونوں کے متعلق تمہارا فدیہ (اس وقت تک) قبول نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے دونوں آدمی (سعد بن وقاص اور عتبہ) نہ آجائیں

کیونکہ ان دونوں کے متعلق ہمیں تم سے اندیشہ ہے۔ پس اگر تم نے ان دونوں کو قتل کر دیا تو ہم بھی تمہارے دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں گے"۔

جب حضرت سعد اور حضرت عتبہ آ گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فدیہ لے کر ان دونوں کو رہا کر دیا۔ الحکم بن کیسان نے خلاصی کے بعد اسلام قبول کر لیا اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور کفر ہی کی حالت میں مرا۔

بہرحال کرز کی غارت گری نے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ اسی کے باعث حضرمی کا قتل ہوا۔ حضرمی کے قتل کے متعلق یہ خیال کہ حضرمی کا قتل ہی قریش کے اشتعال کا باعث ہوا، میرے خیال میں صحیح نہیں ہے اور اشتعال کا واحد سبب اس کو قرار دینا قرین صواب نہیں ہے۔ علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر "طبری" کا یہ حوالہ پیش کیا ہے:

وکان الذی هاج وقعته بدر و سائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلی الله علیه وسلم وبین مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر ما کان من قتل واقد بن عبدالله السهمی، عمرو بن الحضرمی۔

"اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا، اور تمام وہ لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کو پیش آئیں، سب کا سبب یہی تھا کہ واقد سہمی نے، عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا تھا"۔

مگر طبری کی یہ رائے اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قریش کے اشتعال کا حال تو یہ تھا کہ ایک ہجری میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد ہی قریش نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو ختم کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ پھر ان کے اشتعال کا یہ حال تھا کہ ۲ھ میں کرز بن جابر نے، جو رؤساء قریش میں سے تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور غارت گری کر کے تمام مویشیوں کو ہنکا کر لے گیا۔ پھر ان کے اشتعال کا یہ عالم تھا کہ حضرمی کے قتل سے بہت پہلے مسلمانوں اور اسلام کے استیصال کے پیش نظر مصارف جنگ کے بندوبست کے لیے قریش نے اپنا سارا سرمایہ ابوسفیان کے حوالہ کر دیا تھا کہ شام جا کر تجارت کے ذریعہ وہ مہیا کر کے لائے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لیے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا' اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے' جس کے پاس جو رقم تھی' کل کی کل دے دی"۔

پھر حاشیہ میں اسی کے متعلق لکھا ہے کہ:

"ابن سعد نے ص ۷ میں ابوسفیان سردار قافلہ کا یہ قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی و لا قرشیۃ لہ نش و صاعدا الا بعث بہ معنا (خدا کی قسم قریش کے ہر مرد و عورت نے' جس کے پاس پانچ روپے یا زیادہ تھے' اس نے اپنی رقم میرے حوالے کر دی ہے) ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہیں ہوتی' اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا' لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ اگل دینے کی ضرورت کیا تھی؟"

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرمی کے قتل کا قریش پر کچھ اثر نہیں پڑا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ قریش کی جانب سے جنگ چھڑنے کا سبب صرف قتل حضرمی کو قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کے خاتمہ کا منصوبہ تو وہ ہجرت سے قبل ہی دارالندوہ کے اجلاس عام میں قبائل عرب کی متفقہ اور متحدہ تجویز سے طے کر چکے تھے۔

غزوۂ بدر اور اس کا صحیح موقف

ہم یہ بتا آئے ہیں کہ کرز بن جابر کی غارت گری سے پہلے حضور صلے اللہ علیہ و سلم اور مسلمانوں کا مقصد سریے اور غزوات کی ترتیب سے یہ ہوتا تھا کہ قریش کو مرعوب اور خوفزدہ کرنے کے لیے قریش کے قافلہ کی روک ٹوک کی جائے اور اس طرح ان کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے۔ ان غزوات اور سرایا کا مقصد قریش کی جان' مال اور ان کی قید و بند سے کبھی نہیں رہا اور نہ کسی غزوہ اور سریہ میں کسی کی جان یا کسی کے مال کو نقصان پہنچا اور نہ کسی کے قید و بند کی نوبت آئی اور نہ اس کی طرف دھیان دیا گیا۔

ہاں کرز بن جابر کی غارت گری کے بعد مسلمانوں کا رخ بدل گیا اور سریہ عبداللہ بن جحش ان تمام چیزوں سے دوچار ہو گیا جو جنگی نتائج کے لوازمات سے ہوتے ہیں' لیکن

جہاں تک ذات رسالت کا تعلق تھا' عبداللہ بن جحش کے سریہ کی روانگی کے وقت میں یہ چیزیں آپ ﷺ کے پیش نظر نہ تھیں بلکہ اس سریہ کے بھیجنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کی دیکھ بھال کی جائے اور حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو ان کے ارادے اور عزائم اور نقل و حرکت وغیرہ سے باخبر رکھا جائے۔

چنانچہ جو تحریر آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رض کو دی تھی' اس میں ان کو صرف ان ہی امور کی ہدایت تھی۔ اس میں قریش کی جان و مال سے تعرض اور قید و بند کا کوئی اشارہ بھی نہیں تھا۔ یوں بھی یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ آٹھ یا بارہ آدمیوں کا دستہ مدینہ سے دور اور مکہ سے قریب آپ ﷺ قریش سے جنگ کے لیے بھیجتے۔ یہ بالکل اتفاقی بات تھی کہ وہاں ایسا موقع پیش آ گیا کہ قافلہ سے جنگ ہو گئی اور حضرمی کا قتل ہو گیا۔ اور ابوسفیان جو مصارف جنگ اور سامان جنگ کی فراہمی کے منصوبہ سے تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا' اس کے آنے سے پہلے ہی جنگ کا فتح باب ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو چونکہ ابوسفیان کے اس خطرناک منصوبہ کی اطلاع تھی اور سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن ابی کو قریش نے جو دھمکی کا خط لکھا تھا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے' اس پر عمل کرنے کے لیے یہ سروسامان کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کو اس کی واپسی کا انتظار تھا۔ ابن سعد میں ہے:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم خفیہ طور پر اس قافلہ کی واپسی کے منتظر تھے اور آپ ﷺ نے اس قافلہ کی واپسی کی خبر لانے کے لیے طلحہ بن عبیداللہ التمیمی اور سعید بن زید کو روانہ کیا۔ یہ دونوں جب "التجبار" پہنچے جو "الحوراء" کے علاقہ میں تھا تو کشد الجہنی کے پاس اترے۔ اس نے ان دونوں کو پناہ دی اور ان کی مہمانداری کی--- (مگر قافلہ کا حال) ان سے پوشیدہ رکھا' یہاں تک کہ قافلہ گزر گیا۔ طلحہ اور سعید دونوں روانہ ہوئے۔ ہمراہ کشد بھی محافظ بن کر چلا۔ جب یہ لوگ "ذوالمرۃ" پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ سمندر کے کنارے کنارے تیزی سے نکل گیا"۔

بہرحال ان دونوں کی واپسی سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو دوسرے ذرائع سے جب ابوسفیان کی شام سے واپسی کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے مہاجرین و

انصار سے مشورہ کیا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:

"حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابوسفیان کے (شام سے) آنے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بولے تو آپ ﷺ نے توجہ نہیں فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ بولے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔ پھر حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کا روئے سخن ہم انصار کی طرف ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپ ﷺ دریا میں سواری ڈالنے کا حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے اور اگر "برک الغماد" تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی۔ پس لوگ چل پڑے، یہاں تک کہ بدر پر اترے"۔

بخاری شریف میں ہے کہ "حضرت مقداد" نے مجلس مشاورت میں یہ تاریخی یادگار جملے کہے:

لا نقول کما قال قوم موسیٰ "اذهب انت وربك فقاتلا" ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك و خلفك فرايت النبی صلے الله عليه وسلم اشرق وجهه سره- (بخاری- کتاب المغازی)

"ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ جائیے اور آپ کا پروردگار۔ اور دونوں جنگ کیجئے (بلکہ) ہم لوگ آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ہر طرف سے قتال کریں گے۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک چمک اٹھا اور مسرور ہو گئے"۔

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں نکلنے سے پہلے آپ ﷺ نے مجلس مشاورت منعقد فرمائی اور اس مشورہ میں آپ ﷺ نے انصار کو بھی شریک کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟

امام نووی نے لکھا ہے:

"علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جانچنے کا قصد فرمایا۔ اس لیے کہ انصار نے دشمن کی طلب پر اور اس بات پر بیعت نہیں کی تھی کہ آپ کے ساتھ قتال کے لیے نکلیں گے۔ انصار نے صرف اس بات پر بیعت کی تھی کہ جو شخص آپ ﷺ پر حملہ کرے گا، ہم اس سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ اس لیے جب ابوسفیان کے قافلہ کے لیے نکلنے کا معاملہ سامنے آیا تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہ معلوم کریں کہ انصار اس سے موافق ہیں تو انصار نے اس موقع اور اس کے علاوہ موقع کے لیے، اپنی پوری پوری موافقت کا نہایت بہتر جواب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا"۔

حاصل یہ کہ مشورہ خصوصیت سے اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ انصار خروج کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ اس لیے خاص طور پر انصار کی تقریر اور رضامندی کی طرف آپ ﷺ کی توجہ تھی۔ جب انصار نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو اس کے بعد آپ ﷺ نے عمومی دعوت خروج کے لیے دی۔ اس کا اثر کیا ہوا؟ سیرت ابن ہشام میں ہے:

فانتدب الناس فخف بعضهم وثقل بعضهم وذالك انهم لم يظنوا ان رسول الله صلے الله عليه وسلم يلق حربا۔

"لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا۔ بعضوں نے عجلت سے کام لیا اور بعض لوگوں نے سستی سے کام لیا اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کا یہ گمان نہیں تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جنگ سے دوچار ہوں گے"۔

یعنی مجلس مشاورت میں جو باتیں ہوئی تھیں، ان کا تعلق چونکہ ابوسفیان کے قافلہ سے تھا، کوئی جنگی منصوبہ سے نہ تھا، اس لیے بعض لوگوں نے اس میں شرکت کرنے کو خاص اہمیت نہیں دی۔ طبری میں ہے:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام سے ابوسفیان کے واپس آنے کی خبر سنی تو مسلمانوں کو اس کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ یہ قریش

کا وہ قافلہ ہے جس میں ان کی پوری پونجی ہے (تفصیل پہلے معلوم ہو چکی ہے) اس کی طرف چلو۔ شاید اللہ کی طرف سے تم کو اس کی نوازش ہو جائے۔ لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا"۔
(ص ۲۷۰' ج ۲)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر لوگ کس خیال کو لے کر نکلے' طبری میں اس کے متعلق یہ تصریح ہے کہ:

"یہ لوگ نکلے۔ ابوسفیان اور اس کی جماعت کے سوا ان کا اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور اس کو اپنے لیے مال غنیمت سمجھتے تھے۔ یہ بھی گمان نہیں تھا کہ جب ابوسفیان سے مٹھ بھیڑ ہوگی تو کوئی بڑی جنگ ہوگی"۔
(ص ۲۶۷' ج ۲)

بخاری شریف میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

انما خرج رسول الله صلے الله علیه وسلم یرید عیر قریش حتی جمع الله بینهم وبین عدوهم علی غیر میعاد۔ (باب قصہ غزوۃ بدر)

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے کہ خدا نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا"۔

بہرحال بخاری شریف' مسلم شریف' سیرت ابن ہشام' طبقات ابن سعد اور طبری وغیرہ کی صریح تصریحات یہی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جو مہاجرین و انصار آپ ﷺ کے ساتھ تھے' وہ سب کے سب مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کے لیے نکلے اور مہاجرین سے زیادہ انصار نکلے' اور یہ سمجھ کر نکلے کہ مجلس مشاورت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن ان کی شرکت کی طرف تھا۔ جیسا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی تقریر میں کہا:

ایانا ترید یا رسول الله۔

"یارسول اللہ! ہم لوگوں کی طرف آپ کا روئے سخن ہے؟"

یہاں یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ جس وقت ابوسفیان کا یہی قافلہ شام کو جا رہا تھا اور آپ ﷺ کو اس کی خبر ملی تھی' اس وقت آپ ﷺ دو سو صحابہ کو لے کر نکلے تھے'

جس میں صرف مہاجرین تھے اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم تھا۔ اس موقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مجلس مشاورت طلب کی تھی' نہ انصار کو اس میں شریک کرنے کا خیال فرمایا لیکن ابوسفیان کا یہی قافلہ جب شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ ﷺ اس کے لیے مجلس مشاورت منعقد کرتے ہیں اور خصوصیت سے انصار کی طرف آپ ﷺ کا روئے سخن ہوتا ہے' اور انصار' مہاجرین سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں' اور آپ ﷺ کے ساتھ نکلتے ہیں۔ آخر ایک قافلہ کے ساتھ یہ دو طرح کا معاملہ کیوں ہوا؟

حقیقت یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی کہ ابوسفیان اس منصوبہ کے پیش نظر مکہ کا تمام سرمایہ لے کر شام جا رہا ہے کہ مدینہ پر حملہ اور اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے مصارف جنگ کا بندوبست کرے تو اس وقت آپ ﷺ صرف اس خیال سے نکلے کہ قافلہ کی راہ میں حائل ہو کر اس کو شام جانے سے روک دیا جائے اور ان کو اپنے منصوبہ میں ناکام بنا دیا جائے اور یہ خوفزدہ ہو کر منتشر ہو جائیں اور مکہ واپس چلے جائیں۔ لیکن جب دوسری مرتبہ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ وہ اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو کر واپس آ رہا ہے تو معاملہ کی سنگینی کے لحاظ سے آپ ﷺ نے اس کو اہمیت دی اور اس کے لیے خصوصی مجلس مشاورت طلب کی اور صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور جمع فرمانے کے بعد ان کے سامنے قافلہ ابوسفیان کی حقیقت بیان کی اور تمام لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے بعد شرکت کی عمومی دعوت دی۔

حاصل یہ کہ پہلی مرتبہ چونکہ کفار کے منصوبہ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا مقصود تھا اور ان کو منتشر کر دینا تھا' اس لیے نہ تو مجلس مشاورت منعقد کی' نہ صحابہ کرام کو عمومی دعوت دی بلکہ فقط مہاجرین کو لے کر نکل پڑے۔ دوسری مرتبہ چونکہ وہ قافلہ اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو کر لوٹا تھا اور مدینہ پر حملہ اور اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے جنگی مصارف کا سروسامان لے کر آ رہا تھا' اس لیے آپ ﷺ نے مجلس مشاورت طلب کی اور ان کے سامنے حقیقت حال کو بیان فرمایا کہ دراصل یہی مدینہ پر حملہ کا مقدمہ ہے تو انصار اس کی اہمیت کو سمجھے اور اسی اہمیت کی بنا پر انصار اس میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس کا تعلق جب مدینہ پر حملہ سے ہے تو ہم پر اس کی مدافعت معاہدۂ بیعت کی رو سے لازم ہے۔ اور جنگی احتیاط کا تقاضا بھی

یہی ہے کہ حملہ آور کو حملہ کرنے سے پہلے حملہ کے منصوبہ میں ناکام بنا دیا جائے۔

اس حقیقت کے سامنے آجانے کے بعد واقعہ کا ہر پہلو روشن ہو جاتا ہے اور واضح طور پر کھل کر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ ابوسفیان کے قافلہ کی واپسی پر آپ ﷺ کا مجلس مشاورت طلب کرنا اور ابوسفیان کے قافلہ کی حقیقت کو عام لوگوں کے سامنے رکھنا اور انصار سے خصوصی طور پر اس میں صلاح و مشورہ لینا بھی ضروری تھا اور انصار کا اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور اس صورت حال پر مسلمانوں کے قافلہ کا ابوسفیان کے لیے نکلنا بھی ضروری تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ مدینہ منورہ سے آپ ﷺ ۱۲ رمضان ۲ھ کو روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی یہ روانگی طلحہ اور سعید کی روانگی کے دس دن بعد ہوئی۔ مدینہ سے چل کر جب بیر عنبہ پر پہنچے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا تو آپ ﷺ نے تمام لوگوں کا جائزہ لیا اور جن کو آپ ﷺ نے کمسن سمجھا، ان کو واپس کر دیا۔ بروایت ابن عباسؓ، آپ ﷺ کے ساتھ کل تین سو تیرہ آدمی تھے، جن میں مہاجرین ۷۶ تھے اور ۷۰ اونٹ اور ۲ گھوڑے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابوسفیان جب حجاز کے قریب پہنچا (یعنی سرحد حجاز سے پہلے ہی شام میں تھا) تو ایک قافلہ سے اس کو خبر ملی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیری طرف نکلے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی اس نے یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی کہ ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور قریش کو قافلہ کی حفاظت اور امداد کے لیے طلب کیا۔ ضمضم تیزی سے بھاگتا ہوا روانہ ہوا اور جب بطن وادی میں پہنچا تو اپنے اونٹ کی ناک (یا کان یا لب) کاٹ دیا اور کجاوا الٹ دیا۔ اور کرتا پھاڑ لیا اور چیخنے لگا: "فریاد فریاد! ابوسفیان کے ساتھ جو تمہارا سرمایہ ہے اس کو بچاؤ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حائل ہو گئے ہیں"۔

قریش یہ خبر سن کر غیظ و غضب سے بے قابو ہو گئے اور کہنے لگے: "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی اس قافلے کو حضرمی کا قافلہ سمجھ رہے ہیں۔ واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا"۔ بپھرے ہوئے قریش جلد سے جلد تیار ہو کر بڑے سروسامان سے نکلے۔ ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی۔ سو سواروں کا رسالہ تھا۔ بجز ابولہب کے تمام رؤسائے قریش اس میں شریک تھے۔ ابولہب نے العاص بن ہشام کو، جس کے ذمہ اس

کا چار ہزار درہم تھا، ان درہموں کے عوض میں اپنی جگہ پر بھیجا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ابوسفیان کو شام ہی میں یہ خبر مل گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری واپسی کے انتظار میں ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وكان بلغ المشركين بالشام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرصد انصرافهم فبعثوا ضمضم بن عمرو حين فصلوا من الشام الى قريش بمكة يخبرونهم بما بلغهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ويامرونهم ان يخرجوا فيمنعوا عيرهم۔

(ص ۷، الجزء الثانی القسم الاول غزوہ بدر)

"مشرکین کو شام ہی میں یہ خبر پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی واپسی کے انتظار میں ہیں۔ وہ لوگ جب شام سے روانہ ہوئے تو ضمضم بن عمرو کو قریش مکہ کے پاس روانہ کر کے انہیں اس بات کی خبر دی اور کہلا بھیجا کہ وہ نکل کر قافلہ کی حفاظت کریں"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منزل بمنزل چل کر جب "الصفراء" (ایک بستی کا نام ہے) پہنچے تو یہاں سے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الرغباء کو ابوسفیان اور اس کے قافلہ کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ اس مقام تک نہ قریش کے مکہ سے نکلنے کی آپ ﷺ کو خبر تھی، نہ یہ کہ ابوسفیان کا قافلہ اس وقت کہاں ہے۔ یہاں سے چل کر آپ ﷺ "ذفران" پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔ ابن سعد میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے، یہاں تک کہ جب بدر کے قریب پہنچے تو قریش کے نکلنے کی آپ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی اور ان سے مشورہ طلب کیا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو مدینہ سے چلتے وقت قریش کے مکہ سے نکلنے کی خبر نہیں تھی۔ قریش کے نکلنے کی خبر آپ ﷺ کو "ذفران" میں ملی۔ مدینہ سے آپ ﷺ محض ابوسفیان اور اس کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت کعبؓ کی روایت میں اس کی تصریح گزر چکی ہے کہ انما خرج رسول الله صلے الله عليه وسلم يريد عير قريش۔ لفظ "انما"

حصر کے لیے آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صرف قافلہ ابوسفیان کے ارادہ سے نکلے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب "ذفران" میں آپ ﷺ نے قریش کی خبر سن کر مشورہ فرمایا تو مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن عمرو (رضی اللہ علیہم اجمعین) نے پرزور تقریریں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین فرمائی اور دعا دی۔ لیکن اس کے بعد پھر فرمایا:

اشیروا علی ایھا الناس۔ (ص ۱۳، ج ۲)

"لوگو! مجھے مشورہ دو"۔

یہاں "ایھا الناس" سے آپ ﷺ کی مراد انصار تھے۔ یہاں سعد بن معاذؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہم سے خطاب فرما رہے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اجل" (ہاں)۔ اس پر حضرت معاذؓ نے یہ تقریر کی:

"ہم آپ ﷺ پر ایمان لاچکے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ نے جو چیز ہمارے سامنے پیش فرمائی ہے، وہ حق ہے اور اس پر ہم آپ ﷺ کو اپنے قول دے چکے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا مستحکم وعدہ کر چکے ہیں، اس لیے یارسول اللہ! آپ ﷺ جہاں چاہیں چلیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے سچائی کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا، اگر آپ ﷺ اس سمندر کو ہمارے سامنے لے آئیں اور آپ ﷺ اس میں داخل ہوں تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے۔ اور ہم میں ایک شخص بھی پیچھے نہ ہٹے گا اور ہم اس بات کو ناپسندیدہ نہیں سمجھتے کہ آپ ﷺ کل ہمیں اپنے ساتھ لے کر ہمارے دشمن سے مقابل ہوں۔ ہم جنگ کرنے کے لیے بڑے مضبوط اور مقابلہ میں کامل ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے آپ ﷺ کو ایسے کارنامے دکھائے گا جن سے آپ ﷺ مطمئن ہو جائیں گے۔ غرض ہمیں اپنے ساتھ لے کر علی برکۃ اللہ چلے چلیے"۔

حضرت سعدؓ کی یہ تقریر سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

سیروا وابشروا فان اللہ قد وعدنی احدی الطائفتین واللہ لکانی الآن انظر الی مصارع القوم۔
(ابن ہشام۔ ص ۱۳، ج ۲)

"چلو اور اس بات کی بشارت سن لو کہ بالتحقیق ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا اللہ نے پختہ وعدہ کرلیا ہے۔ خدا کی قسم! میں اسی وقت اس گروہ کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں"۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مدینہ میں ابوسفیان کے قافلہ کے متعلق جو مشورہ ہوا تھا، اس میں انصار کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے تقریر کی تھی، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے اور یہاں "ذفران" میں جب آپ ﷺ نے قریش کی خبر پر صحابہ سے مشورہ فرمایا تو انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذؓ نے تقریر کی تھی، جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ مدینہ منورہ میں جب آپ ﷺ نے مشورہ فرمایا تھا، تو وہاں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

هذه عير قريش۔ فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله ان ينفلكموها۔ (طبری۔ ص ۲۷۰، ج ۲)

"یہ قریش کا قافلہ ہے جس میں ان کی پونجی ہے۔ شاید اللہ تم لوگوں پر اس کی نوازش فرمادے"۔

یہاں کلمہ "لعل" کا استعمال فرمایا، جو محل یقین میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر نکلو۔ شاید اللہ قافلے کے سامان کا مالک بنا دے اور عطا فرما دے۔ اور "ذفران" کے مشورہ کے بعد کلمہ "...." کا استعمال فرمایا، جو محل یقین میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نام پر سفر جاری رکھو اور اس میں کوئی شبہ نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا پختہ وعدہ کیا ہے کہ تم اس پر غالب ہوگے۔ قسم میں اسی وقت اس گروہ کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔ پہلے "عیر" فرمایا گیا تھا یعنی قافلہ ابوسفیان پیش نظر تھا اور ذفران میں جب قریش کی خبر ملی تو "احدی الطائفتین" کا لفظ فرمایا گیا۔ یعنی اللہ یا تو تم کو قافلہ قریش یعنی عیر پر غالب کرے گا یا جمعیت قریش پر یعنی "نفیر" پر تم کو غالب کرے گا جو مکہ سے ابوسفیان

کے قافلہ کی حفاظت اور امداد کے لیے نکلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی طور پر وحی الٰہی کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے وعدہ فرماتا ہے کہ ان دو گروہوں میں ایک پر ضرور آپ ﷺ کا غلبہ ہوگا' کیونکہ قرآن مجید کی آیت اب تک اس سلسلہ میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ سورۂ انفال کا نزول' جس میں جنگ بدر کا ذکر ہے' غزوۂ بدر کے بعد اس وقت ہوا ہے جبکہ مال غنیمت کے بارے میں باہم صحابہ میں کچھ اختلاف رائے ہوا۔

یہ تمام تاریخی تصریحات اور بخاری و مسلم کی روایات' اس امر پر نص ہیں کہ مدینہ منورہ سے جس وقت آپ ﷺ روانہ ہوئے تھے' اس وقت آپ ﷺ کو صرف قافلہ ابوسفیان ہی کی خبر تھی اور جب بدر کے قریب ذفران میں آپ ﷺ پہنچے تو جمعیت قریش یعنی نفیر کی خبر ملی اور یہی امر صحیح ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ: ممکن ہے ہماری اس رائے پر کہ "یہی امر صحیح ہے" یہ شبہ کیا جائے کہ میری یہ رائے قرآن مجید کے خلاف ہے' جیسا کہ علامہ شبلیؒ نے قرآن مجید سے یہ استدلال کیا ہے کہ مدینہ منورہ ہی میں آپ ﷺ کو مکہ سے قریش کے نکلنے کی اطلاع مل چکی تھی اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ فرمایا اور ان ہی قریشیوں سے' جو مکہ سے آ رہے تھے' جنگ کے ارادہ سے نکلے' قافلہ ابوسفیان کے ارادہ سے آپ ﷺ نہیں نکلے۔

علامہ مرحوم کے اس استدلال سے ہم بے خبر نہیں ہیں' پھر بھی میرے نزدیک حق وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ ان کی یہ رائے تاریخی دستاویز پر ہوتی تو ہم آنکھ بند کر کے سر جھکا دیتے اور بغیر کسی تردد کے اعتراف کر لیتے کیونکہ تاریخ ان کا فن تھا اور ان کا کہہ دینا ہی ہم ایسے تاریخ سے کم سواد لوگوں کے لیے سند ہو جاتا۔ لیکن علامہ مرحوم نے بجائے تاریخ و سیر کے اپنے دعوٰی پر "قرآن و حدیث" سے استدلال کیا ہے اور اس طرح کیا کہ تمام مفسرین اور محدثین کی رائے سے اختلاف کیا' اور یہ سمجھ کر کیا کہ حق ان کے ساتھ ہے' لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ حق وہی ہے جس پر تمام تاریخی تصریحات اور بخاری شریف و مسلم شریف کی روایات بطور نص کے شاہد ہیں۔ اس لیے جس طرح علامہ مرحوم نے حق کی خاطر تمام مورخین اور ارباب سیر اور تمام مفسرین و محدثین سے اختلاف کیا ہے' میں مجبور ہوں کہ اسی حق کی خاطر ادب

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کروں اور یہ کہوں کہ علامہ مرحوم جمہور علماء کے خلاف قرآن و حدیث سے استدلال کرنے میں مغالطہ میں مبتلا ہو گئے اور اپنے قائم کردہ اصول کے خلاف لکھ گئے۔ مولاناؒ نے پہلے یہ "دو اصول" لکھے ہیں۔

"(۱) قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۲) کتب حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے' اس کا لحاظ رکھا جائے گا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۱۸' ج ۱)

اس کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی اپنی رائے ہے۔ استدلال اس طرح شروع کیا گیا ہے:

علامہ شبلیؒ کا قرآن سے استدلال: لیکن کتب سیر' تاریخ اور تمام چیزوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم کو گردن جھکا دینی چاہیے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۔ (انفال۔ پہلا رکوع)

"جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا درآنحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہونے پر پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے' گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب کہ خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۱۹' ج ۱)

مولانا مرحوم کو اس کا اعتراف ہے کہ کتب سیر، تاریخ اور تمام دیگر شہادتیں ان کی رائے کے ساتھ نہیں ہیں مگر قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتیں ان کی رائے کے ساتھ ہیں۔ کس طرح ساتھ ہیں؟ نمبروار مولانا مرحوم کا استدلال ملاحظہ ہو:

استدلال اول:

"ترکیب نحوی کی رو سے "وان" میں جو واؤ ہے، حالیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے" یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ ﷺ مدینہ سے نکل رہے تھے، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ ﷺ آگے بڑھے کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۰، ج۱)

مولانا مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی سے جی چرانا بربناء مقابلہ جمعیت قریش تھا جو مکہ سے آرہی تھی، لہٰذا خروج من البیت کے وقت ہی میں قریش کی جنگ کا ارادہ تھا۔ اور چونکہ قرآن میں اس کا صاف ذکر موجود ہے، اس بنا پر اس کے خلاف جو بخاری اور مسلم کی حدیث ہے یا تمام کتب سیر اور تاریخ کی شہادتیں ہیں، ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس استدلال کی بنا اس فہم پر ہے کہ "وان" میں واؤ حالیہ ہے لیکن وہ مفسرین، جن کے نزدیک واؤ حال کے لیے نہیں ہے بلکہ استیناف کے لیے ہے، یہ آیت سرے سے اس استدلال کا محل نہیں بنے گی۔ یہ بحث کرنی کہ "وان" میں واؤ حالیہ ہی ہے، استیناف کے لیے نہیں ہے، علامہ مرحوم کے لیے مفید نہ ہوگا، اس لیے کہ اس بحث سے "وان" کا واؤ نزاعی مسئلہ بن جائے گا اور استدلال کا محل متنازع فیہ چیز بن جائے گی اور آیت اس استدلال کے لیے صاف اور صریح نہیں رہے گی۔ لہٰذا علامہ رحمتہ اللہ علیہ کے اصول پر بھی اس استدلال میں یہ وزن نہیں رہے گا کہ اس کی بنا پر بخاری شریف اور مسلم شریف اور تاریخی تصریحات کا رد کر دیا جائے بلکہ اعتبار کیا جائے گا۔ بہرحال یہ پہلا نمبر قابل احتجاج نہ رہا۔

اور بالفرض اگر واؤ کو واؤ حالیہ ہی مان لیا جائے تو اس بنا پر مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے

کہ "واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے"۔ جب تک یہ بات تسلیم نہ کرلی جائے کہ مطلقاً ہر حال کے لیے یہ ضروری ہے کہ "حال اور ذوالحال کے فعل میں بلحاظ زمانہ کے اتحاد واجب ہے" حالانکہ مطلقاً یہ صحیح نہیں ہے۔ مثلاً آیت کریمہ:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ۔ (فتح۔ ع۴، پ۲۶)

"انشاء اللہ۔ البتہ تم مسجد حرام میں داخل ہوگے اس حال میں کہ بے خوف ہوگے۔ اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور کترواتے ہوئے"۔

میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ عمرہ کرنے والے جس وقت احرام باندھے ہوئے مسجد حرام میں طواف کے لیے داخل ہوں گے، اسی وقت ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ طواف کے پہلے ہی "محلقین رئوسھم و مقصرین" ہوں گے اور جب حال کا یہ قاعدہ کلیہ اور جامع نہ رہا تو اب یہ امر محل نزاع بن گیا کہ یہاں یہ حال اس قاعدہ میں داخل ہے یا نہیں؟ لہٰذا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے اصول پر، اس قاعدہ کی بنا پر اس آیت سے احتجاج صحیح نہیں رہا۔

مزید برآں یہ بات سوچنے کی ہے کہ علامہ زمخشری جو نحو و بلاغت کے امام ہیں اور بالاتفاق مسائل نحویہ میں قابل سند ہیں، وہ "وان" میں واؤ کو حالیہ مانتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے وہ موقع کراہت مدینہ سے نکلنے کے بعد بتاتے ہیں۔ کیا علامہ زمخشری کو یہ نحوی قاعدہ معلوم نہ تھا۔ اگر معلوم تھا اور ضرور معلوم تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ واؤ حالیہ کا اور مدینہ سے نکلنے کے بعد والے موقع کے ساتھ لگ سکتا ہے اور اتحاد زمانی کی شرط یقیناً ہر حال کے لیے صحیح نہیں ہے۔

علاوہ اس کے اگر اس کو مدینہ سے خروج کے وقت متعلق مانا جائے تو لازم آئے گا کہ مسلمانوں کی کراہت اور جدل کا معاملہ، جس کا ذکر آیت میں ہے، مدینہ ہی میں پیش آیا تھا۔ حالانکہ صحیح تو کیا، کوئی ضعیف روایت بھی ایسی نہیں جس سے مدینہ منورہ میں کراہت اور جدل کا ثبوت ملتا ہو۔ بلکہ روایتیں اور شہادتیں اس پر متفق ہیں کہ خروج مدینہ کے بعد اس کا موقع پیدا ہوا، جس کا مولانا کو بھی اعتراف ہے کہ "ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بدر کے قریب پہنچ چکے تھے"۔ ارباب سیر کے علاوہ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی
روایت بھی حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ہے کہ مدینہ سے ایک روز یا دو روز چلنے پر
یہ واقعہ پیش آیا۔

بہرحال مولاناؒ کو یہاں قرآن سے استدلال میں حال کے قاعدہ کی وجہ سے مغالطہ
ہوگیا کہ "حال اور ذوالحال کے فعل میں بلحاظ زمانہ کے اتحاد واجب ہے۔ حالانکہ ایسا
نہیں ہے بلکہ عدم اتحاد پر نحو کی کتاب میں "ان المستقبل لا یمنع وقوعه
حالاً" کے ضمن میں "کتاب سیبویہ" سے یہ مثال نقل کیا کرتے ہیں:

مررت برجل معه صقر صاعدا به غدا ای مقدرا
یصید به غدا کما فی قوله "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ
وَمُقَصِّرِيْنَ" ای مقدرين التحليق والتقصير ولا
يحلق ولا يقصر عند الدخول بل عند الخروج۔ (ضوء
المصباح)

"مررت برجل الخ معنی میں "مقدرا یصید به غدا" کے ہے'
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "لتدخلن المسجد الحرام" الخ معنی
میں "مقدرين التحليق والتقصير" کے ہے (کیونکہ) مسجد حرام
میں دخول کے وقت نہ تو کوئی حلق کراتا ہے نہ قصر کراتا ہے۔ بلکہ مسجد حرام
سے نکلنے کے وقت حلق اور قصر کراتا ہے"۔

اور ایسے حال کو جس میں باعتبار زمانہ کے اتحاد نہیں ہوتا' "ارباب نحو" حال مقدرہ
کہتے ہیں۔ اسی بنا پر زیر بحث آیت کی تفسیر "فتح البیان" میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

(وان فريقا من المومنين لكارهون) حال مقدرة
لما علمت ان الكراهة لم تقارن الخروج۔ (ص ۷' ج ۴)

"(وان فریقا الخ) حال مقدرہ ہے' اس لیے کہ تمہیں معلوم ہے کہ
کراہت مدینہ سے خروج کے وقت نہیں تھی"۔

تفسیر بیضاوی پر جو "الشہاب" ہے' اس میں ہے:

والحال مقدرة لان الكراهة وقعت بعد الخروج

بوادی ذفران۔ (ص ۲۵۳)

"حال مقدرہ" ہے اس لیے کہ کراہت (مدینہ سے خروج کے وقت نہیں
ہوئی) بلکہ خروج کے بعد وادی ذفران میں واقع ہوئی۔

اور اگر ان سب ایرادات و اشکال سے' جو مولاناؒ کے استدلال پر واقع ہوتے ہیں
(۱) تسامح بھی کر لیا جائے (۲) اور بالفرض واؤ کو حالیہ بھی تسلیم کرلیا جائے (۳) اور حال
کے اس قاعدہ کو بھی' جس سے مولاناؒ کا استدلال ہے' بالفرض عام بھی مان لیا جائے
(۴) اور روایتوں سے اور ارباب سیر کی شہادتوں سے قطع نظر بھی کرلیا جائے (۵) اور یہ
بھی بغیر کسی سند اور ثبوت کے تسلیم کرلیا جائے کہ کراہت کا واقعہ مدینہ منورہ ہی میں
پیش آیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کراہت میں مبتلا ہوئی۔

پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ کراہت قریش کی اس
جمعیت کے نکلنے کی بنا پر تھی جو مکہ سے نکلی تھی اور جب آیت میں اس کی تصریح نہیں
ہے تو پھر آیت سے اس پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ خود مولاناؒ نے آیت کا یہ
ترجمہ کیا ہے:

"جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا' درآنحالیکہ
مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا الخ"۔

اور اس میں کسی طرح مکہ کی جمعیت کے نکلنے کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔

ہم بغیر کسی ایچ پیچ کے قرآن کے اس حکم پر گردن جھکا لیتے ہیں کہ جس وقت آپ
ﷺ مدینہ سے نکل رہے تھے' مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جو اس خروج کو ناپسند
کرتی تھی مگر قرآن ہم کو یہ نہیں بتاتا کہ یہ ناپسندیدگی اس وجہ سے تھی کہ وہ اس خروج
کو' خروج بمقابلہ اس جمعیت قریش کے سمجھتے تھے جو جنگ کا سامان لے کر مکہ سے نکلی
تھی۔ اسی طرح کوئی روایت اور کوئی شہادت اور کوئی تاریخی سند ہم کو یہ نہیں بتاتی کہ
آپ ﷺ کو مدینہ منورہ ہی میں مکہ سے قریش کے نکلنے کی خبر مل گئی تھی۔

رہا یہ سوال کہ آخر جب قریش مکہ کی خبر آپ ﷺ کو مدینہ میں نہیں ملی تو پھر کس
بنا پر مسلمانوں کو خروج میں کراہت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کراہت سب
مسلمانوں میں نہیں بلکہ مسلمانوں میں سے صرف ایک جماعت تھی جو کارہ تھی' اور
ہو سکتا ہے کہ کراہت کی وجہ یہ ہو کہ اقبال ابوسفیان کی خبر کی بنا پر مجلس مشاورت میں

آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہو' وہ اس جماعت کے لیے انشراح صدر کا سبب نہ بنا ہو اور ان کے دلوں میں اس طرح کے وساوس پیدا ہوئے ہوں۔

(۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ دعوت خروج اس معاہدۂ بیعت کے خلاف ہے جو انصار نے کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آج سے پہلے نہ کسی سریہ اور غزوہ میں ہماری شرکت ہوئی اور نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خروج کی دعوت دی۔

(۲) پھر یہ خروج چاہے بمقابلہ قافلہ ابوسفیان سہی' اس میں بھی جنگ کی نوبت ضرور آجائے گی' کیونکہ مکہ کے تمام مردوں اور عورتوں کی کل کائنات اور سرمایہ اس میں ہے اور چالیس کبار قریش اس قافلہ کے ساتھ ہیں' جس میں ابوسفیان' عمرو بن العاص' مخرمہ بن نوفل وغیرہ ایسے جنگجو اور ذمہ دار لوگ شریک ہیں۔

(۳) پھر قافلہ چونکہ قریش کا ہے' ایسی حالت میں کہ حضرمی کا قتل ہوچکا ہے' اس طرح کی چھیڑ چھاڑ کرنی' جان بوجھ کر قریش کو مدینہ پر حملہ آور جنگ کی دعوت دینی ہوگی۔

(۴) اور قریش کی چونکہ پورے حجاز پر دھاک ہے اور سب ان کا احترام کرتے ہیں اور ان کو اپنا دینی قائد اور امام سمجھتے ہیں' یقینی امر ہے کہ قریش کے ساتھ ہو کر سارا عرب مدینہ پر ایک دفعہ یلغار کردے گا' جس کی مقاومت ہم نہیں کرسکیں گے۔

پس اگر آیت میں کراہت سے یہی کراہت مراد ہو اور اسی وجہ سے وہ اتنے ڈرے ہوں کہ "یساقون الی الموت" کے مصداق بن گئے ہوں تو پھر مولانا" کا استدلال کیسے صحیح ہوگا؟ اور روایت اور تاریخی شہادتوں سے قطع نظر کرلینے کے بعد اس کو آیت کی مراد قرار دینے میں کیا چیز مانع ہوگی؟

استدلال دوم:

"آیت مذکورہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے' اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروان تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے' لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروان تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا۔

اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ "دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے" اس لیے بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو۔ اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور دونوں طرف کی خبریں آگئی تھیں کہ ادھر ابوسفیان کاروان تجارت لے کر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہیں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۰' ج ۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ ارباب سیر اور مفسرین اس کو خروج مدینہ کے بعد کا واقعہ بتاتے ہیں اور دلیل میں یہ اثر پیش کرتے ہیں:

روی ابن حاتم وابن مردویہ عن ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ قال لما سرنا یوما او یومین قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما ترون فی قتال القوم فانہم قد اخرجوا بمخرجکم فقال واللہ ما لنا طاقۃ بقتال القوم ولکن اردنا العیر۔ ثم قال ما ترون فی قتال القوم فقلنا مثل ذالک۔ (تفسیر مظہری)

"ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ ایک دن یا دو دن چل چکے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جنگ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ قریش کو تمہارے نکلنے کی خبر پہنچ گئی ہے (اور وہ قافلہ کی حفاظت کے لیے آگئے ہیں) جواباً گزارش کی گئی کہ قریش سے جنگ کرنے کی طاقت ہم کو نہیں ہے۔ ہم تو صرف قافلہ کے مقصد سے نکلے ہیں۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا۔ پھر لوگوں نے وہی جواب دیا"۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم دو دنوں میں بدر نہیں پہنچے تھے' آپ ﷺ ۱۲ رمضان کو نکلے تھے اور ۱۷ رمضان کی شب کو بدر پہنچے تھے اور دوران سفر کی یہ مشاورت ۱۳ یا ۱۴ رمضان کا واقعہ ہے۔ اس کے تین روز یا دو روز کے بعد بدر پہنچے ہیں۔ لہٰذا قریب بدر سے ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ میں کہ اس سے پہلے عیر یعنی

کاروان تجارت کے نہ نکلنے کی خبر تھی اور نہ علم تھا اور نہ واقعتاً کاروان تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل چکا تھا۔

باقی رہی کاروان تجارت کے ہاتھ آنے کی بات تو اس کا موقع جنگ بدر کے بعد بھی باقی تھا۔ تفسیر بیضاوی میں ہے:

انه علیه السلام لما فرغ من بدر قیل له علیک بالعیر فناداه العباس رضی الله عنه و هو فی وثاقه لا یصلح۔ فقال له' لم۔ فقال لان الله وعدک احدی الطائفتین و قد اعطاک ما وعدک۔ (انفال۔ رکوع اول)

"نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ قافلہ پر بھی حملہ کیا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو پابہ زنجیر تھے' پکار کر کہا' یہ درست نہیں ہوگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیوں؟ تو حضرت عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے صرف ایک طائفہ کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جو وعدہ کیا ہے' وہ پورا کر دیا"۔

یہی روایت قدرے تفصیل کے ساتھ طبقات ابن سعد میں عکرمہ سے مروی ہے۔

بہرحال اس استدلال دوم کی بنیاد چونکہ صرف قیاس پر ہے' واقعیت پر مبنی نہیں ہے' نہ اس کے متعلق کوئی روایت اور تاریخی شہادت ہے' اس لیے یہ بھی اس مقصد کے اثبات میں ناکام ہے کہ مدینہ سے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نکلے تھے تو "عیر" کاروان تجارت کا مقابلہ مقصود نہ تھا بلکہ قریش کی اس جمعیت کا مقابلہ مقصود تھا جو جنگ کا سامان لے کر مکہ سے نکلی تھی۔

بخلاف اس کے ارباب سیر جو کچھ کہتے ہیں' اس کی دلیل میں وہ اثر اور تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں' لہٰذا ان کا دعویٰ مولانا" کے دعوئی کے مقابلہ میں مضبوط اور مدلل ہے۔

استدلال سوم:

"سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا

میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے: ایک قافلہ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروان تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا نے ان لوگوں پر ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا:

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔
(انفال۔ ع ۱' پ ۹)

"تم چاہتے ہو بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آجائے اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا جواب کیا ہوگا' میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳' ج ۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں قابل لحاظ دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مومنین میں ایک جماعت تھی جو کارہ تھی۔ سب کے سب کراہت میں مبتلا نہیں تھے جو قوی ہے۔ "وان فریقا من المومنین" کا اس میں جملہ مومنین کی طرف کراہت کا انتساب نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ "احدی الطائفتین" کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت "احدی الطائفتین" کا وعدہ کیا تھا (یعنی اس آیت کے نزول سے پہلے بذریعہ وحی غیر متلو کے رسول اللہ ﷺ کے لیے دو طائفوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا اور رسول نے تم سے اس وعدہ کو بیان کیا تھا) تمہاری یہ حالت تھی کہ تم بے کھٹکے والی جماعت کو چاہتے تھے یعنی تم سب کی خواہش مقابلہ عیر (یعنی کاروان تجارت) کی تھی اور سب اسی خواہش کو لے کر نکلے تھے جس پر "تودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم" دال ہے۔ اس میں نہ دو جماعت تھی' نہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا استثناء ہے۔

رہا ارادۂ خداوندی کا علم کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تو یہ اس آیت سے ہوا اور اس وقت ہوا جب کہ جنگ بدر کے بعد سلسلہ "انفال" ان آیات کا نزول ہوا، لہٰذا اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے انسان کانپ اٹھے۔

ہاں وعدۂ الٰہی کے علم کے بعد جس کی اطلاع مسلمانوں کو ذفران کی مجلس مشاورت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، مسلمانوں کی ایک جماعت نے قریش سے جنگ کے متعلق کراہت (ناپسندیدگی) کا اظہار کیا۔

حاصل یہ کہ ایک تو وہ حالت تھی جو ذفران کی مجلس مشاورت سے پہلے کی تھی، ایک وہ حالت تھی جو ذفران کی مجلس مشاورت کے بعد کی تھی۔ ذفران کی مجلس مشاورت سے پہلے سب کی مراد کاروان تجارت تھی، اور کسی کے دھیان میں بھی قریش کا جنگی طائفہ نہ تھا۔ ذفران پہنچ کر وعدۂ الٰہی کے علم کے بعد اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس بتانے کے بعد کہ اب مقابلہ کا معاملہ صرف عیر (کاروان تجارت) سے نہیں ہے بلکہ "احدی الطائفتین" سے ہے، مسلمانوں کی اکثریت نے پوری مستعدی کے ساتھ اخلاص سے اس کو لبیک کہا اور ایک جماعت نے کراہت کا اظہار کیا۔ ہاں روایت کا رخ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی طور پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو "احدی الطائفتین" کی تعیین کی بھی اطلاع یہاں ہوگئی تھی۔

بہرحال عام روایتوں کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ذفران سے پہلے کے ارادہ پر خداوندی ارادہ کے خلاف کوئی بات ماننی پڑتی ہے کیونکہ اس کا کسی کو علم ہی نہ تھا، جس کے تصور سے انسان کانپ اٹھے اور نہ عام روایتوں کی بنا پر ذفران کی مجلس شوریٰ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارادہ خداوندی کے خلاف کوئی بات ماننی پڑتی ہے جس سے انسان کانپ اٹھے، بلکہ عام روایت تو یہ کہتی ہے کہ ذفران میں کراہت کے اظہار کرنے والوں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم برہم ہوئے۔

بیضاوی میں ہے:

فقالوا یا رسول اللہ علیک بالعیر ودع العدو فغضب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

"لوگوں نے کہا: حضور! بس قافلہ ہی پر حملہ کیجئے اور دشمن کو چھوڑ

دیجئے، تو حضور ﷺ غصہ سے بھر گئے"۔

بہرحال یہ استدلال سوم بھی مغالطہ ہی مغالطہ رہا۔ کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو سکی کہ مسلمان مدینہ سے قریش کے جنگی طائفہ کے ارادہ سے نکلے تھے، جس کا ان کو علم بھی نہ تھا۔

استدلال چہارم:

"اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے اس سروسامان سے نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداء بھی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے۔ باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ۔ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ۔

"مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ تھی۔ وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتی تھی۔ گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں"۔

اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی۔ اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیے گئے تھے اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے۔ پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریش، مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہیں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۲، ج ۱)

یہ ہم بتا چکے ہیں کہ ارباب سیر یہ کہتے ہیں کہ کراہت، جدل، خوف و ہراس میں مبتلا ہونے کا واقع مدینہ سے نکلنے کے وقت کا نہیں ہے بلکہ اس وقت کا ہے جب بدر کے

قریب پہنچ کر ان کو یہ معلوم ہوا کہ اب مقابلہ کاروان تجارت سے نہیں ہے بلکہ "احدی الطائفتین" سے ہے۔ اس کو پیش نظر رکھ کر جواب ملاحظہ ہو۔

مولاناؒ لکھتے ہیں: "اب واقعہ کی نوعیت ملاحظہ ہو الخ" ارباب سیر کے نزدیک واقعہ کی نوعیت یہ ہے کہ کفار ایک ہزار ہیں اور جنگی سامان چاہے اسلحے ہوں یا زرہ ہوں یا سواری ہوں، یا رسد کا سامان ہو، سب چیزیں وافر ہیں۔ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ ہے۔ مکہ کے جتنے رؤساء اور ذمہ دار ہیں اور قریش کے جتنے جنگجو اور جانباز ہیں، الاماشاء اللہ سب کے سب شریک ہیں۔ روزانہ نو، دس اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ محفل نشاط کی گرم بازاری کے لیے شراب اور گانے والی اور بجانے والی عورتیں ساتھ ہیں۔

دوسری طرف مسلمان ہیں جو کل تین سو تیرہ ہیں۔ جنگی سامان کا حاصل یہ ہے کہ کل دو گھوڑے ہیں۔ ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو پورے اسلحے اور سامان جنگ اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ان کی یہ حالت تھی:

اللهم انهم حفاة فاحملهم اللهم انهم عراة فاكسهم اللهم انهم جياع فاشبعهم الخ۔ (تفسیر مظہری۔ ص ۱۶، ج ۴)

"اے اللہ! یہ لوگ پاپیادہ ہیں، ان کو سواری عنایت فرما۔ یہ لوگ ننگے ہیں، ان کو کپڑے پہنا۔ یہ بھوکے ہیں، ان کا پیٹ بھر"۔

یہ ننگے، بھوکوں کی جماعت تھی جن کو سواری بھی نصیب نہیں تھی۔ اب انسانی فطرت کے لحاظ سے یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ دل بیٹھ جائے، اور دل پر خوف طاری ہو جائے۔ یہ تو صحابہ کرام کی قوت ایمانی تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر، آپ ﷺ کی خوشنودی اور رضا پر، مٹھی بھر بے سروسامان لوگ، ایسی خونخوار فوج کے ایک ہزار جنگجو لوگوں سے سردھڑ کی بازی لگا کر مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے، جو اپنے سوا دوسروں کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ ان کو اپنا مقابل بنائیں۔

پھر اتنا تو مولاناؒ کو بھی اعتراف ہے کہ:

"قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مسلمان صرف تین سو تھے۔ قریش میں سو سوار تھے، مسلمانوں کی فوج

میں صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے پورے تھے۔ اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۰۴، ج ۱)

مولاناؒ کا یہ لکھنا کہ "اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی" تو اس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ خوف و اضطراب اس وقت نہیں تھا جب مدینہ سے بارادۂ قافلہ نکلے تھے۔ اس وقت ان کا حال یہ تھا:

انهم لم يظنوا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلق حربا.

"ان لوگوں نے یہ گمان ہی نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے دوچار ہوں گے"۔

تفسیر مظہری میں ہے:

اما وقت الخروج فكانوا راغبين فى الخروج الى العير طمعا فى المال مع عدم القتال۔ (ص ۱۷، ج ۴)

"مدینہ منورہ سے نکلتے وقت سب لوگ قافلہ کی طرف نکلنے میں رغبت رکھتے تھے کیونکہ اس میں بغیر جنگ کے مال کی توقع تھی"۔

یہ خوف و اضطراب اس وقت کی حالت ہے جب یہ معلوم ہوا کہ مقابلہ عیر (کاروان تجارت) سے نہیں ہے بلکہ "احدی الطائفتین" سے ہے۔

مولاناؒ کا یہ لکھنا "اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں" ایسی ذلت قلم ہے جس کی نسبت مولاناؒ کے قلم کی طرف کرتے ہوئے اپنا قلم سہم جاتا ہے۔ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے، ان کو "چیدہ اور منتخب فوج" کہنا واقعیت سے بالکل دور تر ہے۔ علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اقبال سفیان کی خبر پر جب مشورہ کی مجلس آپ ﷺ نے طلب فرمائی اور اخراج کے بعد لوگوں کو دعوت دی تو حالت یہ ہوئی کہ:

فانتدب الناس فخف بعضهم وثقل بعضهم وتخلف عنه بشر كثير وكان من تخلف لم يلم۔

وذالك انهم لم يظنوا ان رسول الله صلے الله عليه وسلم يلق حربا ولم يحتقل لها رسول الله صلے الله عليه وسلم احتقالا بليغا فقال من كان ظهره حاضرا فليركب معنا۔ فجعل رجال يستاذنونه فى ظهورهم فى علو المدينة قال لا الا من كان ظهره حاضرا۔ (تفسیر مظہری۔ ص ۱۱، ج ۴)

"لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا۔ بعض لوگ فوراً تیار ہو گئے اور بعضوں نے سستی کی اور بہت سے لوگ مدینہ میں رہ گئے اور جو لوگ پیچھے رہ گئے، ان پر ملامت نہیں کی گئی اور وہ لوگ اس وجہ سے پیچھے رہ گئے کہ انہوں نے خیال نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے دوچار ہوں گے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے متعلق خصوصی توجہ نہیں فرمائی۔ صرف یہ فرمایا کہ جس کی سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ ہو جائے۔ کچھ لوگوں نے اپنی ان سواریوں کے متعلق جو مدینہ کے بالائی حصہ کی جانب تھیں، لانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ بس جن کے پاس سواری موجود ہو وہ ساتھ ہو جائیں"۔

اور یہی بات ارباب سیر کہتے ہیں۔ لہٰذا اصحاب بدر کو چیدہ اور منتخب فوج قرار دینا واقعیت سے بالکل دور تر ہے۔

آخر میں مولاناؒ کا یہ نتیجہ نکالنا "یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آ گئی تھی کہ قریش، مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آ رہے ہیں"۔ اس کے متعلق ادب سے بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نتیجہ کی بنیاد بھی مغالطہ پر ہی ہے ورنہ استدلال چہارم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جو اس بات کی مرجوح دلیل بھی بنے کہ قریش کے مکہ سے نکلنے کی خبر مدینہ میں آ گئی تھی۔ قطعیت تو بہت دور کی بات ہے کیونکہ تاریخ کی تمام تصریحات تو یہ بتاتی ہیں کہ مکہ سے قریش کے نکلنے کی خبر آپ ﷺ کو مدینہ سے نکلنے کے بعد ملی۔

استدلال پنجم:

"قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ ﷺ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری تفسیر انفال میں تصریحاً مذکور ہے۔ آیت یہ ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً۔ (نساء۔ ع ۱۳، پ ۵)

"بجز معذوروں کے جو بیٹھ رہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، درجہ میں فضیلت دی ہے"۔

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی جو لوگ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور وہ جو شریک ہوئے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غیر اولی الضرر کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سن کر عبداللہ بن مکتوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا۔ اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا۔ "غیر اولی الضرر" یعنی معذوروں کے سوا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے"۔
(سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۲، ج ۱)

یہ پانچواں استدلال تو مغالطات کا مجموعہ ہے۔ پہلا مغالطہ تو یہ ہوا کہ یہ آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے حالانکہ اس کے متعلق کوئی روایت نہیں کہ اس آیت کا نزول بدر کے واقعہ کے متعلق ہے۔ دوسرا مغالطہ یہ ہوا کہ یہ آیت سورۂ انفال کی ہے، حالانکہ سورۂ انفال کی نہیں ہے بلکہ سورۂ نساء کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تو حکم عام سے افراد خاص کے متعلق حکم بیان کرنا ہے، نہ کہ شان نزول بیان کرنا۔ پھر جبکہ اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ "قاعدون عن بدر" اور "خارجون الی بدر" ممتاز ہو چکے تھے۔ یعنی جنگ بدر کے بعد تو یہ آیت اور یہ

شان نزول کیسے "صاف اس بات کی دلیل بن گئی" کہ مدینہ ہی میں معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔

استدلال ششم:

"کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر میں آئے' ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ۔ (انفال۔ ع٦' پ١٠)

"(ان لوگوں کی طرح نہ بنو) جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائشی اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے"۔

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے۔ اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے' جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا' اس لیے خدا نے اس کو غرور و نمائش اور صد عن سبیل اللہ کہا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ٣٢٣' ج١)

مولاناؒ کا یہ سوال کہ "خدا کیوں کہتا ہے؟" اس کیوں کا حل سیرت ابن ہشام میں موجود ہے:

"جب قریش کو ابوسفیان نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم کو اللہ نے بچالیا اور تم صرف قافلہ کو بچانے کے لیے نکلے تھے' اس لیے واپس آجاؤ' تو ابوجہل نے کہا کہ واللہ جب تک ہم بدر نہیں پہنچ جائیں گے نہیں لوٹیں گے۔ وہاں ہم تین دن رہیں گے۔ ذبح کرنے کے قابل جانوروں کو ذبح کریں گے' کھانا کھلائیں گے' شراب پلائیں گے' گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی' عرب میں ہماری شہرت ہوگی' ہمارا رعب و داب ان پر چھا جائے گا"۔ (ملخصاً)

اتنے صاف اور واضح بیان کے متعلق مجھ کو کچھ کہنا نہیں ہے کہ ابوجہل کے اس بیان میں اظہار شان ہے یا نہیں؟ دکھاوے کی بات ہے یا نہیں؟ اور اسلام کی ترقی کے انسداد کا منصوبہ ہے یا نہیں؟ ہاں اس جگہ مولاناؒ کے اس بیان پر کہ "درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کے لیے نکلے تھے" یہ پوچھنا ضروری ہے کہ کیا واقعیت مولاناؒ کے اس درحقیقت والے بیان کا ساتھ دیتی ہے جبکہ مولاناؒ کاروان تجارت کے متعلق جو شام گیا تھا' یہ لکھ چکے ہیں:

"حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا' اس لیے اب کے موسم میں قریش کا کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا۔ اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے' جس کے پاس جو رقم تھی' کل کی کل دے دی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں' جو کاروان تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں' ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ٢٩٣' ج١)

کیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ جس وقت ابوسفیان قافلہ تجارت لے کر شام جا رہا تھا' حملہ کے لیے مصارف جنگ کا بندوبست نہ تھا اور اس کو مہیا کرنے کے لیے ابوسفیان شام جا رہا ہے اور اس طرح جا رہا ہے کہ مکہ کی کل رقم اس کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ بروایت ابن سعد' جس کے پاس پانچ روپے تھے' وہ بھی اس کار خیر میں شریک ہوگیا۔ اب یک بیک تین مہینے کے اندر جبکہ ابوسفیان تجارتی قافلہ لے کر مکہ واپس بھی نہیں ہوا ہے' مدینہ پر حملہ کے لیے مصارف جنگ کا بندوبست ہوگیا---! دراصل یہ مولاناؒ کے قلم کی معجز نگاری ہے کہ جمادی الثانی میں ان کا قلم قریش کے لیے اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ حملہ کے لیے قریش کے پاس مصارف جنگ کا بندوبست نہ تھا۔ اس کے لیے وہ اپنی کل رقم ابوسفیان کو دے کر شام بھیج رہے ہیں اور رمضان میں' جبکہ قافلہ ابوسفیان مکہ واپس بھی نہیں ہوا ہے' ان کا قلم قریش کے لیے اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کے لیے نکلے تھے' جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا۔ یعنی ان کے پاس حملہ کے لیے مصارف جنگ کا پورا بندوبست تھا' جس کے زور پر وہ اس شان سے مدینہ حملہ کرنے کے لیے نکلے۔

یہاں پہنچ کر قرآن سے استدلال ختم ہوگیا۔ اب فیصلہ ارباب نظر پر ہے۔ ایک طرف مولاناؒ کے اپنے قیاسات ہیں جن کا حامل قرآن نہیں ہے' دوسری طرف صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں ہیں اور عام مورخین اور ارباب سیر کی متفقہ روایتیں ہیں۔

علامہ شبلیؒ کا احادیث سے استدلال:

"قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہے۔ احادیث کی متعدد کتابوں میں غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے لیکن کعب بن مالک والی حدیث کے سوا (جو بخاری شریف میں ہے) یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدر میں قریش کے قافلہ تجارت کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۴' ج ۱)

کعب بن مالک کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انما خرج النبی صلے اللہ علہ وسلم یرید عیر قریش حتیٰ جمع اللہ بینہ وبینھم علی غیر میعاد۔

(بخاری۔ باب قصہ غزوۂ بدر)

"نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے' یہاں تک کہ اچانک اللہ تعالٰی نے دونوں فریق کو مقابل بنا دیا"۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ "یرید عیر قریش" جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ عیر قریش کے ارادہ سے نکلے۔ یہی ترجمہ مولاناؒ نے بھی کیا ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ قافلہ تجارت کو لوٹنے کے لیے نکلے۔ اس لیے لوٹ کا انتساب کعب بن مالک کی حدیث کی طرف کرنا یا تو الزام ہوگا یا تحریف معنوی ہوگی۔ اور یہ دونوں باتیں علامہ شبلیؒ کے قلم کے لیے زیبا نہیں ہیں۔

رہا یہ امر کہ عیر کے ارادہ سے نکلے' اس کا کیا مقصد تھا؟ اس پر مفصل بحث پوری وضاحت کے ساتھ اس سے پہلے آچکی ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ قافلہ چونکہ مدینہ منورہ پر حملہ اور اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے شام سے جنگی سامان اور

مصارف جنگ لے کر آرہا تھا' اس لیے جنگی اصول پر یہ ضروری تھا کہ ان کا راستہ روکا جائے اور سامان جنگ اور مصارف جنگ پر قبضہ کر لیا جائے یا سب کو برباد کر دیا جائے۔ اس کا نام لوٹ نہیں ہے بلکہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر مظلوم جماعت کا یہ آئینی حق ہے کہ اپنی جان و مال کے غارت گروں کے ساتھ عملاً وہ ایسا کرے جنہوں نے تیرہ چودہ سال سے مسلسل مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کو مباح کر رکھا تھا۔

بہرحال مولاناؒ کو اس کا تو اعتراف ہے کہ بخاری شریف کی ایک صحیح حدیث اس پر ناطق ہے کہ آپ ﷺ عیر کے ارادہ سے نکلے تھے۔ وکفی بہ استدلالا"۔ لیکن کیا کسی حدیث سے' چاہے وہ ضعیف سے ضعیف ہی کیوں نہ ہو' یہ واقعہ ثابت ہے؟ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نفیر یعنی قافلہ قریش سے' جو مکہ سے آرہا تھا' اس سے جنگ کے لیے نکلے تھے۔ اگر نہیں ہے' جیسا کہ از ابتداء تا انتہا مولاناؒ کا پورا استدلال اس سے خالی ہے تو کسی جج کو خیالی بنیاد پر بغیر ثبوت یہ بات لکھنے کا حق ہے کہ آپ ﷺ قریش کے جنگی قافلہ کے لیے نکلے تھے حالانکہ متفقہ طور پر تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو مدینہ میں اہل مکہ کے نکلنے کی خبر تک نہیں تھی۔

اس کے بعد علامہؒ نے یہ لکھا ہے:

"کعب بن مالک کی حدیث متعدد وجوہ سے قابل بحث ہے۔

(۱) حضرت کعب بن مالک غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے' اس لیے ان کی روایت اس موقع پر مشاہدہ اور واقفیت کی روایت نہیں ہے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۳' ج ۱)

یہ کتنا بڑا شدید مغالطہ ہے کہ مولاناؒ کو یہ خیال نہ ہوا کہ حضرت کعب مدنی ہیں اور یہ واقعہ مدینہ کا ہے' اس لیے جو واقعہ مدینہ کا ہے' وہ خروج نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کر رہے ہیں' وہ واقعہ ان کے مشاہدہ اور واقفیت کی روایت ہے' لہٰذا یہ تنقید بالکل غلط اور بے محل ہے۔ حیرت ہے اتنی واضح اور کھلی ہوئی بات سے علامہؒ نے کیسے چشم پوشی کی۔ جبکہ اپنے منصب سے ہٹ کر جج (۲) کی حیثیت سے فصل مقدمہ کے لیے قلم ہاتھ میں لیا تھا۔

"(۲) اس واقعہ کی روایت سے ان کا "مقصود" یہ ہے کہ غزوۂ بدر کی اہمیت کم ہو جائے تاکہ عدم شرکت سے ان کا وزن کم نہ ہو"۔ (سیرۃ النبی۔

ص ۳۲۳، ج ۱)

اس تنقید میں ایک ایسے معزز صحابی کی نیت پر حملہ ہے جو عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھا۔ علامہ شبلیؒ کے ادب شناس قلم کے لیے یہ بات نہایت نازیبا ہی نہیں بلکہ مکروہ پس منظر بھی اپنی تنقید میں رکھتا ہے کہ عیاذاً باللہ کہ محض اس لیے کہ وزن کم نہ ہو، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ غلط بیانی کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلے تو تھے قریش کے جنگی قافلہ کے لیے، مگر اس کی جگہ پر کہہ دیا کہ آپ ﷺ کاروان تجارت کے ارادہ سے نکلے تھے۔ یہ ایک صحابی پر تنقید ہوئی یا تنقید سے ماوراء کچھ اور بات ہوئی؟ میرا قلم اس کے لکھنے سے تھراتا ہے۔

صحابہ کرام سے کسی معاملہ کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی تو ہو سکتی ہے، جو لوازم بشریت سے ہے مگر اجلہ صحابہ کی طرف فاسد غرض کے تحت دیدہ و دانستہ غلط بیانی اور کذب کا انتساب "الصحابہ کلھم عدول" کے منافی ہے اور یہی تمام محدثین اور علماء (۳) سلف کا مسئلہ ہے۔

اس کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"اس کے برخلاف حضرت انس کی حدیث ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۴، ج ۱)

یعنی کعب بن مالک کی حدیث تو یہ بتاتی ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے بارادہ عیر یعنی کاروان تجارت نکلے، مگر حضرت انسؓ کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس کے بعد مولاناؒ نے حدیث کے دو ٹکڑے پیش کیے ہیں اور یہ جتلا کر پیش کیے ہیں کہ یہ حدیث کعب بن مالک کے خلاف ہے۔ میں ہر ایک ٹکڑے کو ذیل میں مولاناؒ کے ترجمہ کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔ میں نے بہت غور کیا مگر یہ نہیں سمجھ سکا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کس طرح حضرت کعبؓ کی حدیث کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں حضرت انسؓ کی حدیث سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو حضرت کعبؓ کی حدیث سے معلوم ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت انسؓ کی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ:

"اقبالِ سفیان کی خبر پر آپ ﷺ نے مجلس مشاورت طلب کی اور مجلسِ مشاورت کے بعد جب انصار کی مرضی آپ ﷺ کو معلوم ہو گئی تو آپ ﷺ نے عمومی دعوت دی۔ اس دعوت پر لوگ نکلے اور بدر

پہنچے"۔

اس میں نفیر یعنی اہل مکہ کے خروج کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبال سفیان کی خبر پر اجتماع ہوا۔ اسی کے متعلق مشورہ ہوا، اسی کے متعلق لوگوں نے تائیدی تقریریں کیں، اسی کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی، اسی دعوت پر لوگ چل پڑے۔ تو یہ چل پڑنا قافلہ ابوسفیان کے لیے ہوا، نہ کہ اہل مکہ کے لیے، جن کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ "حتی نزلوا بدرا" کا مطلب وہی ہے جو مطلب "حتی جمع اللہ بینہ و بینھم علی غیر میعاد" کا ہے۔ یعنی چلے تو عیر کے ارادہ سے مگر انتہا اس کی یہ ہوئی کہ بدر پہنچے تو وہاں نفیر سے مقابلہ ہو گیا۔ بہرحال پہلا ٹکڑا حدیث کا، جس کو مولاناؒ نے لکھا ہے، یہ ہے:

(۱) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاورحین بلغہ اقبال ابی سفیان قال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ فتکلم عمر فاعرض عنہ فقام سعد بن عبادہ فقال ایانا ترید یا رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخفیھا البحر لاخضناھا ولو امرتنا ان نضرب اکبادھا الی برک انعماد لفعلنا، قال فندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس فانطلقوا حتی نزلوا بدرا۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۴، ج ۱)

(۱) "حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر بولے تو آپ ﷺ نے توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت عمر بولے، آپ ﷺ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ پھر سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف ہے۔ خدا کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپ ﷺ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے۔ اور اگر برک انعماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم کریں گے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو شرکت جنگ ("شرکت جنگ" کا فقرہ ترجمہ میں اضافہ ہے --- عبدالصمد رحمانی) کی

دعوت دی۔ لوگ چل پڑے اور بدر پر اترے"۔

اس حدیث میں صرف "فندب رسول الله" کا جملہ ہے، جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی"۔ ترجمہ میں جو "شرکت جنگ" کا فقرہ ہے، وہ مولاناؒ کا اپنا اضافہ ہے۔ اس کو ترجمہ سے نکال کر بار بار مولاناؒ کے ترجمہ کو پڑھئے۔ اس میں کہیں اس کی بو بھی معلوم نہیں ہوگی کہ قریش کے جنگی قافلہ کا کوئی ذکر بھی اس میں ہے۔ از ابتداء تا انتہا اس میں جو کچھ ہے، عیر کا یعنی ابوسفیان کے قافلے کے آنے کا ذکر ہے۔ اسی کے متعلق مشورہ ہے، اسی کے متعلق تقریریں ہیں، اسی کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے، اسی کے متعلق مدینہ سے چل پڑنے کا تذکرہ ہے۔ یہاں تک کہ لوگ بدر پر جا کر اترے۔

اب میری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث کے کس طرح خلاف ہے۔

یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں جو پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ انصار کی جانب سے یہاں تقریر سعد بن عبادہ کی ہے جو مدینہ میں تھے اور بدر نہیں گئے تھے اور ذفران میں جو مجلس مشاورت ہوئی تھی، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، وہاں تقریر سعدؓ بن معاذ کی ہے جو بدر میں شریک تھے۔ دوسری بات یہ کہ مجلس مشاورت کے بعد یہاں عمومی دعوت کا ذکر ہے کیونکہ یہ مجلس مشاورت مدینہ میں ہوئی تھی اور ذفران کے موقع میں دعوت کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہاں دعوت عمومی کا موقع ہی نہیں تھا بلکہ جو لوگ موجود تھے، ان سے پیش آمدہ حالت کے متعلق پوچھنا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ تیسری بات یہ کہ یہاں جو کچھ مشورہ ہوا، اس کا تعلق ابوسفیان سے ہے یعنی عیر سے ہے۔ یہاں نفیر یعنی قریش کے جنگی طائفہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ چوتھی بات یہ کہ یہاں کراہت اور جدل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کراہت اور جدل کا ذکر ذفران کی مجلس مشاورت میں ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن مجید میں جس کراہت اور جدل کا ذکر ہے، اس کا تعلق ذفران کی مجلس مشاورت کے واقعہ سے ہے، مدینہ منورہ کی مجلس مشاورت سے نہیں ہے۔ ورنہ یہاں بھی اس کا ذکر آتا جیسا کہ ذفران کے موقع میں اس کا ذکر ہے۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا، جس کو مولاناؒ نے لکھا ہے، یہ ہے:

(۲) وردت علیهم وایا قریش و فیهم غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوه فکان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یسئالون عن ابی سفیان واصحابه فیقول مالی علم بابی سفیان ولکن هذا ابوجهل و عتبه و شیبه و امیه بن خلف فاذا قال ذالک ضربوه فقال نعم انا اخبرکم هذا ابوسفیان فاذا ترکوه فقال ما بی بابی سفیان من علم هذا ابوجهل...... ورسول الله قائم یصلی فلما راے ذالک الضرب قال والذی نفسی بیده لتضربوه اذا صدقکم وتترکوه اذا کذبکم۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۵، ج ۱)

(۲) "اور پہلے قریش کا ہراول آکر اترا۔ اس میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا۔ مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف آرہے ہیں۔ جب وہ یہ کہتا لوگ اس کو مارتے۔ وہ کہتا اچھا ابوسفیان کو بتاتا ہوں۔ تب اس کو چھوڑ دیتے۔ تو پھر وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان کی خبر نہیں ہے۔ لیکن ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آرہے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو"۔

اب اس ٹکڑے کو بھی بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ اس میں کوئی تذکرہ اس کا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے جب چلے تو اس ارادہ سے چلے کہ اہل مکہ کے جنگی قافلہ سے مقابلہ کرنا ہے اور جان دینا ہے اور جب اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے تو پھر حدیث کا یہ ٹکڑا حضرت کعبؓ کی حدیث کے خلاف کس طرح ہوا۔۔۔ اب ان دونوں ٹکڑوں کے نقل کے بعد مولاناؒ نے اس پر جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی پڑھئے۔

"حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا، اسی وقت آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا

اور انصار سے اعانت کی خواہش کی"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۵، ج ۱)

بے شک یہاں تک مولاناؒ نے جو کچھ لکھا بالکل درست ہے۔ یہی حدیث کا ظاہر اور واضح مطلب ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابو سفیان کی آمد کا حال مدینہ میں معلوم ہو چکا تھا۔ اس بنا پر محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ ﷺ نے انصار سے مدینہ میں خواہش ظاہر کی تھی ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا، جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے، تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟" (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۵، ج ۱)

بے شک یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابو سفیان کی واپسی کا حال مدینہ میں معلوم ہو چکا تھا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ابو سفیان کے پہنچ جانے کا حال مدینہ میں معلوم ہو چکا تھا۔ آمد سے مراد مولاناؒ کی عبارت میں اگر واپسی ہے تو بالکل درست ہے اور اگر اس سے مراد پہنچ جانا ہے تو بالکل غلط ہے۔ اس کے بعد مولاناؒ کا یہ لکھنا کہ اس بنا پر محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ ﷺ نے انصار سے مدینہ میں خواہش ظاہر کی تھی۔ "اس غزوہ" سے مراد اگر مقابلہ عیر ہے تو بالکل درست ہے اور اگر مقابلہ نفیر ہے تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مدینہ میں نفیر کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا، جس کے متعلق بار بار ہم تنبیہ کر چکے ہیں۔

اس کے بعد مولاناؒ کا یہ لکھنا "ورنہ باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے الخ" بالکل بے ربط بات ہے۔ واقعہ کی صحیح تصویر تو یہ ہے کہ کتب سیر میں دعوت کا ذکر مدینہ سے باہر نکلنے پر نہیں ہے بلکہ اقبال ابو سفیان کی خبر پر جو مجلس مشورہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں طلب فرمائی، اس میں دعوت کا ذکر ہے اور اس کے متعلق ابن ہشام اور ابن سعد کا حوالہ گزر چکا ہے۔ ورق لوٹ کر دیکھ لیا جائے اور باہر نکل کر جو معاملہ ذفران میں پیش آیا، اس میں دعوت کا ذکر نہیں ہے۔ ذفران کی مجلس شوریٰ کی روئیداد چند ورق پہلے ابن ہشام سے گزر چکی ہے، دیکھ لی جائے۔ اس میں دعوت کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح ابن سعد میں جو ذفران کی مجلس شوریٰ کی روئیداد ہے، اس میں بھی دعوت کا ذکر نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ذفران کی مجلس شوریٰ کی روئیداد یوں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو قریش کی روانگی کی خبر آئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو اس سے آگاہ کیا اور ان سے مشورہ لیا۔ المقداد بن عمرو البہرانی نے عرض کی کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، اگر آپ ﷺ ہمیں برک الغماد تک لے جائیں گے تو ہم ضرور آپ ﷺ کے ساتھ چلیں گے، یہاں تک کہ وہاں پہنچ جائیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مشورہ دو۔ آپ ﷺ کی مراد انصار سے تھی۔ سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور عرض کی، میں انصار کی طرف سے جواب دیتا ہوں یا رسول اللہ! شاید آپ ﷺ کی مراد ہم سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے جو کچھ قصد فرمایا، اسے جاری رکھئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، اگر آپ ﷺ سمندر میں پیش قدمی کرنا چاہیں گے اور اس میں داخل ہوں گے تو ہم بھی ضرور اس طرح آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہوں گے کہ ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی برکت کے ساتھ چلو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ بخدا میں اس قوم کے پچھڑنے کی جگہ دیکھ رہا ہوں"۔

بہرحال ذفران کی مجلس مشاورت میں دعوت (۴) کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر مولاناؒ اپنی طرف سے اس مجلس مشاورت کے سر پر دعوت تھوپ رہے ہیں اور دعوت تھوپ کر یہ الزام رکھ رہے ہیں کہ ذفران کی مجلس مشاورت میں دعوت خروج کا کیا موقع ہے جبکہ وہ مدینہ سے خروج کر کے ذفران تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ تو بالکل مجنونانہ بات ہے۔ مولاناؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"اور نیز اس ٹکڑے میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی۔ حالانکہ ارباب سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا چاہیے کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کا عندیہ

دریافت فرمایا اور اسی کے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا
ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے"۔

اسی ٹکڑے سے مراد اگر حضرت انسؓ کی روایت ہے یعنی حضرت انسؓ کی روایت
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو شرکت
کی دعوت دی، تو یہ بالکل درست ہے اور یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے۔ ارباب سیر بھی
یہی کہتے ہیں کہ مدینہ میں آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی۔ طبری کے یہ الفاظ گزر
چکے ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی شام سے واپسی کی
خبر سنی تو مسلمانوں کو دعوت دی کہ یہ قریش کا وہ قافلہ ہے کہ اس میں ان کی
پونجی ہے۔ ان کی طرف نکلو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تم کو نوازش فرما دے۔
لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی۔ بعض لوگ فورا
تیار ہو گئے اور بعضوں نے سستی کو راہ دی"۔

اب ارباب سیر پر یہ کیسے تھوپا جا رہا ہے کہ "ارباب سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا
چاہیے کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے۔ آنحضرت
ﷺ نے ان کا عندیہ دریافت فرمایا"۔ ابھی معاہدہ اور معمول کے خلاف نکلے کہاں
ہیں۔ ابھی تو مدینہ ہی میں ہیں اور آپ ﷺ قافلہ ابوسفیان کی خبر دے کر اس کی
طرف نکلنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ کی ترغیب کو لوگوں نے سن لیا
تو "فانتدب الناس" لوگوں نے آپ ﷺ کی ترغیب کو قبول کر لیا۔ بعض
خروج پر فورا تیار ہو گئے اور بعضوں نے پہلوتہی کی۔

یہ اعتراض اور الزام مولاناؒ کا جب درست ہوتا کہ ارباب سیر مدینہ سے نکلنے کے
بعد ذفران کی مجلس مشاورت میں دعوت کا ذکر کرتے کہ نکلنے کے بعد اور اتنی مسافت
طے کرنے اور بدر کے قریب پہنچ جانے کے بعد اب دعوت خروج کے کیا معنی ہو سکتے
ہیں۔ یہ تو مجنونانہ بات ہے۔

مگر ارباب سیر نے ذفران کی مجلس مشاورت میں اس دعوت کا ذکر نہیں کیا ہے۔
ذفران میں تو صرف یہ ہے کہ نفیر کی خبر پر جب آپ ﷺ نے ان کا آئیڈیا لیا اور
ذمہ دار لوگوں نے پوری مستعدی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے دعائیں دیں اور فرمایا

بڑھو۔

بہرحال فصل مقدمہ کی یہ صورت کہ اپنے فریق پر غیر واقعی الزام رکھ کر ان کو مجرم
ٹھہرایا جائے اور اس کا نام "حق" رکھا جائے، ایک جج کے منصب سے فروتر بات ہے
جس کی امید علامہ شبلیؒ کے قلم سے نہ تھی۔ یہاں پہنچ کر حدیث کے پہلے ٹکڑے پر مولاناؒ
کا تبصرہ ختم ہو گیا۔ اب حدیث کے دوسرے ٹکڑے کے متعلق فرماتے ہیں۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا:

"حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بوضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی
سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے"۔ (سیرۃ
النبی۔ ص ۳۲۶، ج ۱)

میں کہتا ہوں کہ قریش کے ہراول کے واقعہ سے بھی پہلے ذفران کی مجلس مشاورت
ہی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ارشاد فرمائے تھے، اسی سے محقق
طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو خصوصی طور پر وہیں اس کی اطلاع مل چکی تھی
کہ مقابلہ اب قریش کی جنگی فوج سے ہونا ہے۔ اس کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ
فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں ایک گرہ اور کھولنا ہے۔ اگر پہلے ابوسفیان کا آنا معلوم
ہوا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اصرار اور سروسامان سے کیوں
اجتماع کا اہتمام فرماتے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۶، ج ۱)

"اصرار" اور "سروسامان" کا اہتمام آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟ اس کا اندازہ
اس سے کیجئے کہ "سروسامان" کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ ایک ہزار کے مقابلہ میں
۳۱۳ آدمی تھے۔ یہ کتنا بڑا اہتمام تھا؟ ایک سو سواروں کے رسالہ کے مقابلہ میں کل دو
گھوڑے تھے۔ یہ کتنا بڑا اہتمام تھا؟ یہاں کل کائنات ستر اونٹ تھے، وہاں صرف کھانے
پر روزانہ نو، دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ یہ کتنا بڑا اہتمام تھا؟ یہاں کسی سپاہی کے
پاس پورے اسلحہ جنگ نہ تھے اور وہاں ہر شخص پورے اسلحہ جنگ سے لیس تھا۔ یہ کتنا
بڑا اہتمام تھا؟

پھر "اصرار" کا حال یہ تھا کہ نہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف توجہ فرمائی کہ کون شریک خروج ہوتا ہے اور کون نہیں؟ جس کے جی میں آیا' شریک ہوا اور جس کے جی میں نہیں شریک ہونا ہوا' نہ شریک ہوا۔ نہ کسی پر آپ ﷺ نے عتاب فرمایا' نہ کسی پر ملامت کی بلکہ جس نے یہ کہا کہ حضرت میری سواری عوالی مدینہ میں ہے' اجازت دی جائے کہ لے آؤں۔ تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔ اور فرمایا کہ بس جس کے پاس سواری ہو وہ شریک ہو جائے۔ یہ کتنا بڑا اصرار پر اہتمام تھا؟ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کی یہ روایت ہے:

قال البغوی قال ابن عباس و ابن الزبیر و محمد بن اسحاق والسدی اقبل ابوسفیان من الشام فی اربعین راکبا من کبار قریش فیهم عمرو بن العاص و مخرمه بن نوفل الزهری فندب رسول الله صلے الله علیه وسلم للخروج معه وقال هذه عیر قریش فیها اموالهم لعل الله ان یغنمکموها فانتدب الناس فخف بعضهم و ثقل بعضهم و تخلف عنه بشر کثیر و کان من تخلف لم یلم و ذالک انهم لم یظنوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یلق حربا ولم یحتقل لها رسول الله صلے الله علیه وسلم احتقالا بلیغا فقال من کان ظهره حاضرا فلیرکب معنا فجعل رجال یستاذنونه فی ظهورهم فی علو المدینة قال الامن کان ظهره حاضرا۔ (ص۹۱' ج۴)

"علامہ بغوی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس' ابن زبیر' محمد بن اسحاق اور سدی کا قول ہے کہ شام سے ابوسفیان واپس ہوا تو اس کے قافلہ میں قریش کے بڑے بڑے چالیس آدمی تھے۔ ان ہی میں عمرو بن العاص' مخرمہ بن نوفل بھی تھے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ ہے۔ اس میں ان کی پونجی ہے۔ تم لوگ اس کی طرف نکلو شاید یہ سب مال اللہ تم کو نوازش فرمادیں۔ لوگوں

نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کرلی۔ بعض لوگ فوراً تیار ہوگئے۔ بعض نے سستی سے کام لیا۔ بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے۔ پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت نہیں کی گئی اور یہ اس لیے کہ ان لوگوں کا یہ گمان تھا کہ حضور ﷺ جنگ سے دوچار نہیں ہوں گے اور اس کی طرف آپ ﷺ نے خصوصی توجہ بھی نہ دی۔ فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہو' وہ ہمارے ساتھ ہو جائے۔ کچھ لوگوں نے جن کی سواری مدینہ کے بالائی حصہ میں تھی' سواری کے بارے میں اجازت چاہی۔ فرمایا بس جس کی سواری موجود ہو صرف وہ ساتھ ہو جائے"۔

جس طرح ارباب سیر یہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شریک نہ ہونے والے پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ بخاری شریف کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے نہیں شریک ہونے والوں میں سے کسی پر عتاب نہیں فرمایا۔

عن عبدالله بن کعب قال کعب لم اتخلف عن رسول الله صلے الله علیه وسلم فی غزوة غزاها الا غزوة تبوک غیر انی کنت اتخلف فی غزوة بدر لم یعاتب احد تخلف عنها۔ انما حرج النبی صلے الله علیه وسلم یرید عیر قریش۔ (بخاری۔ باب قصہ غزوۂ بدر)

"حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تخلف نہیں کیا یعنی ہر غزوہ میں شریک رہا۔ سوا اس کے کہ بدر میں پیچھے رہ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے رہنے والوں میں سے کسی پر عتاب نہیں فرمایا' اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے"۔

رہا یہ کہ اجتماع کا اہتمام کیوں فرمایا؟ اور مجلس شوریٰ کو منعقد کیوں فرمایا؟ ور ...میت سے اس مجلس شوریٰ میں آپ ﷺ کی خواہش انصار کی رضامندی کی ...کیوں ہوئی؟ اس کے متعلق امام نووی کی تصریح گزر چکی ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ ...رنا ضروری تھا۔۔۔ اس کے بعد مولاناؒ نے لکھا ہے:

"اس لیے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ ہو"

جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۶، ج ۱)

یہ صحیحین کی روایت کی اصلاح ہے کہ بخاری و مسلم کی روایت میں جو یہ ہے کہ "شاور حین بلغه اقبال ابو سفیان" یہ غلط ہے۔ بلکہ بجائے اس کے یہ صحیح ہے یعنی راوی کو یوں کہنا چاہیے "شاور حین بلغه اقبال قریش" یعنی راوی نے جو یہ روایت کی ہے کہ جب ابو سفیان کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے مشورہ فرمایا' یہ راوی کی غلطی ہے' بلکہ راوی کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "جب قریش کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے مشورہ فرمایا اور اس اصلاح کی بنیاد موقع کا اقتضاء ہے"۔ اور یہ وہ موقع ہے جس کو تیرہ سو برس کے بعد آج صرف مولاناؒ نے سمجھا ہے۔

اس کے بعد مولاناؒ لکھتے ہیں:

"چنانچہ اسی واقعہ کو انہی الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل نے "مسند" میں' ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں' ابن جریر نے "تاریخ" میں اور بیہقی نے "دلائل" میں روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب ہیں:

عن علی قال لما قدمنا المدینة اصبنا من ثمارها فاجتویناها واصابنا بها وعك وكان النبی صلی الله علیه وسلم یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشركین قد اقبلوا سار رسول الله صلی الله علیه وسلم الی بدر وبدر بئر فسبقنا المشركین الیها۔

(سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۷، ج ۱)

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے' اس لیے ہم لوگ بیمار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے۔ جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آ رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے۔ بدر ایک کنواں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے"۔

اس کے جواب میں مجھ کو کچھ کہنا نہیں ہے' بلکہ مولاناؒ کے اصول نمبر ۲ کو پیش کرنا

ہے کہ:

"کتب حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے' اس کا لحاظ رکھا جائے گا"۔

یہاں مولاناؒ نے چونکہ خود اپنے اصول کے خلاف کیا ہے کہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابلہ میں غیر متفق علیہ روایت سے استدلال کیا ہے' لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے اور علم کے دربار میں لائق اعتبار اور درخور اعتناء نہیں ہے۔

اس حدیث کو نقل کر کے مولاناؒ لکھتے ہیں:

"اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ ﷺ نکلے تھے اور بدر پر آ کر قیام فرمایا تھا۔ اس پوری حدیث میں ابو سفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۷، ج ۱)

حالانکہ حدیث میں صرف "مشرکین" کا لفظ ہے "مکہ" کا لفظ نہیں ہے اور مشرکین سے مراد عیر یعنی قافلہ ابو سفیان ہے' نہ کہ مکہ کی جنگی فوج۔ "ابن سعد" نے عیر والوں پر مشرکین کے لفظ کا اطلاق کیا ہے' لہٰذا ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ مشرکین کے لفظ سے وہ چالیس کبار قریش مراد نہیں لیے جا سکتے ہیں جو قافلہ ابو سفیان میں تھے' بلکہ وہ کبار قریش ہی مراد ہو سکتے ہیں جو مکہ سے طلبی پر آئے تھے۔

پھر مولاناؒ کا اس طرح استدلال کرنا "کہ اس پوری حدیث میں ابو سفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں" یہ جب اچھا معلوم ہوتا اور درخور اعتناء ہوتا کہ اس پوری حدیث میں صراحتاً مکہ کی جنگی فوج کا ذکر ہوتا۔ بہرحال مبہم روایت سے صریح روایت رد' کمزور روایت سے قوی روایت کا رد' ایسا مذموم طریقہ ہے جو ایک عام منصف کے منصب کے بھی خلاف ہے۔ مجھ کو حیرت ہے کہ ایسی حالت میں کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کا قلم ایک جج کے قلم کی حیثیت سے محققانہ فیصلہ لکھ رہا ہے' اس طریقہ کو کیسے گوارا کیا!

اس کے بعد مولاناؒ نے لکھا ہے:

"ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۷، ج ۱)

نصوص قطعی سے استدلال کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ اب لیطمئن قلبی کے طور پر مولاناؒ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حال اسی سے سمجھ لیا جائے کہ کیا ہوگا؟ اس لیے ہم ان واقعات کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم کو اس کا احساس ہے کہ یہ بحث بیچ میں اس طرح آ گئی کہ ہم اپنے مقصد سے دور تر ہوتے گئے۔

بہرحال ہم بیان کر رہے تھے کہ ذفران کی مجلس مشاورت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بڑھو اور بشارت حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ بخدا گویا میں اسی وقت قوم کے پچھڑنے کی جگہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ ابن ہشام میں ہے:

وہاں سے چل کر الاصافر، الدبہ، الحنان سے گزرتے ہوئے بدر کے قریب نزول فرمایا اور حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کو بدر کے چشمہ کی جانب بھیجا کہ مشرکین کی خبر معلوم کریں۔ ان لوگوں کو پانی لے جانے والی ایک جماعت ملی۔ اس میں بنی حجاج کا غلام اسلم اور بنی العاص کا غلام ابو یسار بھی تھے۔ یہ لوگ ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے اور ان سے ابو سفیان کا حال پوچھنے لگے۔ تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ آخر ان دونوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کم القوم؟" (یہ لوگ کتنے ہیں؟)

انہوں نے کہا: "بہت ہیں" --- پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

"ما عدتھم؟" (ان کی تعداد کیا ہے؟)

انہوں نے کہا: "ہم کو معلوم نہیں"۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا:

"کم ینحرون کل یوم؟" (روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟)

انہوں نے کہا: "کسی روز نو، کسی روز دس"۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"القوم ما بین التسع مائة والالف"۔ (یہ لوگ نو سو اور ہزار کے درمیان ہیں)۔ پھر پوچھا:

"فمن فیھم من اشراف قریش؟" (ان میں قریش کے سربر آوردہ لوگوں میں سے کون کون ہیں؟)

انہوں نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، الحارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، النضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابو جہل بن

ہشام، امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ، منبہ اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبد"۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

ھذہ مکة قد القت اغلاذ کبدھا۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴، ج ۲)

"مکہ نے تمہاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیے ہیں"۔

ابو سفیان شام سے واپسی پر جب بدر کے قریب پہنچا اور اس کو سن گن لگ گئی تو قافلہ کا رخ ساحل کی طرف کر دیا اور بدر کو بائیں جانب چھوڑ کر تیزی سے چلا گیا۔ جب ابو سفیان نے قافلہ کو بچا لیا تو قریش کو کہلا بھیجا کہ ہم تو اپنے قافلہ، اپنے لوگوں اور اپنے مال کو بچانے کے لیے نکلے تھے، سب کو اللہ نے بچا لیا، اس لیے واپس آ جاؤ۔ لیکن ابو جہل نے انکار کر دیا اور کہا کہ واللہ جب تک ہم بدر نہ پہنچ لیں گے، نہیں لوٹیں گے۔ وہاں ہم تین دن قیام کریں گے۔ ذبح کرنے کے قابل اونٹوں کو ذبح کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی۔ عرب میں ہماری شہرت ہوگی۔ ہمارے پہنچنے اور ہمارے اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی۔ ہمارا رعب و داب ان پر چھا جائے گا۔

ابو سفیان کی اس خبر پر بنی عدی بن کعب نے مکہ کا رخ کیا اور اخنس بن شریق کے کہنے پر ان کے حلیف بنی زہرہ لوٹ گئے اور جنگ بدر میں ان دونوں قبیلوں میں سے ایک آدمی بھی شریک نہ ہوا۔ اخنس نے بنی زہرہ سے کہا:

"اے بنی زہرہ! اللہ نے تمہارے لیے تمہارا مال بچا لیا اور تمہارے لیے تمہارے دوست مخرمہ بن نوفل کو بچا لیا۔ تم تو صرف اپنے آپ کو اور اپنے مال کو بچانے کے لیے نکلے تھے، اس لیے اگر کوئی بزدلی کا الزام لگائے تو وہ الزام مجھ پر لگاؤ اور لوٹ چلو کیونکہ نقصان نہ ہونے کی صورت میں نکلنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں اور ایسا نہ کرو جیسا کہ یہ شخص کہتا ہے یعنی ابو جہل۔ آخر وہ لوگ لوٹ گئے"۔ (ابن ہشام۔ ص ۱۴، ج ۲)

طبقات میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جہاں اتر پڑے تھے، اس کے متعلق حباب ابن منذر نے پوچھا کہ اس جگہ کا انتخاب وحی الٰہی کی بنا پر ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے متعلق وحی الٰہی نہیں ہے۔ حباب نے کہا کہ ایسے مقام

پر تشریف لے چلیں جہاں پانی قریب ہو۔ مجھے اس جگہ کا اور وہاں کے کنویں کا علم ہے۔
یہاں ایک کنواں ہے جس کی شیرینی کو میں جانتا ہوں اور وہ ٹوٹتا نہیں۔ ہم اس پر حوض
بنالیں گے۔ خود سیراب ہوں گے اور قتال کریں گے اور اس کے سوا باقی کنوؤں کو پاٹ
دیں گے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اس پر عمل کیا گیا اور
وہاں جاکر قیام کیا۔ جب قریش کے چند لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حوض پر
پانی کے لیے آئے تو اس میں حکیم بن حزام بھی تھے۔ ابن ہشام میں ہے کہ آپ ﷺ
نے فرمایا: "دعوھم" (انہیں پانی پینے کے لیے چھوڑ دو)۔

قریش نے بدر پہنچ کر عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی حالت معلوم کرنے کے لیے
بھیجا۔ انہوں نے مسلمانوں کی فوج کا چکر کاٹ کر آکر خبر دی کہ وہ تین سو سے کچھ زیادہ یا
کچھ کم ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہر جاؤ کہ میں یہ اندازہ کرلوں کہ ان کی کوئی جماعت یا کوئی مدد
چھپی ہوئی کمین گاہ میں تو نہیں ہے۔ وہ اس انداز میں دور تک چلا گیا اور آکر کہا:

قد رأیت یا معشر قریش البلایا تحمل المنایا۔
نواضح یثرب تحمل الموت الناقع قوم لیس لهم
منعة ولا ملجاء الا سیوفهم والله ما اری ان یقتل
رجل منهم حتی یقتل رجل منکم فاذا اصابوا منکم
اعدادهم فما خیر العیش بعد ذالک فراو رایکم۔ (ابن
ہشام۔ ص ۱۶، ج ۲)

"اے قریشیو! میں نے دیکھا، بلائیں موت کو اٹھائے لا رہی ہیں۔ یثرب
کی اونٹنیاں خالص موت کو اٹھائے ہوئے لا رہی ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ
ان کے لیے بجز ان کی تلواروں کے نہ کوئی حفاظت کا سامان ہے نہ کوئی پناہ گاہ
ہے۔ میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ ان میں کا کوئی شخص تم میں سے کسی شخص
کو قتل کیے بغیر قتل نہ ہوگا۔ اور جب وہ لوگ اپنی تعداد کے برابر تم میں سے
ختم کردیں گے تو اس کے بعد کونسی زندگی کی بھلائی رہ جائے گی۔ اب تم سوچو
اور رائے کرو"۔

یثرب کی اونٹنیوں پر موتیں سوار ہیں، اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں: (۱) ان سواروں
نے جان دینے اور مرنے کا تہیہ کرلیا ہے اور وہ مرنے کے لیے آئے۔ (۲) یا ان

اونٹنیوں پر مسلمان سوار نہیں ہیں بلکہ یہ تمہاری موتیں ہیں۔ یعنی تم کامیاب نہیں
ہوسکتے۔ وہ تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس قوم نے سمجھ لیا ہے کہ نہ
ہمارا کوئی معاون مددگار ہے اور نہ ہمارے لیے پناہ گاہ ہے، ہاں جو کچھ ہیں وہ ہماری
تلواریں ہیں۔

حکیم بن حزام نے جب یہ سنا تو وہ لوگوں میں گھومنے لگا اور عتبہ بن ربیعہ (جو سردار
فوج تھا) اس سے کہا کہ ابو ولید تم قریش کے بڑے آدمی اور سردار ہو۔ سب لوگ
تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ایسی بات کرو کہ ہمیشہ تمہارا ذکر خیر باقی
رہے۔ عتبہ نے کہا: وہ کیا بات ہے؟ حکیم نے کہا: عمرو بن الحضرمی تمہارا حلیف ہے۔ تم
حضرمی کا خون بہا ادا کردو اور سب لوگوں کو محفوظ اور مصئون لے کر لوٹ جاؤ۔ عتبہ نے
کہا: مجھے منظور ہے، میں خون بہا بھی ادا کردوں گا اور جس قدر بھی مال لوٹا گیا ہے، وہ
بھی میرے ذمہ ہے۔ تم ابن الحنظلیہ یعنی ابو جہل کے پاس جاؤ (ابو جہل کی ماں کا نام حنظلیہ
تھا) کیونکہ اس کے سوا اور کسی سے پھوٹ ڈالنے کا ڈر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر عتبہ نے
کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

"اے گروہ قریش! تم محمد اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کرکے کیا نفع
اٹھاؤ گے۔ واللہ اگر تم لوگوں نے ان لوگوں کو بھی مار ڈالا، تو یاد رکھو، ہمیشہ
کے لیے ہر ایک شخص ایک دوسرے کی صورت دیکھنے سے (اس لیے) بیزار
رہے گا کہ اس نے اپنے چچازاد بھائی، یا خالہ زاد بھائی، یا اس کے خاندان کے
کسی شخص کو مار ڈالا ہے، لہذا پلٹ چلو اور محمد ﷺ کو تم تمام عرب کے
مقابلہ میں چھوڑ دو۔ اگر انہوں نے محمد ﷺ کو مار ڈالا تو یہ وہی بات ہوگی
جو تم چاہتے ہو اور اگر اس کے سوا کوئی اور صورت ہوئی تو وہ تمہاری توانائی
کا موجب ہوگا اور آج جو تم چاہتے ہو، عملاً پسند نہ کرو گے"۔

ابو جہل نے عتبہ کا پیغام سن کر کہا واللہ جب سے عتبہ نے محمد ﷺ اور اس کے
ساتھیوں کو دیکھا ہے، اس کا پھیپھڑا اور سینہ پھول گیا ہے۔ یعنی خوف زدہ ہوگیا ہے۔
واللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور جب تک ہم میں اور محمد میں اللہ فیصلہ نہ کردے گا، ہم واپس
نہیں ہوں گے۔ عتبہ نے جو کچھ کہا ہے صرف اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے دیکھ لیا
ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی گوشت کا ایک لقمہ (۵) ہیں، اور اسی میں اس کا بیٹا بھی

ہے۔

یہ کہہ کر اس نے عامر بن الحضرمی کو پیغام دے کر بلایا اور کہا کہ دیکھو خود تمہارے حلیف کے ہاتھوں تمہارا خون آنکھوں کے سامنے نکل رہا ہے۔ اس نے عامر سے کہا کہ تو اپنے بھائی عمرو کا نام لے کر فریاد کر۔ عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور "واعمرہ" "واعمرہ" کا نعرہ مارنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فوج میں آگ لگ گئی اور معاملہ سنجیدگی کے ساتھ نہ سوچنے کے قابل رہا، نہ سلجھنے کے قابل اور لوگ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے، جنگ چھڑ جانے سے پہلے حضرت سعد بن معاذؓ نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کے لیے ایک سائبان تیار کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں۔ آپ ﷺ کے پاس ہی آپ ﷺ کی سواریاں تیار رہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے دشمن سے مقابلہ کریں۔ پھر اگر اللہ نے ہمیں فتح عنایت فرمایا تو ہمارا مقصد حاصل ہو گیا اور اگر کوئی دوسری صورت پیش آئی تو آپ ﷺ اپنی سواری پر ہماری قوم کے ان لوگوں سے مل جائیں گے، جو ہمارے پیچھے ہیں، پھر ان پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا:

"یا نبی اللہ! (٦) بہت سے ایسے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ آنے سے چھوٹ گئے ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت میں ہم ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ آپ ﷺ کو جنگ کرنی ہوگی تو وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے نہ رہ جاتے۔ اللہ ان کے ذریعہ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا، وہ آپ ﷺ کے خیر خواہ رہیں گے۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کریں گے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے بھلائی کی دعا کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے سائبان بنایا گیا۔ آپ ﷺ اس میں تشریف لے گئے۔

طبقات میں ہے سعد بن معاذؓ دروازہ پر تلوار لگا کر کھڑے ہو گئے۔

جب صبح ہوئی تو قبل اس کے کہ قریش سامنے آئیں، آپ ﷺ نے اصحاب کی صف بستہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تیر تھا۔ اس سے اشارہ کر کے

جاتے تھے کہ تم آگے بڑھو، تم پیچھے ہٹو۔ یہاں تک کہ تیر کی طرح سب برابر ہو گئے۔

یک بیک تین مرتبہ زور کی ہوا آئی۔ پہلی ہوا میں جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ تھے۔ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جلو میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری ہوا میں میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تھے۔ وہ لشکر کے میمنہ میں کھڑے ہو گئے۔ تیسری ہوا میں اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تھے۔ وہ لشکر کے میسرہ میں کھڑے ہو گئے۔ غالباً اسی کا ذکر قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (انفال۔ ع ا، پ ۹)

"جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری سنی (اور اس نے کہا) کہ میں تمہاری لگاتار ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا۔ خدا نے یہ صرف مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے کہا اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہے۔ خدا غالب اور حکمت والا ہے"۔

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب آپ ﷺ صف کو درست کرتے ہوئے "سواد" بن غزیہ کے پاس پہنچے، جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے ان کے پیٹ پر تیر چبھو کر فرمایا: استو یا سواد سواد برابر ہو جاؤ۔ اس پر سواد نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! اللہ نے آپ ﷺ کو حق و عدل کے لیے مبعوث فرمایا ہے، مجھ کو تکلیف پہنچی۔ آپ ﷺ مجھ کو بدلہ لینے دیجئے۔ آپ ﷺ نے شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا "استقد" اچھا بدلہ لے دو۔ سواد لپٹ گئے اور شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا "ما حملک علی ھذا یا سواد" سواد تم نے ایسا کیوں کیا؟ سواد نے کہا یا رسول اللہ! جو منظر آنکھوں کے سامنے ہے، وہ آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں۔ میرے دل میں ہوک اٹھی کہ آخری وقت میں حضور ﷺ کے جسم مبارک سے برکت حاصل کر لوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور ان سے ملاطفت فرمائی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اصحاب کو برابر کر ہی رہے تھے کہ قریش نکل آئے۔

اب دو صفیں مقابل ہو گئیں۔ ایک طرف مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان تھے، جن کا جرم یہ تھا کہ اسلام قبول کر لیا تھا اور ایک خدا کے ماننے والے تھے۔ دوسری طرف ایک ہزار کی تعداد میں ہر طرح کے سروسامان اور ہتھیار سے لیس کفار قریش تھے، جن کے معبود "بت" تھے اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اسلام کو مٹا دینے کے لیے آئے تھے۔ قرآن نے اس کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا ہے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ۔ (آل عمران۔ ع ۲، پ ۳)

"دو جماعتیں جو باہم مقابل ہوئیں۔ ان میں تمہارے لیے عبرت و نشانی ہے۔ ایک خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا ایک خدا کا منکر تھا"۔

جب آپ ﷺ صفوں کو درست کر چکے اور عالم اسباب کی اس جنگی تدبیر سے فارغ ہو گئے تو اپنے سائبان میں تشریف لے آئے اور عالم قضا و قدر کے مالک سے مناجات میں مشغول ہو گئے۔ آپ ﷺ پر خشوع و خضوع کی کیفیت سے ایسی بے خودی طاری تھی کہ محویت کے عالم میں دونوں مقدس ہاتھ بلند تھے اور حضرت حق کی جناب میں قسمیں دے دے کر فرما رہے تھے۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، آج پورا کر۔ اے اللہ! اگر تو نے آج اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری پرستش نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس بے قراری کو دیکھ کر فرمایا کہ "یا نبی اللہ! بس اب خدا کو قسمیں نہ دیجیے۔ اللہ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کرے گا"۔ تھوڑی دیر میں سر مبارک کو جنبش ہوئی اور محویت سے افاقہ ہوا تو ابوبکر صدیقؓ سے، جو اس سائبان میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، فرمایا:

البشریا ابابکر اتاک نصر اللہ ھذا جبرئیل اخذا بعنان فرسی یقودہ۔

"ابوبکر تم کو بشارت ہو کہ اللہ کی مدد تمہارے پاس آ گئی۔ یہ جبرئیل ہیں۔ گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہیں"۔

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب دونوں صفیں قریب قریب ہو گئیں تو اس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جب تک ان کو حملہ کا حکم نہ ہو، وہ حملہ نہ کریں۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جب کفار قریب آ جائیں تو ان کا مقابلہ تیر سے کرو۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ عمیر بن وہب آیا۔ اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مگر مسلمان اپنی صفوں پر قائم رہے۔ ان پر عامر بن حضرمی نے بھی حملہ کیا اور جنگ چھڑ گئی۔ عامر بن حضرمی کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام مہجع نکلے اور شہید ہو گئے۔ حارثہ بن سراقہ انصاری حوض سے پانی پی رہے تھے، کسی نے ایک تیر ان کو مارا۔ وہ وہیں شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ پہلا خون تھا، جس سے بدر کی زمین لالہ زار ہو گئی۔

عتبہ، شیبہ اور ولید کا قتل: اس کے بعد عتبہ، جو سردار فوج تھا، اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور مقابلہ کی دعوت دی۔ یہ تینوں اسلام دشمنی میں صف اول کے لوگوں میں تھے اور ان کی شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ رحمۃ للعالمین کی زبان پر بھی جناب باری میں ناراضگی کے کلمات آ گئے تھے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے چند لوگوں کے بارے میں بددعا کی۔ ان میں عتبہ، شیبہ، ولید اور ابوجہل بھی تھے۔ خدا کی قسم! میں نے ان سب کو (بدر میں) پچھڑا ہوا اس حال میں دیکھا کہ ان کی نعش کو دھوپ نے خراب کر دیا تھا۔

طبقات میں ہے کہ ان تینوں کے مقابلہ میں بنی حارث کے تین انصاری معاذ، معوذ اور عوف نکلے۔ عتبہ نے پوچھا: "تم کون ہو؟"

انہوں نے کہا "انصاری"۔

اس پر عتبہ نے کہا "ہمسر شریف ہیں۔ لیکن ہمیں ہماری قوم کے لوگ مطلوب ہیں۔ تم سے کوئی سروکار نہیں"۔

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہا کہ محمد! ہمارے مقابلہ میں ان کو بھیجو جو ہماری قوم کے ہیں۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارثؓ مقابلہ کے لیے نکلے۔ چونکہ ان کے سروں پر لوہے کا خود تھا، اس لیے پہچان نہ سکا۔ پوچھا تم کون ہو؟ تینوں نے اپنے نام بتائے تو عتبہ نے کہا "اچھے مقابل ہیں"۔

عتبہ نے اپنے بیٹے ولید سے کہا کہ بڑھو، اس کے مقابل حضرت علیؓ ہو گئے۔ اور

دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ آخر حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر دیا۔ عتبہ اور حضرت حمزہؓ میں مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں۔ اور عتبہ' حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شیبہ اور حضرت عبیدہؓ میں مقابلہ ہوا' جو اس وقت صحابہ میں سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کے پاؤں پر تلوار ماری جس سے ان کی پنڈلی کی مچھلی کٹ گئی اور وہ زخمی ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر لے آئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نیزہ:

بخاری میں حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ میرا مقابلہ عبیدہ سے ہوا۔ (جو سعید بن عاص کا بیٹا تھا) وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ صرف اس کی دونوں آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کی کنیت "ابوذات الکرش" تھی۔ اس نے میدان میں آکر پکارا کہ میں ابوذات الکرش ہوں۔ میں نے اس پر نیزہ سے حملہ کیا اور اس طرح تاک کر اس کی آنکھ میں مارا کہ نیزہ کی نوک اس کی آنکھ میں پیوست ہو گئی جس سے وہ مر گیا۔ پھر اس کی نعش پر پاؤں رکھ کر کھینچا تو بڑی مشکل سے اس کو نکال سکا۔ لیکن اس کے دونوں سرے ٹیڑھے ہو گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نیزہ کو حضرت زبیرؓ سے مانگ لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکرؓ نے مانگ لیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے مانگ لیا۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے مانگ لیا۔ جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ کی اولاد کے پاس رہا۔ پھر ان سے حضرت زبیرؓ نے مانگ لیا اور وہ ان کی شہادت تک ان کے پاس رہا۔

بعد میں جب گھمسان کا رن پڑا تو حضرت زبیرؓ تلوار لے کر اس قدر لڑے کہ اس میں دانتے پڑ گئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ بدر میں تلوار کے دو کاری زخم حضرت زبیرؓ نے اٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا' وہ اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر ان کے صاجزادے حضرت عروہ اس میں انگلی ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ جب حضرت زبیر شہید ہو گئے تو عبدالملک نے عروہ سے پوچھا کیا تم زبیرؓ کی تلوار کو پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔ عبدالملک نے پوچھا "کیسے؟" بولے کہ جنگ بدر میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے کہا "تم نے سچ کہا"۔ پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار عروہ کو دے دی۔ ہشام کا

بیان ہے کہ اس کی قیمت تین ہزار ٹھہری۔ اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔

حضرت عکاشہؓ کی تلوار:

ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عکاشہ بن محصنؓ اپنی تلوار سے اس قدر لڑے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک لکڑی ان کو عنایت کی اور فرمایا قاتل بھذا یا عکاشتہ۔ عکاشہ! تم اس سے جنگ کرو۔

جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس کو ہلایا تو وہ چمکتے ہوئے لوہے کی تلوار بن گئی۔ پھر انہوں نے اس سے یہاں تک جنگ کی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔ اس تلوار کا نام "عون" تھا۔ وہ ہر وقت اس کو اپنے پاس رکھتے تھے اور اسی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مرتدوں کی جنگ میں وہ اس کو لے کر لڑے اور اس میں شہید ہوئے۔

حضرت عکاشہؓ صحابہ میں اس خصوصی امتیاز کے مالک تھے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ

یدخل الجنة سبعون الفا من امتی علی صورة القمرفی لیلته البدر۔

"میری امت میں سے ستر ہزار چودھویں کے چاند کی سی صورت والے جنت میں داخل ہوں گے"۔

تو حضرت عکاشہؓ نے برجستہ اور بے تابانہ عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا انک منھم۔ اللھم اجعله منھم۔ تم ان ہی میں سے ہو۔ یا یہ فرمایا کہ اے اللہ اس کو ان ہی میں سے کر دے۔ ان ہی کے متعلق ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا خیر فارس العرب عرب کا بہترین شہسوار۔

امیہ بن خلف کا قتل:

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنگ بدر میں غنیمت کی چند زرہیں ہاتھ میں لیے ہوئے گزر رہے تھے کہ امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو دیکھا کہ امیہ اپنے

بیٹے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ جب مکہ میں تھے تو اس سے دوستانہ تعلقات تھے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس سے عہد کیا تھا کہ جب وہ مدینہ آئے گا تو اس کی حفاظت کریں گے۔ امیہ نے حضرت عبدالرحمٰن کو دیکھ کر کہا کہ تمہیں کچھ میرا بھی دھیان ہے۔ میں تمہارے لیے ان زرہوں سے بہتر ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے زرہوں کو ڈال دیا اور امیہ اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امیہ نے کہا کہ "آج جیسا دن میں نے کبھی نہیں دیکھا"۔ پھر امیہ نے حضرت حمزہؓ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جس کے سینے پر شتر مرغ کے پروں کا نشان ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ امیہ نے کہا کہ ہماری ساری بربادی ان ہی کی لائی ہوئی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ ان دونوں کو بچانے کے خیال سے لے جا رہے تھے کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا تو چیخ کر بلند آواز سے کہا کہ اے اللہ کے انصار! یہ کفر کا سرکردہ امیہ بن خلف ہے۔ یہ اگر بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ یہ سن کر لوگ ٹوٹ پڑے اور کنگن کی طرح حلقہ میں لے لیا۔ ایک شخص نے اس کے لڑکے کے پاؤں پر تلوار ماری جس سے وہ گر پڑا۔ امیہ نے یہ دیکھ کر چیخ ماری اور لوگوں نے اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

بخاری (۷) میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ عبدالرحمٰنؓ اور امیہ سے معاہدہ تھا' اس لیے وفائے عہد کی بنا پر بچانا چاہتے تھے۔ لیکن جب لوگ ٹوٹ پڑے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امیہ کے بیٹے کو اس خیال سے چھوڑ دیا کہ لوگ اس کے ساتھ مشغول ہو جائیں گے۔ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر لوگوں نے تعاقب کیا۔ امیہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ لوگ پہنچ گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امیہ سے کہا کہ زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو قتل نہ کر سکیں مگر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے نیچے ہی تلوار سے اس کو قتل کر دیا' جس سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا بھی پاؤں زخمی ہو گیا۔

ابوجہل کا قتل: بخاری شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میں بدر کے دن صف میں تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ دو جوان ہمارے داہنے اور بائیں جانب ہیں۔ اس میں سے ایک نے بالکل رازدارانہ طور پر مجھ سے اس طرح

پوچھا کہ دوسرے کو اطلاع نہ ہو۔ کہ چچا جان! مجھ کو ابوجہل کو بتا دیجئے۔ میں نے کہا بھتیجے! تم ابوجہل کے ساتھ کیا کرو گے؟ بولا کہ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ ابوجہل کو میں دیکھ لوں گا تو اسے قتل کر دوں گا۔ یا اس سے لڑ کر مارا جاؤں گا۔ اسی طرح دوسرے نے بھی چپکے سے مجھ سے یہی کہا۔ میں نے دونوں کو اشارہ کر کے ابوجہل کو بتا دیا۔ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور دونوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔ (ان کے نام معاذ اور معوذ تھے)

ابن ہشام میں ہے کہ پہلے معاذ نے ابوجہل پر حملہ کیا۔ معاذ کا بیان ہے کہ ابوجہل فوج کے وسط میں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ ابوجہل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ میں نے ابوجہل تک پہنچنے کا فیصلہ کیا اور پہنچ کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کی ٹانگ آدھی پنڈلی کے پاس سے اڑا دی۔ اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر وار کیا تو میرا ہاتھ کٹ گیا اور بازو کی کھال سے لٹک گیا۔ میں سارا دن اسی طرح لڑتا رہا۔ اس کی وجہ سے جنگ میں بھی دشواری ہوتی تھی اور یہ تکلیف دہ بھی تھا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا اور اس کو الگ کر کے پھینک دیا۔ یہ ابن اسحاق کی روایت کے موافق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک زندہ رہے۔

معاذ کے بعد ابوجہل کے پاس معوذ پہنچے۔ دیکھا کہ لنگڑا ہے۔ انہوں نے حملہ کر کے زمین پر گرا دیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ گرچہ اس میں ہنوز جان باقی تھی اور جنگ میں مصروف ہو گئے اور یہاں تک جنگ کرتے رہے کہ شہید ہو گئے۔

ابوالبختری کا قتل: سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو زبردستی جنگ میں لایا گیا ہے۔ ان کو ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں۔ ان ہی میں آپ ﷺ نے ابوالبختری کا بھی نام لیا تھا۔ کیونکہ مکہ میں اس نے کبھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی' بلکہ وہ دوسروں کو روکتا تھا۔ پھر انہوں نے قریش کے بائیکاٹ کے معاہدہ کی پوری طاقت سے خلاف ورزی کی تھی۔ اثناء جنگ میں مجذر انصاری کی نگاہ ابوالبختری پر پڑ گئی۔ مجذر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ ابوالبختری نے اپنے رفیق کے متعلق جو اس کے ساتھ تھا' پوچھا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا نہیں۔ واللہ! ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ ابوالبختری

نے کہا واللہ! ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔ تاکہ مکہ کی عورتیں یہ نہ کہیں کہ اپنے رفیق کو اپنی جان بچانے کی خاطر چھوڑ دیا۔ بالآخر ابو البختری یہ رجز پڑھتا ہوا جنگ آزما ہو گیا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حرة زمیلته
حتی یموت او یری سبیله

"شریف عورت کی اولاد اپنے رفیق کو ہرگز حوالہ نہیں کرے گا حتیٰ کہ خود مر جائے یا اپنے رفیق کے لیے راہ نکالے"۔

مجذر نے قتل کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ معذرت کی کہ اس ذات کی قسم، جس نے حق کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ اس کو گرفتار کر کے آپ ﷺ کے پاس لاؤں، مگر جب اس نے جنگ کے لیے مجبور کر دیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔

طبقات میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب یوم بدر ہوا تو میں نے تھوڑی دیر جنگ کی، پھر جلدی سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ میں یاحی یا قیوم، یاحی یا قیوم فرما رہے ہیں۔ میں میدان جنگ لوٹا، پھر واپس آیا تو آپ ﷺ سجدہ میں یہی فرما رہے تھے۔ میں پھر میدان جنگ میں واپس آ گیا۔

(سائبان سے باہر جب آئے) تو عوف بن حارث نے پوچھا، یا رسول اللہ! پروردگار کو اپنے بندے کی کونسی بات خوش کرتی ہے۔ فرمایا ننگے سر اپنا ہاتھ دشمن اسلام کے خون میں ڈبونا۔ انہوں نے زرہ اتار دی، تلوار ہاتھ میں لے لی اور جنگ کرنے لگے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ابن ہشام)

عمیر بن حمام کھجور کھا رہے تھے۔ سن کر کہا: واہ، واہ۔ یہ کھجوریں مجھ پر غالب نہیں رہیں گی۔ پھر کہا: تم پر ایک کھجور زیادہ نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں اللہ سے مل جاؤں۔ پھر جو کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینک دیا۔ پھر اپنی تلوار کو جو چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تھی، لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور قریش کی جانب منہ کر کے فرمایا: شاھت الوجوہ (چہرے بگڑ جائیں) اور ان کنکریوں سے انہیں مارا۔ اس کے بعد اصحاب کو حکم دیا۔ شدوا حملہ کرو۔ (ابن

ہشام)

اس عام حملہ سے، جب کہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف وغیرہ سرداران قریش قتل ہو چکے تھے، قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

ابو جہل کا انجام: بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص دیکھ کر آئے کہ ابو جہل کا کیا انجام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے تو دیکھا کہ ٹھنڈا پڑا ہے۔ مگر کچھ جان باقی ہے۔ اس کی ڈاڑھی پکڑ کر پوچھا کہ "انت ابا جہل" تو ہی ابو جہل ہے۔ تو ابو جہل نے کہا: تم نے مجھ سے بھی زیادہ کسی بڑے آدمی کو قتل کیا ہے؟

ابو مجلز نے کہا کہ ابو جہل نے یہ بھی کہا، کاش! مجھ کو کھیتی کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا قتل کرتا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر مقتولوں میں پہچانا نہ جائے تو اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان دیکھنا۔ عبداللہ بن جدعان کی دعوت میں، جب ہم دونوں کمسن تھے، مجھ سے اور اس سے کشمکش ہوئی تو گو میں پتلا دبلا اور کمزور تھا، اس کو دھکیلا تو گھٹنے کے بل گرا تھا۔ اس کا نشان ہنوز باقی ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے اسے جاں کنی کی آخری حالت میں پایا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا، اس لیے کہ اس نے مجھے مکہ میں ایک بار بڑی سختی سے گرفتار کیا تھا اور اذیت پہنچائی تھی اور مکے سے مارا تھا۔ اس پر اس نے کہا "اے بکریوں کے ذلیل چرواہے، تو نہ چڑھنے والی جگہ پر چڑھ گیا"۔ میں نے کہا "اے دشمن خدا! کیا تجھے اللہ نے رسوا نہیں کیا"۔ اس نے کہا "مجھے کس بات نے ذلیل کیا۔ کیا تم نے کسی مجھ سے بڑے درجہ والے کو بھی قتل کیا ہے"۔ پھر اس نے پوچھا "بتاؤ آج زمانے کا چکر کس کے موافق ہے"۔ میں نے کہا "اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہے"۔ میں نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ دشمن خدا ابو جہل کا سر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ الذی لا الہ غیرہ۔

"اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

جب لوگوں نے گرفتاری شروع کی تو آپ ﷺ سائبان میں تشریف رکھتے تھے اور حضرت سعد بن معاذ اور دوسرے لوگ تلواریں حمائل کیے ہوئے آپ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے دروازے پر کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ہیں تو پوچھا:

لکانی بک یاسعد تکرہ ما یصنع القوم۔

"سعد! میں ضرور تمہیں ایسا دیکھتا ہوں کہ تم اس بات کو ناپسند کر رہے ہو جو لوگ کر رہے ہیں"۔

حضرت سعد نے عرض کی: "ہاں۔ واللہ یا رسول اللہ! مشرکین پر اللہ نے جو آفت نازل کی ہے، مجھے ان لوگوں کا خوب قتل کرنا، ان پر رحم کرنے (یعنی زندہ چھوڑنے) سے زیادہ پسند ہے"۔

طبقات میں ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں میں چودہ آدمی شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار سے۔ مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ ستر آدمی جو مارے گئے، ان میں رؤسائے قریش بھی تھے، جن کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور جو قبائل کے سپہ سالار تھے، اور یہی لوگ قریش کی اصل طاقت تھے جن کے مرنے سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان ہی کی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ڈال دیا ہے۔

بخاری میں ہے کہ صنادید قریش کے ۲۴ نفر ایک گڑھے میں ڈال دیے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے کنارے کھڑے ہو کر ایک ایک کا نام لے کر فرمایا:

ایسرکم انکم اطعتم اللہ و رسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

"تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت آسان تھی۔ میرے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے پالیا۔ تم نے ان چیزوں کو پالیا؟ جو تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ایسے اجساد سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم زیادہ سننے والے نہیں ہو"۔

ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

یا اھل القلیب بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی و صدقنی الناس و اخرجتمونی و اوانی الناس و قاتلتمونی و نصرنی الناس۔

"اے گڑھے والو! تم اپنے نبی کے لیے اس کے خاندان کے برے لوگ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ اور تم نے مجھے گھر سے نکالا اور دوسرے لوگوں نے مجھے پناہ دی اور تم نے مجھ سے جنگ کی اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی"۔

ابن ہشام میں ہے کہ جب آپ ﷺ بدر سے مدینہ روانہ ہوئے تو "الروحاء" میں فتح کی تہنیت کے لیے لوگ آ کر ملے تو سلمہ بن سلامہ نے ان سے کہا کہ تم ہمیں کس بات کی مبارک باد دیتے ہو۔ واللہ ہم نے تو صرف چند، چندیا صاف بوڑھوں سے مقابلہ کیا ہے جو قربانی کے اونٹوں کی طرح زانو بندھے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کی قربانی کر دی۔ سلمہ کی اس خطابت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

یابن اخی اولئک الملاء۔ (ابن ہشام۔ ص ۲۵، ج ۲)

"عزیز من! یہی لوگ چوٹی کے آدمی تھے"۔

ابولہب کا حال: شکست کھا کر مکہ میں جب ابوسفیان بن حارث بن مطلب پہنچا تو ابولہب نے کہا: اس کو میرے پاس لاؤ۔ ابولہب کے پوچھنے پر انہوں نے کہا:

"واللہ! واقعہ تو بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ہم ان لوگوں کے مقابل ہوئے اور اپنے شانے ان کے حوالے کر دیے (یعنی اپنی مشکیں کسوا دیں) وہ ہمیں جس طرح چاہتے قتل کر دیتے تھے اور جس طرح چاہتے قیدی بناتے تھے۔ اور اللہ کی قسم! باوجود اس کے لوگوں پر میں نے ملامت نہیں کی۔ ہم ایسے لوگوں کے مقابل ہوگئے جو گورے گورے تھے، اور ابلق گھوڑوں پر آسمان و زمین کے درمیان تھے۔ واللہ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتے تھے اور کوئی چیز ان کے مقابل قائم نہیں رہتی تھی"۔

ابورافع، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور درپردہ یہ مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "واللہ! وہ تو فرشتے تھے"۔ اس کہنے پر ابولہب نے ابورافع کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ ابورافع نے بدلہ لیا تو اس کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور مارنے لگا۔ ام فضل (حضرت عباسؓ کی اہلیہ) نے یہ دیکھ کر ایک لکڑی اٹھا کر اتنے زور سے ابولہب کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور ام الفضل نے کہا کہ اس کا آقا اس کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے تو نے اس کو کمزور سمجھا۔ ابولہب مار کھا کر ذلت کے ساتھ اٹھا اور چلا گیا۔ اس کے بعد وہ سات روز سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ عدسیہ نامی بیماری میں مر گیا۔

جنگ بدر کے اثرات: جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کامیاب واپس آئے تو اس کا اثر یہ ہوا کہ مدینہ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور عبداللہ بن سلول اور اس کے ساتھی بھی بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کفار تین گروہ میں بٹے ہوئے تھے۔

(۱) ایک وہ جنہوں نے آپ ﷺ سے معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ ﷺ سے جنگ کرنے والوں کی مدد کریں گے۔ ان میں یہود کے قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ بھی تھے۔

(۲) وہ جو برسرپیکار تھے، جیسے اہل مکہ اور ان کے ساتھی قبائل۔

(۳) ناطرفدار۔ اور یہ عرب کے تمام قبائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ اور اہل مکہ کو چھوڑ دو اور ان دونوں کی باہمی آویزش کے انجام کو دیکھو۔ ان میں بھی دو قسمیں تھیں: ایک وہ جو آنحضرت ﷺ کی کامیابی اور نصرت چاہتے تھے، دوسرا اس کے خلاف۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر سے قبل قبائل عرب سے کسی نے بھی مسلمانوں سے تعرض نہیں کیا، نہ ان کے متعلق آپ ﷺ کو خبر ملی کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھی بدر سے پہلے اہل مکہ کے سوا کسی سے تعرض نہیں کیا اور قبائل عرب کے کسی قافلہ کی روک ٹوک نہیں کی۔

بدر کی کامیابی سے ان قبائل میں، جو باطن میں آپ ﷺ کے بدخواہ تھے اور ان میں یہود بھی تھے، حسد اور بغض کے شعلے بھڑک اٹھے اور ظاہر ہو کر آپ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ چنانچہ بدر کے بعد چار و ناچار ان قبائل سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اہل مکہ پر یہ اثر ہوا کہ قریش نے شام جانے کا وہ راستہ چھوڑ دیا جو مدینہ کے نزدیک ہو کر گزرتا تھا اور قریب بھی تھا اور وہ راستہ اختیار کیا جو عراق سے ہو کر گزرتا تھا اور دور بھی تھا۔

قدرتی طور پر بدر کے واقعہ کی وجہ سے مکہ میں گھر گھر ماتم تھا، لیکن غیرت مردانہ اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ اور زبان سے آہ کا ایک کلمہ نکلے۔ منادی کرادی گئی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص چلتا پھرتا اسلام دشمنی کا کوہ آتش فشاں بنا ہوا تھا۔

عمیر بن وہب، جو قریش میں اسلام دشمنی میں صف اول کا آدمی تھا، اس کا بیٹا بھی اسیران بدر میں تھا۔ ایک دن حجر میں اس سے صفوان بن امیہ نے بدر کی تباہی اور بربادی کے تاثر سے کہا، خدا کی قسم! اب جینے کا مزہ نہیں۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو۔ مجھ پر اگر قرض اور بچوں کا بار نہ ہوتا تو میں محمد ﷺ کو قتل کر آتا۔ صفوان نے کہا: میں ان سب کا ذمہ دار ہوں۔ عمیر نے گھر آکر تلوار زہر میں بجھائی اور آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ باندھ کر مدینہ پہنچ گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ کر گلا دبایا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو اور عمیر سے فرمایا: قریب آجاؤ اور پوچھا: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اب عمیر کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں اور بے اختیار بول اٹھے: "محمد ﷺ! بے شک آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں۔ واللہ میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی"۔ یہ مسلمان ہو گئے اور ایسے مسلمان ہوئے کہ "خیارکم فی الجاھلیتہ خیارکم فی الاسلام" کے مصداق بن گئے۔ یہ واقعہ طبری میں ہے۔ (ص ۲۹۴، ج ۲)

یہ تو شخصی واقعہ تھا، جماعتی حیثیت سے یہ کیا گیا کہ بجائے عبداللہ بن ابی کے (جس کو ہجرت کے بعد لکھا گیا تھا کہ محمد ﷺ کو اور مسلمانوں کو قتل کر دو یا نکال دو ورنہ ہم تمہارا استیصال کر دیں گے) یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو خط لکھا گیا:

انکم اھل الحلقۃ والحصون وانکم لتقاتلن اصحابنا او لنفعلن کذا او کذا ولا یحول بیننا و بین خدم نسائکم شیء۔ (ابوداؤد)

"تم لوگ ہتھیار والے ہو اور صاحب قلعہ ہو۔ تم ہمارے حریف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ کریں گے وہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑے تک پہنچنے سے نہ روک سکے گی"۔

یہود جو طبعاً دشمن اسلام تھے، بدر کی فتح نے ان کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور وہ سمجھنے لگے کہ اسلام اب ایک طاقت بن گیا۔ کعب بن اشرف، جو یہودیوں میں سردار تھا اور علماء یہود کی اس نے تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں، اس کو سرداران قریش کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لیے مکہ گیا۔ کشتگان بدر پر مرثیے پڑھے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی کھلی کھلی ترغیب دی۔ ابن ہشام نے اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ چند شعر اس کے یہ ہیں:

طحنت رحى بدر لمهلك اهله ... ولمثل بدر تستهل و تدمع
قتلت سراة الناس حول حياضهم ... لا تبعدوا ان الملوك تصرع
كم قد اصيب به من ابيض ماجد ... ذى بهجه تاوى اليه الضيع
نبت ان الحارث بن هشامهم ... فى الناس يبنى الصالحات ويجمع
ليزور يثرب بالجموع وانما ... يحمى على الحسب الكريم الا ورع

(ترجمہ) "بدر کی چکی اپنے ہی لوگوں کو ہلاک کرنے کے لیے چلی۔ بدر کے ایسے واقعات کے لیے ماتم کرنا چاہیے اور رونا چاہیے۔ قریش کے سردار لوگ اپنے ہی حوض کے گرداگرد قتل کر دیے گئے (اس کو) بعید از قیاس نہ سمجھو کیونکہ بادشاہ پچھڑ جایا کرتے ہیں۔ کتنے شریف، گورے اور بارونق چہروں والے مار ڈالے گئے جن کے یہاں اہل حاجت پناہ لیتے تھے۔ مجھ کو خبر ملی ہے کہ قریش میں حارث بن ہشام نیک کام کر رہا ہے اور لوگوں کو جمع کر رہا ہے تاکہ جتھوں کو لے کر یثرب (مدینہ) جائے۔ آبائی شرافت کی تو شان و شوکت والا ہی حفاظت کرتا ہے"۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

"ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا۔ وہاں ابوسفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا۔ اور ابوسفیان سب

کو لے کر حرم میں آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۳، ج۱)

غزوۂ بنو قینقاع: یہ غزوہ درحقیقت غزوۂ بدر کے نتائج میں سے ہے۔ ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ ہجرت کے بعد کفار کے تین فریق ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک فریق وہ تھا جس نے معاہدہ کر لیا تھا یا ظاہر میں ناطرفدار تھا، لیکن درپردہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور حسد و بغض دل میں پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ اسی فریق میں یہودی تھے۔ ان کی پالیسی اب تک یہ تھی کہ مسلمانوں اور کفار قریش کی آویزش میں ہم کو دخل دینے اور مسلمانوں سے تعرض کی حاجت نہیں، ہم کو اس کے انجام کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھے ہوئے تھے بلکہ قریش کی طرح یقین رکھتے تھے کہ قریش تنہا ان کو نیست و نابود کر دیں گے، اسی لیے بدر سے پہلے کسی مسلمان سے انہوں نے تعرض نہیں کیا اور نہ مسلمانوں نے ان سے تعرض کیا بلکہ ان کے سامنے صرف قریش رہے۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبیلے تھے: بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان میں بنو قینقاع مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ گویا بنو قینقاع مار آستین تھے اور چونکہ یہ سب سے زیادہ مالدار تھے، باہر و سامان تھے اور دوسرے یہود سے زیادہ جنگجو اور شجاع تھے، اس لیے سب سے پہلے اسی کے سینہ میں حسد و بغض کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکیں اور طبعی عداوت سے وہ اس قدر بے قابو ہوئے کہ شوال ہی میں کھل کر وہ مخالفت پر اتر آئے اور معاہدہ کا بھی ان کو پاس و لحاظ نہ رہا۔ طبقات میں ہے:

فلما كانت وقعته بدر اظهروا والبغى والحسد ونبذوا العهد والمرة۔

"جب جنگ بدر ہوئی تو انہوں نے نافرمانی اور حسد کا اظہار کیا اور عہد و میثاق کو توڑ دیا"۔

ابن ہشام میں ہے کہ بنو قینقاع نے عہد توڑا اور جنگ پر اتر آئے۔ محمد بن اسحاق کی عاصم بن عمرو بن قتادہ سے روایت ہے کہ:

ان بنى قينقاع كانوا اول يهود نقضوا ما بينهم وبين رسول الله وحاربوا بين بدر واحد۔ (ص ۷۰، ج۲)

"بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو، جو ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیان مسلمانوں سے جنگ کی"۔

وہ صلح و آشتی کے معاہدہ کو توڑ کر اتنے بیباک ہوگئے کہ وہ اپنے بازار میں مسلمان عورتوں سے ذلیل قسم کی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ ابن ہشام میں ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنا کچھ سامان بیچنے کو لائی اور بنو قینقاع کے بازار میں بیچ کر ایک سنار کے پاس بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کا چہرہ بے نقاب کرنا چاہا۔ اس عورت نے انکار کیا۔ اس نے اس کے کپڑے کا سرا اس کی پچھلی طرف کے کپڑے سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا۔ ان لوگوں نے اس کی خوب ہنسی اڑائی۔ وہ اپنی اس بے حرمتی پر چلا اٹھی۔ ایک مسلمان اسے دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہوگیا اور اس یہودی پر حملہ کر دیا اور وہ مر گیا۔ یہودیوں کا بازار تھا۔ وہ لوگ جمع ہوگئے اور اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اس مسلمان نے دوسرے مسلمان سے امداد طلب کی، اس طرح پر بنی قینقاع کے بازار میں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو سوق بنو قینقاع میں ان کو جمع کیا اور فتنہ و فساد کے برے نتیجہ سے ڈرایا اور اسلام کی تبلیغ کی۔

یا معشر الیہود! احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمة واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذالک فی کتابکم وعهد الله الیکم۔ (ابن ہشام۔ ص ۷۰، ج ۲)

"اے یہود کے گروہ! خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔ تم لوگ اسلام اختیار کرلو۔ اس لیے کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں اور یہ پیشین گوئی تم اپنی کتاب میں پاتے ہو اور خدا نے اس کے بارے میں تم سے عہد بھی لیا ہے"۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

یا محمد انک تری انا قومک لا یغرنک انک لقیت قوما لا علم لهم بالحرب فاصبت منهم فرصة انا

واللہ لئن حاربناک لتعلمن انا نحن الناس۔ (ایضاً)

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سمجھتے ہو کہ ہم بھی تمہاری قوم کی طرح ہیں۔ تم اس دھوکے میں نہ رہنا۔ تم نے ایسے لوگوں سے مقابلہ کیا جنہیں جنگ کے متعلق معلومات نہ تھیں، اس لیے تم نے ان پر قابو پالیا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہم تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم (جنگ کے کار آزمودہ) لوگ ہیں"۔

بالآخر وہ لوگ جنگ پر تیار ہوگئے اور قلعہ بند ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اسلامی اصول پر کہ کفار کو پہلے مصالحت اور معاہدہ کی دعوت دی جائے، پھر اسلام کی، پھر جنگ کی۔ جب انہوں نے معاہدہ اور اسلام سے انکار کیا تو جنگ پر اتر آئے اور ۱۵/ شوال ۲ھ کو ان کے محاصرہ کے لیے نکلے۔ طبقات ابن سعد اور سیرت ابن ہشام دونوں اس پر متفق ہیں کہ یہ محاصرہ پندرہ روز رہا۔ بالآخر وہ لوگ مغلوب ہوگئے۔ عبداللہ بن ابی، جو بنو قینقاع کا حلیف تھا، درمیان میں آیا اور بات اس پر آکر ٹھہری کہ یہ لوگ مع اپنے اہل و عیال کے، بلا کسی سامان کے مدینہ سے چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ یہاں سے "اذرعات" (جو شام کے مضافات علاقہ فلسطین میں ہے) چلے گئے اور ان کا تمام سامان مسلمانوں کو غنیمت میں ملا۔ چونکہ یہ مار آستین تھے اور ان پر یقین و اعتماد نہ رہا تھا، اس لیے ان کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ مدینہ ہی سے نہیں بلکہ سرحد حجاز سے باہر چلے جائیں۔ ان کی تعداد سات سو تھی، جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

علامہ شبلیؒ کی اس تصریح سے کہ:

"غرض وہ اذرعات میں، جو شام کے علاقہ میں ہے، جلاوطن کر دیے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے، جن میں تین سو زرہ پوش تھے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۲۷، ج ۱)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود بنو قینقاع کا پورا قبیلہ مدینہ سے چلا گیا تھا مگر ابن سعد کے اس بیان سے کہ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہود نے (جو بنو قینقاع تھے) ۳ھ میں معرکہ احد کے موقع پر مسلمانوں کو اپنا تعاون پیش کیا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا تھا اور مبسوط سرخسی کی اس تصریح سے کہ ۵ھ میں جب بنو قریظہ

نے غداری کی اور قلعہ بند ہو کر مقابلہ پر اتر آئے، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلہ میں یہود بنو قینقاع سے کام لیا۔

مبسوط کے الفاظ یہ ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعان بیہود قینقاع علی بنی قریظة۔ (ص ۲۳، ج ۱۰)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے مقابلہ میں یہود بنی قینقاع سے مدد لی"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو پورے قبیلہ کی جلاوطنی نہیں ہوئی تھی یا اگر پورے قبیلہ کی جلاوطنی ہوئی تھی تو شاید کچھ دنوں کے بعد ان کے کچھ آدمیوں کو ان کی درخواست و معذرت کے بعد معافی دے کر مدینہ منورہ آنے اور یہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی گئی ہو۔ اس احتمال کی تقویت "ابن سعد" کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ "یہود اذرعات چلے گئے مگر وہاں بھی زیادہ دن نہ رہ سکے"۔

ہو سکتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت پر اس خیال سے ان کو آنے کی اجازت دے دی ہو کہ انصار عموماً زراعت پیشہ تھے اور یہ لوگ تجارت پیشہ اور دست کار تھے اور مدینہ منورہ کے اندر سب سے بارونق اور چالو بازار "سوق بنی قینقاع ہی تھا"۔

غزوۂ سویق: یہ غزوہ بھی غزوۂ بدر کے نتائج سے ہے۔ طبقات ابن سعد میں اس کی تاریخ ۵ ذی الحجہ لکھی ہے۔ بدر کے ہزیمت خوردہ مشرکین جب مکہ پہنچے تو ابو سفیان نے قسم کھائی کہ میں جب تک مسلمانوں سے اس کا بدلہ نہ لے لوں گا، اس وقت تک مجھ کو بیوی کے پاس جانا اور سر میں تیل ڈالنا حرام ہے۔ یہ دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے مدینہ کی طرف چلا۔ جب مدینہ کے قریب "ثیب" نامی مقام پر پہنچا تو وہاں قیام کیا۔ جب رات ہوئی تو تنہا مدینہ آیا اور سیدھا حیی بن اخطب کے دروازہ پر پہنچا، جو قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔ پہنچنے کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب کے متعلق حالات معلوم کرے۔ مگر اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور ڈرا۔ ابو سفیان نے وہاں سے سلام بن مشکم کے ہاں آ کر

دروازہ کھٹکھٹایا جو بنی نضیر کا سردار تھا، تو اس نے دروازہ کھول دیا اور بڑے تپاک کے ساتھ ٹھہرا کر اس کی مہمان نوازی کی اور مسلمانوں کے حالات بتائے۔

رات کے آخری حصہ میں ابو سفیان وہاں سے نکلا اور اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ پھر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام "عریض" میں ایک انصاری کو (جو اپنے کھیت میں تھے) اور ان کے نوکر کو قتل کیا اور گھر اور گھاس میں آگ لگا دی اور خیال کیا کہ قسم پوری ہو گئی۔ پھر پیٹھ پھیر کر ایسی بدحواسی میں بھاگا کہ راستہ کا زاد راہ، ستو کی تھیلیوں کو، بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گراتا گیا اور باوجود دو سو سواروں کے، اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ دو سو سواروں کے ہمراہ، جس میں مہاجرین و انصار دونوں تھے، اس کے تعاقب میں نکلے اور "قرقرة الکدر" تک تشریف لے گئے۔ ابو سفیان نہیں ملا۔ وہ بھاگتا ہوا بچ کر نکل گیا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں ستو کی جو تھیلیاں ملتی گئیں، ان کو مسلمان اٹھاتے گئے۔ اس تعاقب میں پانچ روز آپ ﷺ مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ ان حالات میں ہجرت کا دوسرا سال ختم ہوا۔

===================

حوالہ جات

(۱) یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ دار ارقم میں پناہ گزینی سے پہلے یہ اسلام سے مشرف ہوئے۔ دو مرتبہ حبش کی ہجرت کی۔ پھر مکہ آ کر اپنے تمام رشتہ داروں کو، جو اسلام میں داخل ہو چکے تھے، لے کر مدینہ ہجرت کر گئے اور اس طرح مکہ کو خالی کر دیا کہ محلّہ کا محلّہ بے رونق ہو گیا۔ اور بہت سے مکان مقفل ہو گئے۔ یہ جنگ بدر اور احد میں شریک تھے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کا بیان ہے، احد سے ایک دن پہلے انہوں نے میرے سامنے یہ دعا مانگی: اے اللہ مجھے بہادر اور سریع الغضب مقابل عطا کرنا جس سے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور وہ مجھ کو شہید کر کے

میرے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور جب تو مجھ سے پوچھے کہ تیرے کان اور ناک کیوں کاٹے گئے تو میں کہوں کہ تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے۔ اللہ نے ان کی تمنا پوری کردی اور مشرکین نے ان کا مثلہ کیا۔ ایک ہی قبر میں حضرت حمزہؓ کے ساتھ دفن کیے گئے۔ ۱۲۔

(۲) "جج" کا لفظ میں نے یہاں تعریضاً نہیں لکھا ہے بلکہ اس سے علامہؒ کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے جس کو مولاناؒ نے خود اپنے متعلق لکھا ہے۔ "میرا منصب واقعہ نگاری ہے، فیصلہ نویسی نہیں۔ لیکن موقع ایسا آ پڑا ہے کہ ایک واقعہ تاریخی نے مقدمہ عدالت کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اس لیے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر "فصل مقدمہ" کا قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے"۔۔۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۱۷، ج ۱) اس تمہید کے بعد مولاناؒ نے غزوۂ بدر کے واقعہ پر بحث کی ہے۔ ۱۲۔

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے۔ "الصحابة کلهم عدول" یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے۔ میرے والد رحمتہ اللہ علیہ (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ) نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ عدالت کے متداول معنے مراد نہیں ہیں بلکہ عدالت فی روایتہ الحدیث مراد ہے اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں اجتناب عن الکذب ہے۔ اس لیے کہ ہم نے تمام صحابہ کی سیرت کو چھانا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کی بھی تفتیش کی جو خانہ جنگیوں میں شریک ہوئے تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے تھے اور اس سے شدت سے احتراز کرتے تھے۔ (ظفر الامانی)

(۴) میرے سامنے اس وقت "ابن ہشام" اور "ابن سعد" ہے جس کے حوالے ہم نے پیش کردیے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی دوسری سیرت کی کتاب میں اس کے خلاف ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو چاہیے تھا کہ پہلے سیرت کی کتاب سے اس پر حوالہ پیش کرتے کہ ذفران کی مجلس شوریٰ میں دعوت دی گئی، پھر یہ الزام رکھتے تو یہ صحیح طریقہ کار ہوتا۔ مگر مولانا رحمتہ اللہ علیہ بغیر ثبوت کے الزام ارباب سیرت پر

رکھ رہے ہیں۔ ۱۲۔

(۵) کفار قریش کی مسلمانوں کے بارے میں بدر کے پہلے پہلے یہی ذہنیت تھی کہ یہ مٹھی بھر مسلمان کیا چیز ہیں اور ان کی کیا قیمت ہے۔ یہ گوشت کا ایک لقمہ ہیں۔ جب چاہیں گے، نگل جائیں گے اور ان کا استیصال کرکے رکھ دیں گے۔ ۱۲۔

(۶) ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں: قد تخلف عنك اقوام یانبی الله ما نحن باشد لك حبا منهم ولو ظنوا انك تلق حربا ما تخلفوا عنك یمنعك الله بهم۔ یناصحونك ویجاهدون معك۔ (ص ۱۵، ج ۲)

(۷) علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ یہ پورا واقعہ "صحیح بخاری" میں ہے۔ لیکن چونکہ "کتاب المغازی" میں نہیں بلکہ "کتاب الوکالہ" میں ہے، اس لیے ارباب سیر کی نظر نہیں پڑی۔ ۱۲۔

حالانکہ "ابن ہشام" میں یہ واقعہ مذکور ہے اور معاہدہ کا ذکر "کتاب المغازی" میں بھی ہے۔ ۱۲۔

ہجرت نبوی کا تیسرا سال

غزوۂ بنو سلیم: غزوہ بنو سلیم ہی کو غزوہ قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔ طبقات میں ہے کہ نصف محرم یعنی ۱۶/ محرم ۳ھ کو آپ ﷺ ہجرت کے ۲۳ ماہ پر مدینہ سے چلے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ یہاں غطفان اور بنو سلیم کا اجتماع ہو رہا ہے۔ یہ دونوں قبیلے اوپر جا کر قریش میں الیاس سے ملتے ہیں۔ ان کے اجتماع سے خطرہ ہوا کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ نہ کردیں۔ آپ ﷺ دو سو اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابن مکتوم کو مدینہ پر امیر بنایا۔ جب وہاں پہنچے تو کسی کو نہیں پایا' اس لیے واپس تشریف لے آئے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ پندرہ شب مدینہ سے باہر رہے۔ ابن ہشام نے غزوۂ بنو سلیم کو دو جگہ لکھا ہے۔

غزوۂ غطفان: حسب تصریح ابن سعد غزوۂ غطفان ہجرت کے پچیسویں مہینے --- ماہ ربیع الاول ۳ھ (۱) کا واقعہ ہے۔ طبقات میں ہے:

"اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنو ثعلب اور محارب کی ایک فوج "ذوامر" میں اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کو تمام اطراف سے گھیرلیں۔ جس نے اس فوج کو جمع کیا تھا' اس کا نام "دعثور بن حارث" تھا"۔ (ص ۲۳' ج ۲)

آپ ۱۲ ربیع الاول ۳ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ چار سو پچاس آدمی تھے جن میں کچھ سوار تھے۔ اپنی جگہ پر مدینہ میں حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ وہاں پہنچے تو کسی کو نہیں پایا۔ مسلمانوں کو "ذی القصہ" میں صرف ایک آدمی قبیلہ بنی ثعلبہ کا "حبار" نامی ملا۔ لوگ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس نے یہ بتایا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے مقابلہ میں نہیں آئیں گے۔ جب آپ ﷺ کی آمد کی خبر سنیں گے' بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت بلالؓ کے ساتھ کردیا۔

دعثور کا اسلام: اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب بارش سے بھیگ گئے تو آپ ﷺ نے کپڑے اتار کر پھیلا دیے کہ خشک ہو جائیں اور خود ایک کروٹ پر لیٹ گئے۔ یک بیک "دعثور" کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ سرہانے تلوار لیے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ "آج آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ"۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور فرمایا: "تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟" اس نے کہا: "کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ پھر وہ اپنی قوم میں آیا اور ان کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ آپ ﷺ گیارہویں دن مدینہ منورہ تشریف لائے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

جنگ بدر کے چار غزوے اور ان کی نوعیت---

یہ قریش کی زبردست سازش کے انسداد کے سلسلہ میں ہوئے:

غزوۂ سویق کے بعد بنو سلیم اور غطفان کا مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنا ممکن ہے کہ یہ بھی بدر کی شکست کی بنا پر ناکامی کے غیظ و غضب کا نتیجہ ہو کیونکہ دونوں قریش سے قریب تھے لیکن واقعات کے تسلسل اور حالات کے اقتضا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قریش کے اشارے اور ان کی سازش سے ہوا۔ یہ چاروں غزوے بنو قینقاع' سویق' بنو سلیم' غطفان یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے ہوئے ہیں' وہ اس کی طرف مشعر ہیں۔

پہلے بنو قینقاع سامنے آئے اور یہ اس لیے تیار ہوئے کہ یہود کشتگان بدر کی تعزیت

میں ابو سفیان کے پاس مکہ گئے تھے۔ وہاں بالکل کھلے طور پر کعبہ کا پردہ تھام کر انتقام بدر پر معاہدہ ہوا تھا۔ اسی انتقامی سلسلہ کی پہلی کڑی پوری رازداری اور سازش کے ساتھ بنو قینقاع کو بنایا گیا اور چونکہ بنو قینقاع راس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے' اس لیے یہ طے شدہ مسئلہ سمجھا گیا کہ وہ ضرور اپنے پورے جتھے اور اثر کے ساتھ بنو قینقاع کا ساتھ دے گا اور اچانک یہ اندرونی حملہ مسلمانوں کو ختم کر کے رکھ دے گا۔

بہر حال یہ بڑی زبردست چال اور سازش تھی کیونکہ بنو قینقاع مدینہ کے باشندے تھے' مار آستین تھے' جنگجو ہونے کے ساتھ ساتھ مالدار اور سامان جنگ رکھنے والے تھے مگر جب اس میں ناکامی ہوئی تو غزوہ سویق میں قریش خود نکلے اور جب اس میں بھی ناکامی ہوئی اور بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم سے مسلمانوں کے حالات معلوم کر کے حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تو قریش نے بنو سلیم اور غطفان کو اس کے لیے تیار کیا مگر بروقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش قدمی سے ان کو بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہوئی۔

حاصل یہ کہ مدینہ کی اندرونی قوت بھی سازش کے ماتحت مقابلہ میں لائی گئی اور بیرونی قوت بھی۔ بدر کے بعد یہ چاروں غزوے جس ترتیب سے ہوئے ہیں' یہ پتہ دیتے ہیں کہ یہ زبردست خفیہ سازباز کے نتیجے تھے کیونکہ بدر سے پہلے نہ اہل مدینہ سے کوئی مقابلہ کے لیے آمادہ ہوا تھا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور نہ اہل مکہ اور قریش کے سوا عرب کے کسی دوسرے قبیلے نے اس کا ارادہ کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ کریں۔

سازش کی وجہ: اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے قریش کا خود نکلنا یا سازش کر کے دوسروں کو تیار کرنا' اس کے لیے ان کی اسلام دشمنی کے مقابلہ میں کسی سبب کی تلاش بیکار ہے لیکن حالت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سازش پر وہ اپنے تجارتی مصالح کے لحاظ سے بھی مجبور تھے کیونکہ بدر کے بعد ان کا شامی راستہ' جو مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا' بند ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کی تجارت کو سخت دھکا لگا تھا' اس لیے وہ اس فیصلہ پر مجبور ہوئے کہ مسلمانوں کو یا تو فنا کر دیں یا اس قدر کمزور اور ضعیف کر دیں کہ یہ بے خوف و خطر ہو جائیں اور ان کی شامی تجارت کے راستہ میں جو یہ مسلمان حائل ہوتے ہیں' اس کی ان میں جرات اور ہمت نہ رہے۔ اسی منصوبہ کے ماتحت بدر کے بعد فوراً ہی لگاتار یہ کوشش کی گئی کہ غزوۂ بدر کے بعد جو رمضان ۲ھ میں ہوا تھا' فوراً ہی شوال ۲ھ میں بنو قینقاع کو سازش کر کے میدان میں

لے آئے۔ پھر ۶/ ذی الحجہ ۲ھ کو خود قریش غزوۂ سویق میں آئے' پھر ۱۶/ محرم ۳ھ کو بنو سلیم کو اس کے لیے تیار کیا' پھر ۱۲/ ربیع الاول ۳ھ کو غطفان کو آمادہ کیا گیا مگر ان سب میں جب مسلسل قریش اپنے منصوبہ میں ناکام رہے تو وہ ناامید اور مایوس ہو گئے۔

قتل کعب بن اشرف: ہم یہ پہلے لکھ آئے ہیں کہ غزوۂ بدر کے بعد کعب بن اشرف چالیس آدمیوں کو لے کر مکہ گیا۔ ابو سفیان سے ملا۔ اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا اور ابو سفیان ان سب کو لے کر حرم میں آیا اور سب نے کعبہ کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ ابن ہشام میں ہے کہ جب یہ مدینہ واپس آیا تو نہایت دل آزار طریقہ اختیار کیا کہ مسلمان عورتوں کے متعلق عاشقانہ اشعار کہنے لگا۔

اس نے اپنی خبیث طبیعت کی بنا پر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں بھی اشعار کہے۔ کھلم کھلا اور علانیہ آپ ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ ابو داؤد میں ہے:

> وكان كعب بن الاشرف يهجو النبی صلے الله عليه وسلم ويحرض عليه كفار قريش - (ابو داؤد باب کیف کان اخراج الیہود)

"کعب بن اشرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا اور آپ ﷺ کے خلاف کفار قریش کو برانگیختہ کیا کرتا تھا"۔

ابن سعد میں ہے کعب بن اشرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور صحابہ کرام کی بھی ہجو کرتا تھا اور قریش کو جنگ کے لیے برانگیختہ بھی کرتا تھا۔

> كان رجلا شاعرا يهجو النبی صلے الله عليه وسلم واصحابه ويحرض عليه.

"کعب بن اشرف شاعر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام کی ہجو کیا کرتا اور آپ ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا"۔

اس کی یہ فتنہ انگیزی جب اس حد سے بھی بڑھ کر یہاں تک پہنچ گئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں دعوت میں بلا کر خفیہ طریقہ پر کچھ لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں تو دھوکہ سے ہلاک کر دیا جائے' جیسا کہ فتح الباری میں

عکرمہ کی سند سے حافظ ابن حجر نے روایت نقل کی ہے۔ تو رحمتہ للعالمین کی زبان پر آ گیا "من لکعب بن اشرف" "کعب بن اشرف کے لیے کون ہے؟"

محمد بن مسلمہ نے کہا "یارسول اللہ! میں کعب بن اشرف کو قتل کر دوں تو آپ ﷺ اس کو پسند فرمائیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ پھر محمد بن مسلمہ نے کہا "تو آپ مجھ کو اجازت دے دیجئے کہ میں اس سے کچھ بات چیت کر لوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بات کرو"۔ طبقات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "سعد بن معاذ سے مشورہ کر لو"۔ محمد بن مسلمہ نے مشورہ کیا' جس میں ذمہ داران اوس شریک تھے۔ پھر حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس آئے اور اس سے کہا "صدقہ کے ہاتھوں ہم مشقت میں پڑ گئے ہیں۔ میں تمہارے پاس قرض کے لیے آیا ہوں"۔ اس نے کہا "بہتر... اپنی بیویوں کو رہن میں رکھو"۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ "ہم اپنی عورتوں کو رہن میں کیسے رکھیں جبکہ عرب میں تم سب سے زیادہ حسین ہو"۔ اس نے کہا کہ "اپنے بچوں کو رہن میں دے دو"۔ محمد بن مسلمہ نے کہا "یہ تو ہمارے بچوں کے لیے زندگی بھر کے لیے گالی ہو جائے گی کہ یہ اتنے ذلیل ہیں کہ ایک وسق یا دو وسق غلہ میں رہن رکھے گئے تھے' لیکن ہم اپنے ہتھیار رکھ دیں گے"۔ بات چیت کے بعد یہ طے ہوا کہ وہ قرض لینے آئیں گے۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ' ابو نائلہ کے ساتھ' جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا' رات کو اس کے پاس آئے اور اس کو بلایا۔ اور بات چیت میں بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کے بال پکڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ محمد بن مسلمہ کے ساتھ اوس کے ابو عبس بن جبر اور حارث بن اوس اور عباد بن بشر بھی تھے۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳ھ کا ہے۔

بخاری شریف میں کعب بن اشرف کے قتل کے سلسلہ میں جو روایت ہے' اس کا حاصل یہی ہے۔ اس میں نہ یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو جھوٹی باتیں کرنے کی اجازت دی اور نہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کی ترکیب بتائی۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے آپؐ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے۔ ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ باتیں کہنے کی اجازت مانگی اور

آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی۔ کیونکہ "الحرب خدعة" یعنی لڑائی میں دھوکہ دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں صرف یہ لفظ ہے "اذن لنا فلنقل" ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کریں۔ اس سے غلط گوئی کی اجازت کہاں نکلتی ہے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۵' ج۱)

غزوۂ بحران: طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ ۶/ جمادی الاول ۳ھ کا واقعہ ہے۔ "بحران" الفرع کے نواح میں ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برد (۹۶ میل) کے فاصلہ پر ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ "بحران" میں بنو سلیم حملہ کے لیے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں تو آپ ﷺ ابن مکتوم کو مدینہ پر امیر بنا کر تین سو اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ لوگ خبر پا کر منتشر ہو گئے۔ مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ بعض اصحاب سیر نے غزوۂ بحران اور غزوۂ بنو سلیم دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ دو غزوے کی حیثیت سے الگ الگ نہیں لکھا ہے۔

سریہ زید بن حارثہ: بدر کے بعد جب ان کی شامی تجارت مدینہ کی راہ سے بند ہو گئی تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ عراق کی راہ اختیار کریں' جو دور کا راستہ تھا۔ چنانچہ ابو سفیان اور صفوان بن امیہ' جو اب قریش کے سردار اور سرتاج تھے' انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کیا کہ:

ان اقمنا بمكة اكلنا روس اموالنا۔

"اگر ہم مکہ میں بیٹھے رہے تو اپنی پونجی کھا جائیں گے"۔

چنانچہ بدر کے نو مہینے کے بعد انہوں نے اس کی تیاری کی۔ ابن ہشام میں ہے:

"جب بدر کے مذکورہ واقعات ہو چکے تو قریش جس راستے سے شام کو جایا کرتے تھے' اس راہ کو چلنے سے ڈر کر انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا اور ان میں کے چند تاجر' جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھا' اور اس کے ساتھ بہت سی چاندی تھی اور چاندی ہی ان لوگوں کی تجارت کا بڑا حصہ ہوا کرتی تھی' ان لوگوں نے فرات بن حیان نامی بنی بکر بن وائل میں کے ایک شخص کو کچھ معاوضہ دے کر ساتھ لے لیا' تاکہ وہ اس راستہ میں ان کی

رہنمائی کرے"۔ (ص ۱۷، ج ۲)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ اس قافلہ کے ساتھ صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ ان کے ہمراہ بہت سا مال' سونے چاندی کے سکے' برتن اور چاندی تھی' جن کا وزن تیس ہزار درہم تھا۔ ان کا رہبر "فرات بن حیان العجلی" تھا۔ اس نے انہیں عراق کی راہ سے ذات عرق روانہ کیا۔

مسلمانوں کی یہ بڑی کامیابی تھی کہ قریش اس راہ سے مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے کیونکہ قافلہ کی روک ٹوک سے ان کا مقصد یہی تھا' جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ اس راہ سے وہ چاہتے تھے کہ قریش کو مصالحت پر اتارا جائے۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی کہ قریش کا قافلہ اب براہ عراق تجارت کے لیے روانہ ہو رہا ہے تو آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو جمادی الاخریٰ ۳ھ میں قردہ کی طرف روانہ کیا۔ زید بن حارثہؓ کی یہ پہلی امارت تھی جو عملاً اس طرح کے معاملہ میں ناتجربہ کار تھے مگر آپ ﷺ نے ان ہی کا انتخاب کیا۔ مقصود یہ تھا کہ اس راہ میں بھی چھیڑ چھاڑ کی بنیاد ڈال دی جائے اور اتنے سے کام کے لیے یہ کافی تھے۔ چنانچہ ایک سو سواروں کے ساتھ یہ روانہ ہوئے۔ طبقات میں ہے کہ:

"زید بن حارثہ نے ان کو روکا اور قافلہ کو پالیا اور قوم کے بڑے بڑے لوگ بچ کر نکل گئے۔ یہ لوگ تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے"۔

زید بن حارثہؓ کی یہ کامیابی اور ابوسفیان وغیرہ جیسے تجربہ کار کمانڈر کا بدحواس ہو کر بھاگ جانا بظاہر ایک غیر معمولی بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدر کی شکست کا اثر ہنوز ان کے قلوب پر تھا اور وہ لوگ اب مسلمانوں سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ بہرحال اس سریہ کی وجہ سے اب قریش کے لیے دونوں راستے خطرناک ہو گئے اور اصل مقصود بھی یہی تھا۔

سریہ ابن جحش کے بعد یہ دوسرا سریہ ہے جس میں مسلمانوں نے قریش کے قافلہ کے مال پر قبضہ کیا۔ سریہ ابن جحش درحقیقت جواب تھا کرز بن جابر کی غارت گری کا جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اور یہ سریہ جواب تھا غزوۂ سویق کا' جس میں ابوسفیان نے ایک

انصاری اور اس کے ملازم کو شہید کر دیا تھا اور گھروں میں آگ لگا دی تھی ورنہ اس وقت تک دس غزوے (۲) اور پانچ سریے ہوئے۔ ان دو سریوں کے سوا ثابت نہیں کہ مسلمانوں نے قریش کے قافلہ کے مال پر قبضہ کیا ہو' یا کسی کو قتل کیا ہو۔

غزوۂ احد: غزوۂ بدر کے بعد جب قریش کا قافلہ براہ مدینہ شام جانا بند ہو گیا اور مجبور ہو کر انہوں نے نو مہینے کے بعد عراق کا راستہ اختیار کیا۔ وہ بھی زید بن حارثہؓ کے ہاتھوں پُرخطر ہو گیا۔ اب ایک سال پورا ہونے کو آیا اور تجارتی قافلہ ان کا بند تھا۔ اس کا اثر صرف تاجروں ہی پر نہ تھا بلکہ تمام اہل مکہ اور اس کے اطراف و جوانب کے باشندوں پر بھی تھا کیونکہ ان ہی قافلوں کے ذریعہ شام سے خورد و نوش کی چیزوں کے علاوہ دوسری ضرورت کی چیزیں اور مایحتاج ان کو ملتا تھا۔ اس لیے اب تجارتی راہ کا مسئلہ ملک کا عام مسئلہ بن گیا اور تمام لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ان راستوں کو خطرات سے کس طرح پاک و صاف کیا جائے؟

اس کی دو ہی صورتیں تھیں: (۱) مسلمانوں سے مصالحت کی جائے۔ (۲) یا ان کا استیصال کر دیا جائے تاکہ حسب معمول قافلہ بلا روک ٹوک آنے جانے لگے۔ مصالحت کی استدعا (جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں) ان کے لیے باعث ننگ و عار تھی' کیونکہ جو وقعت اور عزت و احترام ان کا قبائل عرب میں تھا' وہ اس سے خاک میں مل جاتا۔ اس لیے انہوں نے جنگ کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں کا استیصال کر دیا جائے۔

چنانچہ ابوسفیان کے پاس' جو اب قریش کا کمانڈر تھا اور جس کے پاس شامی تجارت کا زر منافع راس المال ادا کرنے کے بعد امانت کے طور پر محفوظ تھا' عوام کی طرف سے یہ درخواست کی کہ تجارت کا جو نفع جمع ہے' اس کو مسلمانوں کے استیصال کے کار خیر میں صرف کیا جائے۔ ابوسفیان نے کہا: اس تجویز کی پہلی منظوری ہماری جانب سے ہے اور یہ بھی سن لو کہ عبد مناف کی اولاد بھی میرے ساتھ ہے۔ اس شامی تجارت میں ایک ہزار اونٹ تھے اور پچاس ہزار اشرفی کا مال تھا۔ مگر اس کو کافی نہیں سمجھا گیا۔ امداد کے لیے تمام عرب میں سفراء روانہ کیے گئے۔ انہوں نے مال جمع کیا اور وہ تمام قبائل' جو قریش کے ساتھ تھے' مکہ آکر جمع ہوئے۔ طبقات میں ہے:

یعثوا ارسلهم یسیرون فی العرب یدعونهم الی نصرهم فارغبوا و تالب من کان معهم من العرب و

حضرو ا-

"قریش نے سفراء روانہ کیے، جو قبائل عرب میں گشت کر کے ان کو مدد کی دعوت دیتے اور شرکت جنگ کی دعوت دیتے تھے۔ عرب کے جتنے قبائل قریش کے ہم خیال تھے، انہوں نے لبیک کہا اور حاضر ہو گئے"۔

پھر تمام قبائل عرب میں عام جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے اور ان کے دلوں کو گرمانے کے لیے اور ان کے غیظ و غضب کی آگ بھڑکانے کے لیے یہ تدابیر اختیار کی گئیں کہ:

(۱) اعلان عام کیا گیا کہ ہماری غرض اس جنگ سے مقتولین بدر کا (جس میں رؤساء قریش بھی تھے) بدلہ لینا ہے، جو حمیت جاہلیت کی برانگیختگی کے لیے سب سے زیادہ موثر حربہ تھا۔ (۲) شعراء عرب کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ سارے عرب میں اپنے اشعار اور آتش بیانی سے آگ لگا دیں۔ (۳) خاتونان حرم، جس میں سرداران قریش اور معزز گھرانوں کی لڑکیاں اور بیویاں بھی تھیں، فوج میں شریک کی گئیں تاکہ ان کی حرمت کی حفاظت کے خیال سے جان پر کھیل کر لوگ جنگ میں حصہ لیں اور میدان جنگ میں یہ بہادروں کے جوش کو دو آتشہ کرتی رہیں۔

الغرض پورے اہتمام کے ساتھ ابوسفیان کی سیادت اور قیادت میں تین ہزار کی جمعیت مکہ سے روانہ ہوئی۔ اس میں سات سو زرہ پوش، ایک ہزار تیر انداز، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ خاتونان حرم شریک تھیں۔ ان کے ساتھ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کے ساتھ فاسق "ابوعامر" بھی تھا، جو اس سے قبل مدینہ میں راہب کہلاتا تھا اور لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے یہ خط سعد بن ربیعہ کو سنایا اور انس اور مونس کو ۵/ شوال کی شب کو ان کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آکر یہ خبر دی کہ قریش کی فوج مدینہ کے قریب پہنچ گئی ہے۔ انہوں نے "عریض" پہنچ کر اپنے جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ عریض کی تمام کھیتیاں چر گئیں، جہاں سبزہ کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

پھر حباب ابن منذر کو بھیجا۔ وہ قریش کی فوج میں جا کر تعداد کا اندازہ کر کے واپس

آئے اور حالات سے آپ ﷺ کو مطلع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب کو خواب دیکھا کہ آپ ﷺ ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کی تلوار ذوالفقار دھار کے پاس سے تڑک گئی ہے۔ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور ایک مینڈھا اس کے پیچھے ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی اور اس کی تعبیر بھی بتائی کہ مضبوط زرہ سے مراد مدینہ ہے۔ تلوار کا تڑکنا خود مجھ پر مصیبت کی علامت ہے۔ ذبح کی ہوئی گائے میرے اصحاب کا قتل ہے۔ مینڈھے کا پیچھا کرنا، اس سے مراد لشکر کفار ہے۔ (طبقات ابن سعد)

مصنف عبدالرزاق میں زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے لیے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور عبداللہ بن ابی کو (جو بدر کے بعد بظاہر اسلام قبول کر چکا تھا) اس کو بھی مجلس مشاورت میں مدعو فرمایا، جو اس سے پہلے کبھی مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے اور انصار کی اکثریت نے یہ رائے دی کہ "حضور مدینہ میں قیام فرما رہیں اور مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ خدا کی قسم (ہمارا یہ تجربہ ہے) جب کبھی مدینہ سے نکل کر ہم نے مقابلہ کیا ہے، دشمنوں سے نقصان اٹھایا ہے اور جب ہمارے دشمن مدینہ میں داخل ہوئے ہیں، تو ہم نے ان کو شکست دی ہے، پھر خصوصاً جبکہ آپ ﷺ ہم میں موجود ہیں"۔

لہٰذا مناسب رائے یہی ہے کہ ان کو چھوڑ دیجئے۔ اگر وہ باہر پڑے رہے تو بری حالت میں پڑے رہیں گے۔ اگر وہ مدینہ میں داخل ہوں گے تو ہم تمام مرد سامنے ہو کر ان سے جنگ کریں گے۔ اور ہماری عورتیں اور ہمارے بچے اوپر سے ان پر پتھراؤ کریں گے۔ اگر انہوں نے داخل ہونے کی ہمت نہیں کی تو نامراد لوٹ جائیں گے۔
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ اور یہی رائے اکابر مہاجرین اور انصار کی بھی ہوئی۔ لیکن کچھ لوگوں نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی رائے دی اور اپنے شوق شہادت میں ایسی مُصر زور درخواست کی اور اس پر اس قدر اصرار سے رغبت دلائی کہ وہ اپنی رائے کے منظور کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف لے گئے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ ﷺ کے گھر تشریف لے جانے کے بعد سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ نے کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ

ﷺ کی مرضی کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ جو امر مناسب ہوتا ہے، اس کی اطلاع آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم لوگ اس معاملے کو آپ ﷺ ہی کے سپرد کر دو۔ اب سب لوگ صف بستہ حجرے سے لے کر منبر تک آپ ﷺ کے انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ آپ ﷺ مکان سے برآمد ہوں تو عرض کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے اس طرح برآمد ہوئے کہ زرہ پہنے ہوئے، عمامہ باندھے ہوئے اور تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ ڈھال پشت مبارک پر پڑی ہوئی تھی اور زرہ چمڑے کی پیٹی سے وسط میں بندھی ہوئی تھی۔ اب لوگوں نے اپنی ندامت کا اظہار کیا اور عرض کی کہ ہم کو اس کا حق نہیں تھا کہ آپ ﷺ کی رائے کی مخالفت کریں۔ لہٰذا حضور جو مناسب سمجھیں، اس پر عمل فرمائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔ "وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔ یعنی "وہ ہو کر رہا جو اللہ کا فیصلہ مقدر (۳) ہو چکا تھا"۔

۶/ شوال ۳ھ کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ سے "احد" کے لیے نکلے۔ عبداللہ بن ابی تین سو کی جماعت کے ساتھ راستہ سے یہ کہہ کر واپس ہوا کہ میری بات نہیں مانی گئی اور بچوں اور ان لوگوں کی رائے مانی گئی جن کو عقل نہیں۔ اب صرف سات سو صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ رہ گئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت کی طرف رکھ کر صف آرائی کی۔ مصعب بن عمیرؓ کو علم دیا۔ زبیر بن عوامؓ رسالہ کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو ان کی کمان ملی جو زرہ پوش نہیں تھے۔ پچاس تیر اندازوں کو پس پشت اس طرف کھڑا کیا جس طرف "عینین" پہاڑ اور نالہ تھا اور ان پر عبداللہ بن جبیرؓ کو امیر مقرر کیا۔ اور فرمایا کہ پشت کی حفاظت کرنا اور اس مورچہ سے ہرگز نہ ہٹنا۔ طبقات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم دیکھو کہ ہم کو مال غنیمت ملا ہے تو بھی تم ہمارے شریک نہ ہونا اور تم یہ دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں تو بھی ہماری مدد نہ کرنا"۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں سے فرمایا:

ان رایتمونا ظهرنا علیهم فلا تبرحوا۔ وان

رایتموهم ظهروا علینا فلا تعینونا۔ (باب غزوۂ احد)

"اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمنوں پر غالب آگئے، پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہ ٹلنا اور اگر تم دیکھو کہ وہ لوگ ہم پر غالب آگئے پھر بھی تم ہماری اعانت نہ کرنا"۔

تفسیر مظہری میں یہی روایت مزید تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو یہ تاکید فرمائی کہ:

ان رایتمونا تخطفنا الطیر فلا تبرحوا مکانکم هذا حتی ارسل الیکم وان رایتمونا هزمنا القوم واوطاناهم فلا تبرحوا حتی ارسل الیکم۔ (ص ۱۴۴، ج ۲)

"اگر تم دیکھو کہ ہم کو پرندے نوچ رہے ہیں پھر بھی تم اپنی اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے مخالفین کو بھگا دیا اور ان کو کچل کر رکھ دیا، پھر بھی تم نہ ٹلنا یہاں تک کہ میں کسی کو بھیجوں"۔

قریش نے اپنے لشکر کی یوں تنظیم کی کہ میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو متعین کیا۔ سواروں کی کمان صفوان کو دی گئی۔ تیر اندازوں پر عبداللہ بن امیہ کو افسر مقرر کیا تھا۔ دو سو گھوڑے رکاب میں تھے کہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ طلحہ بن ابی طلحہ علمبردار مقرر ہوئے۔

طبقات میں ہے کہ جنگ کی ابتداء ابو عامر نے کی۔ یہ مدینہ میں جب تھا، قبولیت عامہ رکھتا تھا (راہب کے نام سے مشہور تھا۔ تمام اہل مدینہ اس کی عزت کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اسلام دشمنی کے غیظ و غضب میں مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا آیا) اپنے پچاس آدمیوں کے ساتھ میدان میں آکر پکارا: میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے کہا: او بدکار! ہم تجھے پہچانتے ہیں۔ ان میں اور مسلمانوں میں جانبین سے پتھراؤ شروع ہوا۔ بالآخر ابو عامر اپنے پچاس ساتھیوں کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگا۔ مشرکین عورتوں نے جو یہ دیکھا تو ڈھول تاشے اور دف بجا کر برانگیختہ کرنے لگیں اور مقتولین بدر کی یاد دلا کر یہ اشعار پڑھنے لگیں:

نحن بنات طارق — نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق — ان تدبروا نفارق
فراق غیر رامق

(ترجمہ) "ہم رات کو آنے والے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلتی ہیں۔ اگر تم بڑھ کر مقابلہ کرو گے تو ہم تمہارے گلے لگ جائیں گی اور اگر پشت پھیر کر بھاگو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔ جدائی بھی وہ جو نفرت کرنے والی کی ہوتی ہے"۔

جب ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو مسلمان تیر اندازوں نے مشرکین پر تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ ہوازن، جو تیر اندازوں میں مشہور اور نامور تھے، میدان چھوڑ کر بھاگے۔ اب قریش کا علمبردار طلحہ میدان میں آیا اور پکار کر کہا: کون میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے صف سے نکل کر کہا "میں" اور ساتھ ہی تلوار کا ایسا وار کیا کہ طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ یہ لشکر کا افسر تھا، اس لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ایک ساتھ تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے علم اٹھایا۔ حضرت حمزہؓ اس کے مقابل ہوئے اور ایسی تلوار ماری کہ کمر تک اتر گئی۔ پھر عثمان کے بعد اس کے بھائی ابو سعد نے علم اٹھا لیا۔ حضرت سعدؓ نے اس کے حلق پر ایسا تیر مارا کہ اس کی زبان نکل آئی، پھر اس کو قتل کر دیا۔ پھر اس کے بھائی مسافع بن طلحہ نے علم لیا۔ عاصم بن طلحہؓ نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے بھائی کلاب نے علم لیا۔ اس کو طلحہ بن عبداللہؓ نے قتل کر دیا۔ پھر ارطاۃ بن شرجیل نے لیا۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر شریح بن قارض نے لیا، وہ بھی مارا گیا۔ پھر صواب غلام نے لیا۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"ایک شخص نے، جس کا نام صواب تھا، جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے۔ لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبا لیا۔ اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ علم دیر تک خاک پر پڑا رہا۔ آخر ایک بہادر خاتون "عمرۃ بن علقمہ" دلیرانہ آگے بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے

کر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۴۷، ج ۱)

خالد بن ولید، عکرمہ کے سواروں کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو اس پر حملہ کا حکم دیا۔ انہوں نے حملہ کیا تو خالد مع اپنے سواروں کے میدان سے بھاگ نکلے۔ (طبری۔ ص ۱۴، ج ۳)

ابی بن خلف الجمحی، جو بدر کے دن گرفتار ہوا تھا اور فدیہ ادا کرتے وقت اس نے کہا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے، جس کو میں روز ایک فرق (تقریباً سات آٹھ سیر) جوار کھلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ کو قتل کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا تھا کہ میں اسی گھوڑے پر تجھ کو قتل کر دوں گا۔ احد کے دن اسی گھوڑے کو ایڑ مارتا ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو روک کر قتل کر دیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے نیزہ سے اس پر وار کیا، جس سے اس کی پسلی ٹوٹ گئی اور مجروح ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ لوگوں نے اس کو اطمینان دلایا کہ زخم کاری نہیں ہے، کوئی خوف کی بات نہیں۔ ابی نے کہا: "نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کر ڈالوں گا"۔ چنانچہ تھوڑی دور جا کر مر گیا۔ (طبقات)

جب عام جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودجانہؓ صفوں میں گھس گئے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار چلا رہے تھے۔ جو سامنے آتا ڈھیر ہو جاتا۔ وحشی، جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ ایک پتھر کے نیچے چھپ کر تاک میں لگا ہوا تھا۔ اس نے حربہ (جو حبشیوں کا چھوٹا نیزہ ہوتا ہے) پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا اور حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔

ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان اور جنگجو تھے۔ ان کو احد کے دن یہ خصوصی شرف حاصل ہوا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: اس کا حق کون ادا کرے گا؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں۔ مگر آپ ﷺ نے توجہ نہیں فرمائی۔ پھر دوبارہ فرمایا: اس کا حق ادا کرنے کے لیے کون لے گا؟ اب کے حضرت زبیرؓ نے کہا: میں لوں گا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی

اور پھر فرمایا کہ اس کا حق ادا کرنے کے لیے کون لے گا؟ تیسری مرتبہ حضرت ابو دجانہؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں لوں گا۔ جب تلوار ان کو مل گئی تو تلوار لے کر وہ مشرکین کی صف میں اکڑتے ہوئے گھس گئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ بے تحاشا تلوار مارتے جاتے تھے' یہاں تک کہ وہ کند ہو جاتی تھی اور اندیشہ ہوتا تھا کہ اب وہ کام نہ کرے گی۔ پھر وہ اس کو پتھر پر لگا کر تیز کرتے اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پھر کند ہو جاتی۔

ابو دجانہؓ تلوار کا حق ادا کرنے میں ایسے سرگرم تھے کہ فوجوں میں گھسے چلے جاتے اور لاشوں پر لاشیں گراتے جاتے تھے کہ عمرہ بنت حارث سامنے آ گئی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے مرد سمجھ کر اس پر تلوار اٹھائی۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ عورت ہے تو اس خیال سے رک گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار عورت پر کیا آزمائی جائے۔ (یہ روایت مغازی کی ہے)

طبقات میں ہے کہ جب جھنڈا اٹھانے والے قتل کر دیے گئے تو مشرکین اس طرح ہزیمت اٹھا کر بھاگے کہ کسی چیز کی طرف بھی رخ نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عورتیں ان کو کوس رہی تھیں۔ مسلمان تعاقب کر کے جہاں چاہتے تھے' قتل کرتے تھے۔ انہیں لشکر گاہ سے نکال دیا اور غنیمت کا مال جمع کرنے لگے۔

نسطاس' مولیٰ صفوان بن امیہ' جو بعد کو اسلام میں داخل ہو گئے تھے' ان کا بیان "مغازی رسول" میں ہے کہ ابو سفیان نے جنگ احد کے دن قریش کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اپنے اپنے غلاموں کو اپنی اپنی متاع کی حفاظت کے لیے قیام گاہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ میں صفوان بن امیہ کا مملوک تھا۔ مجھ کو مشرکین بھاگتے وقت لشکر گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ میں نے تمام متفرق سامان کو جمع کیا اور اونٹوں کو چھاند دیا۔ قوم میمنہ اور میسرہ پر لڑنے کے لیے چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ لوگ جنگ میں مشغول رہے۔ اچانک قریش شکست کھا کر بھاگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہمارے لشکر گاہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں گھیر لیا اور جن غلاموں کو انہوں نے اس پر مقرر کیا تھا' ان میں' میں بھی تھا۔ پھر انہوں نے خاطر خواہ لوٹا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ صفوان بن امیہ کا مال کہاں ہے؟ تو میں نے کہا: وہ زاد راہ لے کر آیا تھا' مال کو لاد کر نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ کو پکڑ کر گھسیٹا تو میں نے جو کچھ مال گٹھڑی میں تھا' نکال کر دے

دیا۔ اس مال کی مقدار سو مثقال یا ڈیڑھ سو مثقال سونا تھی۔

بہر حال جنگ احد میں باوجود اس کے کہ قریش تین ہزار کی جماعت لے کر آئے تھے' سات سو مسلمانوں کے مقابلہ میں بری طرح ان کو شکست ہوئی۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان جنگ چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں اس طرح بھاگے کہ ان کو اپنی عورتوں کی بھی خبر نہیں رہی۔ مسلمان ان پر غالب آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ پورا ہو گیا کہ "جب تک تم جم کر لڑتے رہو گے' اللہ تم ہی کو فتح دے گا"۔ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب مدینہ سے احد کے لیے روانہ ہو رہے تھے)۔ قرآن مجید میں اس فتح کا ذکر ان لفظوں میں ہے:

جنگ احد میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی:

لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ۔

(آل عمران)

"اور اللہ نے تم کو اپنا وعدہ یقیناً سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم کے موافق جنگ کر رہے تھے"۔

وعدہ فتح کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سچ کر دکھایا:

(۱) کفار کے یکے بعد دیگرے نو علمبردار مارے گئے۔

(۲) کفار کی فوج کا لیڈر مارا گیا۔

(۳) قومی علم سرنگوں ہو گیا' جس کا کوئی اٹھانے والا نہ رہا۔

(۴) ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔

(۵) میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۶) مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ عورتوں کا بھی ان کو خیال نہ رہا۔

(۷) وہ مسلمانوں کے استیصال اور فنا کے منصوبہ کے تحت چڑھ کر آئے تھے' اس میں ناکام رہے۔

===================

حوالہ جات

(۱) سیرۃ النبی ص ۳۴۴-۵۳۴' ج ۱ میں غطفان کے واقعہ کو ۲ھ کا واقعہ لکھا ہے اور بجائے غزوہ کے سریہ لکھا ہے' جو کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔۱۲۔

(۲) دس غزوے حسب ذیل ہوئے: (۱) غزوۂ ابواء' صفر ۲ھ۔ (۲) غزوۂ بواط' ربیع الاول ۲ھ۔ (۳) غزوۂ ذوالعشیرہ' جمادی الثانی ۲ھ۔ (۴) غزوۂ بدر اولیٰ' ذوالعشیرہ سے دس روز کے بعد۔ (۵) غزوۂ بدر' رمضان ۲ھ۔ (۶) غزوۂ بنو قینقاع' شوال ۲ھ۔ (۷) غزوۂ سویق' ذی الحجہ ۲ھ۔ (۸) غزوۂ بنو سلیم' ۱۶ محرم ۳ھ۔ (۹) غزوۂ غطفان' ربیع الاول ۳ھ۔ (۱۰) غزوۂ نجران' جمادی الاولیٰ' ۳ھ۔

پانچ سریے حسب ذیل ہوئے: (۱) سریہ عبیدہ بن حارثؓ' شوال ۱ھ۔ (۲) سریہ سعد بن وقاصؓ' ذیقعدہ ۱ھ۔ (۳) سریہ حمزہ بن عبدالمطلبؓ۔ (۴) سریہ عبداللہ بن جحشؓ' رجب ۲ھ۔ (۵) سریہ زید بن حارثہؓ' جمادی الاخر ۳ھ۔

(۳) یعنی جنگ احد کے لیے یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ ستر صحابہ شہید ہوں گے۔ صورت یہ ہوئی کہ جنگ بدر میں ستر کفار قریش قید ہوئے تھے۔ ان کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایک ایک کر کے قتل کر دیے جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ طبقات میں عبیدہ کی روایت ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں' یا چاہیں تو فدیہ لیں۔ لیکن فدیہ لینے کی صورت میں ستر مسلمان شہید ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بلا کر فرمایا: یہ جبرئیل ہیں جو دو باتوں میں تمہیں اختیار دیتے ہیں۔ یا تو سب آدمیوں کو قتل کر دو اور اگر فدیہ لو گے تو ستر آدمی تمہارے شہید ہوں گے۔ لوگوں نے کہا: ہم فدیہ لیں گے اور اس کے ذریعہ ہم ان کے مقابلہ کے لیے طاقتور بنیں گے اور پھر شہید ہو کر جنت حاصل کریں گے۔ (یعنی دوہرا فائدہ اٹھائیں گے)۔ آخر ان سے فدیہ لے لیا گیا۔ اس طرح ستر مسلمانوں کی شہادت کی تقدیر ہو گئی۔ اس کا غزوۂ احد میں اس طرح انتظام ہو گیا کہ (۱) ایک جماعت باہر نکل کر جنگ کرنے پر مصر ہو گئی اور اپنے اصرار و الحاح سے اپنی رائے منوانے میں کامیاب ہو گئی۔ (۲) اور پھر عین جنگ میں فتح ہو جانے کے بعد اور

کفار کی ہزیمت اور شکست کھانے کے بعد عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں کی اکثریت مال غنیمت کو لوٹنے پر مصر ہو گئی اور مورچہ کو چھوڑ دیا' جس سے شکست خوردہ فوج کے لیے پشت کی طرف سے حملہ کی راہ پیدا ہو گئی اور ستر جلیل القدر صحابہ شہید ہو گئے۔ اور حضور بھی مجروح ہو گئے اور اس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب کی تعبیر بھی پوری ہو گئی۔۱۲۔

جنگ احد میں فتح کے بعد مسلمانوں کو اللہ نے نافرمانی کی سزادی

مگر

کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں نے میدان جنگ نہیں چھوڑا

بلکہ

کفار ہی کو میدان جنگ چھوڑنا پڑا

ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کی جماعت کو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی امارت میں پشت کی طرف جو گھاٹی تھی، وہاں متعین فرمایا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ:

"تم کفار کے لشکر کو ہم سے دور رکھو گے۔ وہ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ کرسکے۔ تم اپنی جگہ پر جمے رہو گے۔ چاہے ہماری فتح ہو یا شکست ہو۔

اگر تم دیکھو کہ ہم کو پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں، پھر بھی تم اس مورچہ سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو"۔

یہ لوگ اس وقت تک اپنی جگہ پر قائم رہے جب تک جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے جنگ جیت لی۔ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے بحیثیت فاتح کے ان کا تعاقب کیا اور مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔

تیراندازوں نے جب دیکھا کہ کفار کو شکست ہو چکی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ چکے۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کا تعاقب ہو رہا ہے۔ ہم بھی اپنا یہ فرض ادا کر چکے کہ دشمنوں کو اس طرف سے روکے رکھیں۔ تمام مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے ہیں، تو ان کے دل میں بھی غنیمت میں شرکت کی ہوک اٹھی اور اپنے امیر عبداللہ بن جبیرؓ سے "غنیمت، غنیمت" کہنے لگے۔ یعنی ہم لوگ بھی غنیمت میں شریک ہوں۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو روکا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد دلایا مگر دس آدمیوں کے سوا غنیمت میں شرکت کے لیے سب لوگوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے:

فاخذوا یقولون الغنیمتة الغنیمه فقال عبدالله بن جبیر عهد الی النبی صلے الله علیه وسلم ان لا تبرحوا فابوا فلما ابوا صرف وجوههم فاصیب سبعون قتیلا۔ (بخاری۔ باب غزوۂ احد)

"(جب کفار بھاگ گئے) تو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھی "غنیمت، غنیمت" کہنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے کہا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور جب ان لوگوں نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو پھیر دیا۔ اور ستر مسلمان شہید ہوگئے"۔

طبقات میں ہے کہ تیراندازوں نے، جو کوہ عینین پر تھے (فتح کے بعد مال غنیمت حصہ لینے کے بارے میں) باہم گفتگو کی۔ ان میں اختلاف رائے ہوگیا۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیرؓ ایک قلیل جماعت کے ساتھ، جو دس سے بھی کم تھے، اپنے مورچہ پر قائم

رہے۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ اپنے ساتھیوں کو نصیحت کی اور رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد دلایا۔ مگر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں ہے (جو تم کہتے ہو) مشرکین تو بھاگ گئے۔ پھر ہمارا مورچہ یہاں کیوں قائم رہے۔ یہ لوگ لشکر کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ مال غنیمت لوٹنے لگے اور پہاڑ کو تنہا چھوڑ دیا۔

خالد بن ولید پہاڑ کو خالی دیکھ کر، کہ بجز چند آدمیوں کے کوئی نہیں ہے، لشکر کو لوٹا کر لے آئے۔ عکرمہ بن ابو جہل بھی ساتھ ہو گیا۔ چند تیر انداز جو وہاں تھے، ان کو قتل کر دیا اور عبداللہ بن جبیرؓ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عام حملہ کر دیا۔ مسلمان درہم برہم ہو گئے۔ ان کی چکی گھوم گئی۔ ہوا بدل گئی۔ مشرقی ہوا مغربی بن گئی۔ مسلمانوں کے حواس جاتے رہے۔ وہ خلاف قاعدہ قتال کرنے لگے۔ حیرانی اور جلدی کی وجہ سے جسے وہ جانتے تھے، ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

یہی واقعہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

(۱) لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ۔
(۲) حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ۔ (۳) وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ۔
(۴) وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ (۵) ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ۔ (آل عمران۔ ع ۱۶، پ ۴)

"(۱) جب تم اللہ کے حکم کے موافق جنگ کرتے رہے تو اللہ نے اپنے وعدہ کو تمہارے لیے سچ کر دکھایا۔ (۲) یہاں تک کہ جب تم (رسول کے حکم کے خلاف باعتبار رائے کے) ضعف میں مبتلا ہو گئے۔ (۳) اور رسول کے حکم کے بارے میں جھگڑا کیا۔ (۴) (اور محض جھگڑا ہی نہیں کیا بلکہ) اس کے بعد کہ اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز (فتح) کو دکھلا دیا تم نے نافرمانی کو راہ دی۔ کوئی دنیا کا طالب تھا، کوئی آخرت کا۔ (۵) تو پھر آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان سے روک دیا"۔

یعنی (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی جو وعدہ فتح کا تم سے کیا تھا، جب تک اس کے حکم کے مطابق لڑتے رہے، پورا کر دیا۔

(۲) لیکن فتح کے بعد یہ دیکھ کر کہ مسلمان غنیمت کا مال جمع کر رہے ہیں، جب تمہاری رائے میں رسول کے فرمان کے خلاف ضعف پیدا ہو گیا اور مورچہ پر بہرحال جمع رہنے کے صاف اور موکد حکم میں مراد اور غیر مراد ہونے کی تشقیق کا اپنے دل میں روگ پیدا کر لیا۔

(۳) پھر اس پر اپنے امیر جماعت سے تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بارے میں جھگڑا شروع کر دیا۔

(۴) اور امیر کے سمجھانے اور رسول کے عہد اور فرمان موکد کو یاد دلانے کے بعد بھی کھلی کھلی نافرمانی کی اور عصیان کو راہ دی اور مورچہ چھوڑ کر نیچے چلے آئے۔ اور یہ چھوڑنا جنگی مجبوری کی بنا پر نہیں تھا بلکہ غنیمت میں شرکت کے لیے اس فتح کے بعد تھا جس کو تم پسند کرتے تھے اور چاہتے تھے۔ تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی کہ "صرفکم عنہم" تم کو ان سے روک دیا اور جانچ میں تم کو مبتلا کر دیا۔ یعنی تم جو ان کو قتل کر رہے تھے، اور بڑھ بڑھ کر مار رہے تھے، اس سے تم کو روک دیا۔ اب وہ تم کو قتل کرنے لگے اور بڑھ بڑھ کر مارنے لگے۔

یہ سزا جو ماقبل کے مجرمانہ دفعات کی بنا پر ان کو دی گئی، اس وقت حصول غنیمت میں سرشاری کا ان کے کیا حال تھا؟ قرآن مجید میں اس کے متعلق یہ بیان ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ۔ (آل عمران۔ ع ۱۶، پ ۴)

"جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے اور پیچھے سے رسول اللہ ﷺ تم کو پکار رہے تھے تو غم کے بدلہ میں (جو تم نے رسول کو پہنچایا) اللہ نے تم کو غم میں مبتلا کر دیا (اور یہ اس مقصد سے کیا) تاکہ تم (آئندہ اللہ و رسول کے حکم کے ماتحت) جو ہاتھ سے جائے اور جو مصیبت پہنچے، اس پر غم نہ کرو"۔

یعنی یہ سزا اس وقت دی گئی جب کہ وہ لوگ غنیمت کے حصول میں چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو پکار رہے تھے کہ پھر آؤ، پھر آؤ۔

گھاٹی نہ چھوڑو۔ مگر یہ لوگ مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اس نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کو غم رسانی کے بدلہ میں خدا نے کافروں کے قتل سے روک دیا اور غم میں مبتلا کر دیا کہ قتل بھی ہوئے اور جو مال غنیمت حاصل کیا تھا وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور سب معاملہ جان بوجھ کر اس مقصد سے کیا گیا' تاکہ اب آئندہ اس مافات پر اور مصائب پر' جو حکم الٰہی کی بنا پر ہوں' حزن نہ کرو اور حزن کے ہاتھوں قتل' تنازع اور عصیان میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

بہرحال اس غلطی کی وجہ سے کہ تیراندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا' کفار کو موقع مل گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مورچہ خالی ہے اور ہم زد سے محفوظ ہیں' تو انہوں نے سنبھالا لیا اور لوٹ کر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو مع ان کے دس ساتھیوں کے شہید کر دیا۔ پھر پشت کی طرف سے جم کر مسلمانوں پر پوری شدت کے ساتھ حملہ کر دیا اور تقریباً تین ہزار اشخاص' تقریباً سات سو افراد پر بیک وقت ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے تلوار سر پر پڑنے لگی۔ تو سنبھلتے سنبھلتے بھی ستر آدمی شہید ہو گئے۔ کیونکہ مسلمانوں کا لشکر کفار کے تعاقب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو چند صحابہ کے ساتھ چھوڑ کر آگے نکل چکا تھا اور غیر مرتب و منتشر ہو چکا تھا اور ان کی صف بندی ٹوٹ چکی تھی اور ہاتھوں میں ہتھیار کی جگہ مال غنیمت کا سامان تھا۔

بہرحال وہ صحابہ جو کفار کے تعاقب میں اپنی جگہ کو چھوڑ کر سب کے سب' بجز چند آدمیوں کے' جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' بہت آگے نکل چکے تھے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ ہم اس طرح گھر گئے ہیں کہ ہمارے ہر آدمی کے سر پر' جو اس وقت تنہا ہے' کفار کے کم سے کم چار فوجی سپاہی ہتھیار سے لیس کھڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے خیال کیا اور صحیح فیصلہ کیا' نہ اس حال میں ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں' جب تک ان کے حصار سے نکل نہ جائیں۔ چنانچہ کوشش کر کے حصار سے اپنے کو باہر کر لیا تاکہ مجتمع ہو کر مدافعت کی جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی جگہ پر جو چودہ صحابہ رہ گئے تھے' جن میں سات انصار اور سات مہاجرین تھے' ان کو بھی کفار نے گھیر لیا مگر وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رہے اور مقابلہ کرتے رہے۔ بیہقی میں حضرت مقدادؓ کی روایت ہے:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ

مبعوث کیا' آپ ﷺ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی نہ ہٹے۔ لاریب آپ ﷺ دشمن کے مقابل جمے رہے۔ ہاں صحابہ کرام کی جماعت آتی تھی اور جاتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور اپنی کمان سے تیر چلا رہے ہیں اور پتھر مار رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پندرہ آدمی ثابت قدم رہے۔ ان میں مہاجرین سے آٹھ آدمی: حضرت ابوبکر' عمر' علی' طلحہ' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح تھے اور انصار سے سات آدمی: حضرت حباب بن منذر' ابودجانہ' عاصم بن ثابت' حارث بن صمہ' سہل بن حنیف' سعد بن معاذ یا سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ تھے رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

یہ روایت طبقات میں بھی ہے مگر اس میں بجائے پندرہ کے چودہ آدمیوں کا ذکر ہے۔

مسلم شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ (ایسے وقت میں کہ) آپ ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی تھے' جب کفار نے آپ ﷺ پر ہجوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "من یردھم عنا و لہ الجنۃ" ہم سے ان کو کون دفع کرتا ہے۔ اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ تو انصاریوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور ان سے لڑتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کو پہنچنے سے روکتا رہا' یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد کفار نے پھر ہجوم کیا' تو اب بھی انصاریوں میں سے ہی دوسرے شخص نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے نہیں دیا۔ پھر وہ بھی شہید ہو گیا۔ یہاں تک کہ ساتوں انصاری باری باری شہید ہو گئے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"عبداللہ بن قمیہ' جو قریش کا مشہور بہادر تھا' صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت ﷺ کے قریب آ گیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری۔ اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جاںنثاروں نے آپ ﷺ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابودجانہ جھک کر سپر بن گئے اور جو تیر آتے تھے' ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ طلحہ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

بے درد رحمت عالم پر تیر برسا رہے تھے اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ
تھے: "رب اغفرلی قومی فانهم لا یعلمون" اے خدا! میری
قوم کو بخش دے، وہ جانتے نہیں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۵۰، ج۱)

عبدالرزاق سے زہری کی مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
چہرہ مبارک پر ستر مرتبہ تلوار کے وار کیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ آپ ﷺ کو
اس کے شر سے بچالیا (یعنی آپ ﷺ کو شہید نہ کرسکے)۔

صحیح بخاری میں حضرت قیس بن حازم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ
دیکھا جسے انہوں نے سپر بنایا تھا' شل ہوگیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کا بیان ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ترکش کے سارے تیر پھیلا دیے اور
فرمایا: "تجھ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں' تیر مارتے جاؤ"۔

ابن کثیر میں حضرت طلحہؓ کے متعلق حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت
ابوبکرؓ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ
کے سر ہے۔ جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کی حمایت میں جان توڑ کر لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کرے "طلحہ ہو"۔ اب جو
قریب آکر دیکھا تو طلحہ ہی تھے۔ میں نے کہا "الحمدللہ میری ہی قوم کا ایک شخص ہے"۔
میرے اور مشرکین کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا' لیکن اس
کے بے پناہ حملے مشرکین کی ہمت توڑ رہے تھے۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن
الجراح تھے۔

کفار کے عین ہجوم کے وقت میں' جبکہ آپ ﷺ کے پاس صرف چند جانثار صحابہ
تھے' ام عمارہ پہنچیں اور اپنا سینہ سپر کردیا اور کفار کے ہجوم کو تیر و تلوار سے روکتی
رہیں۔ ابن قمیہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو ام عمارہ نے بڑھ کر روکا۔
ابن قمیہ کی تلوار ان کے شانے پر پڑی' جس سے زخم آیا اور گہرا نشان پڑ گیا۔

بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جبکہ احد کے دن لوگ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے الگ ہوگئے تھے' تو ابوطلحہؓ آپ ﷺ کے آگے ڈھال لیے کھڑے تھے۔
اور یہ بڑے قادر تیرانداز تھے۔ اس دن ان کے ہاتھوں دو تین کمانیں ٹوٹیں۔ ایک
شخص جا رہا تھا۔ اس کے ترکش میں تیر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تیروں کو

ابوطلحہ کے لیے پھیلا دو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی طرف دیکھتے تھے تو
ابوطلحہؓ کہتے: "آپ ﷺ نہ جھانکیں' مبادا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ
ﷺ کے سینے کے سامنے ہے"۔

عبدالرزاق کی روایت ہے کہ خدا کی لعنت ہو عتبہ بن وقاص پر کہ اس نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چار پتھر پھینکے' جس سے آپ ﷺ کے نچلے سامنے کے دانت
ٹوٹ گئے اور نیچے کے ہونٹ میں زخم آیا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ عبداللہ بن قمیہ جب دوڑتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
قتل کے ارادہ سے آیا تو حضرت مصعب بن عمیر' جو (صورت میں حضور ﷺ کے
مشابہ تھے اور) حضور ﷺ کے علمبردار تھے' وہ مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے اور اس کے
ہاتھ سے شہید ہوگئے۔ اس نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے شہید
کردیا۔ وہاں سے لوٹا تو اس نے کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردیا اور
کسی نے چیخ کر یہ اعلان کردیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کردیے گئے۔
(ص ۱۴۹، ج ۲)

صحابہ کرام جو اچانک غیر متوقع حملہ سے اضطراب اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے تھے'
اس اعلان سے وہ اور حواس باختہ ہوگئے۔ ان کے ہوش و حواس جاتے رہے' ہمت
ٹوٹ گئی' قوت فیصلہ پر اثر پڑا۔ حضرت عمرؓ جیسے بہادر اور صاحب فراست انسان نے
مایوسی کے عالم میں ہاتھ سے ہتھیار پھینک دیے۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت
انس بن نضرؓ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ ہمت کیوں ہار دی؟ بولے: اب لڑ
کر کیا کریں' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو شہید ہوگئے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر
اب جی کر کیا ہوگا؟ یہ کہا اور فوج میں گھس گئے اور پوری بے جگری سے لڑتے رہے'
یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش ملی تو ان پر تیر' تلوار اور
نیزے کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے۔

ابن کثیر میں حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ میں نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
چہرہ سے دونوں کڑیاں نکال لوں۔ لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا
اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کرکے دانتوں سے پکڑ
کر ایک کو نکال لیا' لیکن اس میں ان کا دانت بھی جاتا رہا۔ میں نے اب پھر چاہا کہ

دوسری میں نکال لوں لیکن ابوعبیدہ ؓ نے پھر قسم دی تو میں رک گیا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی۔ اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹ گئے۔

صحابہ کرام، جو کفار کے تعاقب میں آپ ﷺ سے دور ہو گئے تھے، جب حصار توڑ کر باہر نکلے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اطلاع نہ تھی۔ طبقات میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک ؓ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی اور پہچان کر زور سے پکارا: "مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں"۔ اب جانثار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور جان کی بازی لگا کر کفار کی فوج کو آپ ﷺ سے ہٹا دیا۔

طبری میں ہے:

ثم جاءت من المسلمین فئۃ حتی احجزوھم عنہ۔ (ص ۱۸، ج ۳)

"مسلمانوں کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو ہٹا دیا"۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانثاروں کے سہارے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کو دیکھ لیا اور فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا۔ حضرت عمر ؓ اور چند صحابہ نے اس قدر پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ (طبری ص ۲۱، ج ۳)

طبقات میں ہے کہ ابوسفیان نے پکار کر پوچھا: آیا اس جماعت میں محمد ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ پھر پوچھا کہ اس جماعت میں ابن ابو قحافہ (ابوبکر صدیق) ہیں؟ پھر پوچھا کہ اس جماعت میں عمر بن الخطاب ہیں؟ (جب جواب نہیں ملا تو) ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ قتل ہو گئے اور تم ان کے لیے کافی ہو گے۔ یعنی جب یہ لوگ شہید ہو گئے تو یہ کافی ہے۔ اب اسلام زندہ نہیں رہے گا۔ تم لوگ اپنے منصوبہ استیصال اسلام میں کامیاب ہو گئے۔ اب حضرت عمر ؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور پکار کر کہا کہ او دشمن خدا! یہ سب زندہ ہیں اور وہ چیز باقی ہے جس سے تیرا انجام برا ہو گا۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا "اعل ھبل (۱)۔ اعل ھبل"۔ اے ہبل! تو اونچا رہ۔ اے ہبل! تو اونچا رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کو جواب

کیوں نہیں دیتے؟ پوچھا گیا: کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو: "اللہ اعلی و اجل"۔ اللہ اونچا اور بڑا ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا: "لنا عزی و لا عزے لکم" ہمارے لیے عزیٰ (بت) ہے۔ تمہارے لیے عزیٰ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ پوچھا گیا: کیا جواب دیں؟ فرمایا: کہو "اللہ مولٰنا و لا مولٰی لکم" اللہ ہمارا مولیٰ ہے، تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ سب زندہ ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ جانثاروں کی جماعت موجود ہے اور صبح اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ عام جنگ ہوتے ہی ایک ہی حملہ میں سات سو نے تین ہزار کو میدان جنگ سے بھگا دیا تھا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، اب وہی فداکار دیوانے پھر جمع ہو گئے ہیں اور اب ان کی حالت زخم خوردہ شیر کی ہے تو ایسا خوفزدہ ہوا کہ یہ کہہ کر فوراً روانہ ہو گیا کہ آئندہ سال بدر میں پھر مقابلہ ہو گا۔ جواب دیا گیا: ہم بھی وہاں پہنچیں گے۔

مشرکین جب احد سے روانہ ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید وہ اپنے منصوبہ میں ناکامی کی بنا پر غیرت میں آ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہوں، ستر صحابہ کو ان کے تعاقب میں بھیجا۔ بخاری شریف میں ہے:

لما اصاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما اصاب یوم احد وانصرف عنہ المشرکون خاف ان یرجعوا قال من یذھب فی اثرھم فانتدب منھم سبعون رجلا قال کان فیہ ابوبکر والزبیر۔ (باب الذین استجابوا اللہ والرسول)

"احد کے دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچی تھی، جب پہنچ چکی اور مشرک لوگ لوٹ گئے تو آپ ﷺ کو ڈر ہوا کہ وہ لوگ پھر پلٹ کر نہ آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے تعاقب میں کون جائے گا؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ستر آدمیوں نے لبیک کہا۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت زبیر ؓ بھی تھے"۔

صحابہ کرام باوجود اس کے کہ زخموں سے چور تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محض اس ارشاد پر کہ ان کے تعاقب میں کون جائے گا؟ فوراً ستر آدمیوں نے لبیک

کہا اور تعاقب کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس فداکارانہ اور جرات مندانہ اقدام کی حضرت حق کی بارگاہ میں ایسی اجابت ہوئی کہ ان کے حق میں وحی الٰہی کا نزول ہوا اور ہمیشہ کے لیے ان کا یہ ذکر دوام قرآن مجید میں رہ گیا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران-ع ۱۸، پ ۴)

"جن لوگوں نے زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کو مانا ان نیکو کاروں اور متقیوں کے لیے اجر عظیم ہے"۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس خیال کی تصحیح اگلے واقعہ نے یوں کر دی کہ ابوسفیان احد سے روانہ ہو کر جب "روحاء" پہنچا تو اس کو اس کا خیال ہوا کہ منصوبہ تو ناکام کا ناکام ہی رہا، شامی تجارت کا کل زر منافع اور تمام قبائل عرب کا چندہ اور تمام قبائل عرب کے سامان جنگ کی امداد کے ساتھ ساتھ تین ہزار کی جمعیت، ان سب کا مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا اور اسلام کا استیصال کر دیا جائے اور اپنی تجارت کی راہ کو بے خطر بنا لیا جائے اور یہ نہیں ہوا، سوائے حضرت امیر حمزہؓ کے، تمام اجلہ صحابہ کرام اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب موجود ہیں، تو کل کی طرح آج پھر وہ ہماری تجارتی راہ میں سد راہ بنیں گے اور جب ہماری تجارت بند ہو جائے گی تو معاشی مسئلہ کی ابتری کے باعث ہم بھوکوں مر جائیں گے۔

بہرحال ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ کام کچھ نہ ہوا اور سارا کا سارا جتن بے نتیجہ رہا۔ آخر وہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ہم کو پھر دوبارہ حملہ کرنا چاہیے تاکہ ہم ان کے خطرے سے بالکل فارغ ہو جائیں۔ ابن ہشام میں ہے:

قالوا اصبنا جد اصحابه واشرافهم وقادتهم ثم نرجع قبل ان نستاصلهم۔ لنكرن على بقيتهم و لنفرغن منهم۔ (ص ۹۳، ج ۲)

"ہم لوگوں نے چند ذمہ دار بڑے لوگوں کو قتل کیا ہے۔ پھر قبل اس کے کہ ہم ان کا استیصال کریں، لوٹ رہے ہیں۔ ہم ضرور ان کے باقی لوگوں پر دوبارہ حملہ کریں گے اور ان لوگوں سے بالکل فراغت حاصل کر لیں گے"۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی تعاقب پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ رات گزار کر صبح کو پھر تعاقب کے لیے اعلان کرایا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے یہ منادی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے تعاقب کا حکم دیتے ہیں اور یہ بھی حکم ہے کہ وہی لوگ چلیں جو کل (۱۵ شوال ۳ھ) کو جنگ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ ۱۶ شوال ۳ھ کو ان ہی فدائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ منادی کی آواز سن کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! کل کی جنگ میں میرے والد نے بہنوں کی نگرانی کے لیے مجھ کو گھر رہنے پر مجبور کیا تھا اور خود شریک جنگ ہوئے تھے، اس لیے میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھ کو اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ آپ ﷺ حمراء اسد تک تشریف لے گئے مگر آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے ہی ابوسفیان معبد خزاعی سے یہ سن کر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے، مرعوب اور خوف زدہ ہو کر مکہ چلا گیا تھا۔ آپ ﷺ جمعہ کے دن مدینہ منورہ تشریف لائے۔ پانچ شب باہر رہے۔

تعاقب کی وجہ ابن ہشام نے یہ لکھی ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد ان کو مرعوب کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ اس اتفاقی واقعہ سے وہ یہ نہیں سمجھیں کہ مسلمان ضعیف اور مایوس ہوگئے ہیں، بلکہ ان کے اندر ایمانی قوت ہے اور ہمت ہے۔ وہ اس حال میں بھی اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل سکتے ہیں۔ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں:

انما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم مرهبا للعدو وليبلغهم انه قد خرج فى طلبهم ليظنوا به قوة وان الذى اصابهم لم يوهنهم من عدوهم۔ (ص ۹۳، ج ۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے خیال سے نکلے۔ اور اس خیال سے کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ ان کے تعاقب میں نکلے۔ اور وہ سمجھیں کہ آپ ﷺ کو قوت حاصل ہے۔ اور احد کے واقعات نے مسلمانوں کو دشمنوں کے تعاقب و طلب سے کمزور نہیں کر دیا ہے"۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حمراء الاسد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں نکلے کہ چہرہ مبارک مجروح تھا اور پیشانی مبارک زخمی تھی اور دندان مبارک ٹوٹا ہوا تھا۔ نیچے کا ہونٹ اندر کی جانب سے مجروح تھا۔ داہنا شانہ ابن قمیہ کی تلوار کی ضرب سے ست تھا اور آپ ﷺ کے دونوں گھٹنے چھلے ہوئے تھے۔

جنگ احد کے تاثرات: مدینہ میں ابن ابی اور منافقین نے مسرت کا اظہار کیا کہ ستر مسلمان مارے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل (۲) حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی کہ اب یہ کبھی بھی مسلمانوں پر غالب نہ آئیں گے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لن ينالوا مثل هذا اليوم حتى نستلم الركن۔
(ص ۳۱، ج ۲)

"مشرکین آج کی طرح پھر کبھی موقع نہ پائیں گے' یہاں تک کہ ہم رکن (حجر اسود) کو بوسہ دیں گے"۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يصيب المشركون منا مثلها حتى يفتح الله علينا۔ (ص ۹۲، ج ۲)

"مشرکین آج کی طرح پھر کبھی موقع نہ پائیں گے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح کی نوازش فرمائیں گے"۔

وہ قبائل عرب' جو قریش کے طرفدار تھے اور بدر کی شکست سے ان کا جوش اور غیظ و غضب بڑھ گیا تھا مگر وہ ان کی کامیابی سے مایوس نہیں ہوئے تھے' احد کے بعد جب قریش کے لوگ اپنے اس منصوبہ میں ناکام ہو کر واپس ہوگئے' جس کا انہوں نے قبائل عرب سے ذکر کیا تھا اور امید دلائی تھی تو وہ ان کی کامیابی سے مایوس ہوگئے۔ لیکن بغض و حسد اور غیظ و غضب انتہائی حد کو پہنچ گیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ احد کے بعد جابجا قبائل مدینہ پر حملہ کے لیے تیار ہوگئے۔

ابو سفیان اور قریش کے وہ لوگ جو جنگ احد میں شریک تھے' جب کھلی آنکھوں انہوں نے مشاہدہ کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابو بکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ اور اجلہ صحابہ' سوا حضرت حمزہؓ کے' سب زندہ ہیں اور ان میں اس وقت

بھی یہ دم خم باقی ہے کہ اس اتفاقی واقعہ کے بعد فوراً ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر آپ ﷺ کے گرد سے پورے ہجوم کو بھگا دینے میں کامیاب ہوگئے اور ان کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تو وہ مرعوب ہوگئے بلکہ حیرت یہ ہے کہ ان پر اس طرح کے اثرات مرتب ہوگئے کہ جو ایک مغلوب جماعت پر ہوتے ہیں' جس کی تائید ذیل کے واقعات سے ہوتی ہے:

(۱) مسلمان میدان جنگ ہی میں رہے اور ان کی موجودگی ہی میں کفار قریش بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۲) قریش' اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا منصوبہ لے کر آئے تھے' اس اتفاقی واقعہ کے باوجود بھی اس کی ہمت نہ کر سکے کہ اپنے منصوبہ کے ماتحت مسلمانوں کو اسی میدان جنگ میں بالکل فنا کر دیں گے' جبکہ وہ مجروح اور خستہ بھی ہیں۔

(۳) جنگ احد میں یہ لوگ مدینہ سے اتنے قریب ہو کر بھی کہ گویا مدینہ کے پس دیوار کھڑے ہیں' مدینہ پر حملہ کا رخ نہ کر سکے۔ باوجودیکہ وہ اپنے خط میں عبداللہ بن ابی کو لکھ چکے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم قتل کر دو ورنہ ہم آکر تمہارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں کا استیصال کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر تصرف کر ڈالیں گے۔

(۴) راستے میں واپس جاتے وقت اس احساس کے باوجود کہ ہم اپنے منصوبہ میں ناکام رہے' معبد خزاعی کی اس خبر پر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کی فوج لے کر تمہارے تعاقب میں آرہے ہیں' جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے ہو' ڈر کر بھاگ گئے۔

(۵) احد سے چلتے وقت ابو سفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں پھر مقابلہ ہوگا۔ مسلمانوں نے جواب دیا تھا کہ ہم بھی وہاں پہنچیں گے۔ مسلمان آئندہ سال بدر میں حسب وعدہ پہنچے مگر قریش اتنے مرعوب تھے کہ وہ پہنچنے کی ہمت نہ کر سکے۔

(۶) اس اتفاقی واقعہ کے باوجود بھی قریش اس طرح لوٹے کہ نہ تو وہ کسی مسلمان کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جا سکے۔

(۷) اور نہ وہ مسلمانوں کی کسی چیز کو مال غنیمت کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے جا سکے۔

==================

حوالہ جات

(۱) ہبل اور عزیٰ۔ ہبل کے متعلق بحوالہ "معجم البلدان" علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے: بت پرسوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور یاقوت احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے کعبہ میں لاکر رکھا تھا وہ خزیمہ مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پرپوتا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر لا - و - نعم لکھا ہوتا تھا۔ عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے تھے اور "ہاں" یا "نہیں" جو کچھ نکلتا' اس پر عمل کرتے۔ عزیٰ کے متعلق بحوالہ زرقانی لکھا ہے: عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فصل پر نخلہ ایک مقام ہے۔ عزیٰ یہیں منصوب تھا۔ بنو شیبان اس کے متولی تھے۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑوں میں لات کے ہاں اور گرمیوں میں عزیٰ کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۸۲' ج ۱)

(۲) اصل حقیقت جنگ احد کی یہ تھی کہ جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں اور عام جنگ شروع ہوگئی تو سات سو مسلمانوں نے ایک ہی حملہ میں تین ہزار کفار کو میدان جنگ سے بھگا دیا اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ نقشہ پر کام ہوتا رہا' کفار کو اس کا موقع نہ ملا کہ کسی طرح کا نقصان مسلمانوں کو پہنچا سکیں۔ اس نے اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ کفر میں اپنی جوہریت کے اعتبار سے اسلام کے مقابلہ میں ٹھہراؤ کی طاقت نہیں ہے' مسلمانوں کو کفر سے اسی وقت نقصان پہنچے گا جب وہ خود اسلامی نقشہ سے الگ ہو کر اپنے لیے راہ عمل نکالیں گے اور صریح و موکد حکم کے مقابلہ میں اپنے فہم کی دخل اندازی کو بالاتر سمجھیں گے' جیسا کہ اس غزوہ میں ہوا اور اب جبکہ صحابہ کرام کو اس پر عملاً تنبہ ہوگیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ مشرکین کو اب اس طرح کا موقع نہیں ملے گا کہ مسلمانوں کی چوک سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ یہاں تک کہ مسلمان بحیثیت فاتح کے مکہ میں داخل ہوں گے۔ ۱۲۔ کیا آج کے مسلمان اس پر دھیان دیں گے۔۔۔؟

ہجرت نبوی کا چوتھا سال

۴ ہجری

یہ ہم بتا آئے ہیں کہ قریش کو جب بدر میں شکست ہوئی تو ان قبائل میں' جو قریش کے طرف دار اور مسلمانوں کے مخالف تھے' برہمی پیدا ہوگئی۔ لیکن وہ قریش کے فتح و غلبہ سے مایوس نہ تھے اور سریہ بنو سلیم اور غزوۂ غطفان جنگ بدر کے نتائج تھے۔ اب احد میں جب قریش کو اپنے منصوبہ میں ناکامی ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قبائل' جو قریش کے طرف دار تھے اور جنھوں نے جنگ احد میں جانی' مالی اور فوجی امداد کی تھی اور مسلمانوں کے دشمن تھے' قریش کے غلبہ اور فتح سے مایوس ہوگئے۔ ان ہی کے ساتھ یہود' جو اسلام دشمنی میں قریش سے پیچھے نہیں تھے' ان پر بھی یہی اثر ہوا اور اس تاثر نے ان کی اسلام دشمنی میں اشتعال پیدا کر دیا اور ان کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔

ذیل کا سریہ ابو سلمہ اور سریہ عبداللہ ابن انیس ان کے اشتعال کی خبر کی بنا پر بھیجنا پڑا۔

سریہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ: ابتداء محرم ۴ھ میں آپ ﷺ کو خبر ملی کہ خویلد کے بیٹے طلیحہ اور سلمہ اپنے پیروں کے ساتھ اپنی قوم بنی اسد بن خزیمہ میں گھوم رہے ہیں اور آپ ﷺ کے خلاف ان کو جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ طبقات کے الفاظ یہ ہیں:

وذالک بلغ رسول اللہ ان طلیحۃ وسلمہ ابن

خویلد قد سارا فی قومهما و من اطاعهم یدعونهم الی حرب رسول الله۔ (ص ۳۵، ج ۲)

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ خویلد کے دونوں بیٹے طلیحہ اور سلمہ مع اپنے پیروں کے اپنی قوم میں جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی دعوت دے رہے ہیں"۔

اس اطلاع کی بنا پر آپ ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کو ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار کے ساتھ روانہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ قبل اس کے کہ وہ مدینہ پہنچ کر حملہ آور ہوں، پیش دستی کر کے ان کی مدافعت کی جائے۔ جنگ احد، جو شوال ۳ھ میں ہوئی تھی اور مسلمانوں کے زخم ابھی مندمل بھی نہیں ہوئے تھے، دو ماہ کے بعد ابتداء محرم ۴ھ میں جنگ کی بلاوجہ یہ تیاری مشعر ہے کہ اس کا باعث وہی اشتعال اور غصہ تھا جو جنگ احد کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو مشرکین قریش نے اکسایا ہو۔

یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو کسی کو نہیں پایا۔ مغازی کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی پیش دستی کی خبر پاکر منتشر ہوگئے اور خوف زدہ ہوگئے۔ حالانکہ طلیحہ ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔ بعض وفود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ پھر مرتد ہوا۔ پھر نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد مسلمان ہوا اور حج بھی کیا۔ ابو سلمہؓ اونٹ، بکریاں اور تین چرواہے لے کر مدینہ منورہ واپس آئے۔

سریہ عبداللہ بن انیس: یہ سریہ ۵ محرم ۴ھ کو روانہ ہوا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابو سفیان بن خالد ہذلی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج تیار کر رہا ہے۔ طبقات کے الفاظ یہ ہیں:

وذالک انه بلغ رسول الله ان سفیان بن خالد الهذلی قد جمع الجموع لرسول الله صلے الله علیه وسلم۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ابو سفیان بن خالد ہذلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے"۔

آپ ﷺ نے اس کے تدارک کے لیے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو بھیجا۔

طبقات میں عبداللہ بن انیسؓ کا بیان ہے کہ جب ہم "بطن عرنہ" میں پہنچے تو وہ ملا۔ اس کے ساتھ مختلف قبائل کے لوگ تھے، جو اس کے پاس جمع ہوگئے تھے۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے کہا: میں اس لیے تیرے پاس آیا ہوں کہ تیرے ساتھ اس گروہ میں شریک ہو جاؤں جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لیے تیرے پاس جمع ہیں۔ اس نے کہا: بے شک میں ان کے مقابلہ کے لیے تیاری کر رہا ہوں۔ میں اس سے باتیں کرتے کرتے اس کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی جب اس سے جدا ہوگئے اور سو گئے تو میں نے غفلت میں ڈال کر اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر پہاڑ کے غار میں لے کر داخل ہوگیا۔ لوگ تلاش میں نکلے مگر ناکام واپس گئے۔ میں رات بھر چلتا اور دن کو چھپ رہتا تھا، یہاں تک کہ مدینہ آگیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں سر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو ایک عصا عنایت فرمایا۔ یہ عصا ان کے پاس ہمیشہ رہا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے گھر والوں کو وصیت کی کہ یہ عصا میرے کفن میں رکھ دینا۔ ان لوگوں نے یہی کیا۔

سریہ رجیع اور بیر معونہ: یہ دونوں سریے کب وقوع میں آئے، ان کے متعلق ابن اسحاق اور ابن سعد دونوں متفق ہیں کہ یہ دونوں سریے صفر ۴ھ میں ہوئے ہیں۔ ابن ہشام نے پہلے رجیع کو پھر بیر معونہ کو لکھا ہے اور ابن سعد نے اس کے برعکس پہلے بیر معونہ پھر رجیع کو لکھا ہے اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے دونوں کو ایک ہی باب میں لکھا ہے۔

ان دونوں سریوں کے بارے میں علامہ شبلیؒ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے اور سیرت ابن ہشام میں بھی مذکور ہے اور واقدی نے بھی اس کو لکھا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ واقدی نے اس کے ذکر میں اپنی اس خصوصی شان کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے جو علامہ شبلیؒ نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ ایک جزی واقعہ کے متعلق قسم قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے۔ آج کوئی بڑے سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہیں کر سکتا۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۷۴، ج ۱)

ابن سعد اور ابن ہشام نے اس کو کچھ منقح کر کے لکھا ہے اور علامہ شبلیؒ نے اس سے بھی زیادہ منقح کر کے اور بے ضرورت حشو و زوائد کو پاک کر کے لکھا ہے۔ لیکن ان دونوں سریوں کے سبب میں امام بخاریؒ کا اہل سیر سے اختلاف ہے۔ اور یہ بات

نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

"مجموعی حیثیت سے سیرۃ کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں"۔

(ص ۴۸' ج ۱)

بہرحال ان دونوں سریوں کے متعلق' جو اہل سیر نے لکھا ہے' وہ علامہ شبلیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

سریہ رجیع: ان ہی دنوں عضل اور قارہ' جو دو مشہور قبیلے ہیں' ان کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ آپ ﷺ نے دس شخص ساتھ کردیے' جن کے سردار عاصم بن ثابت تھے۔ یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے' جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کردیں۔ بنو لحیان دو سو آدمی لے کر' جن میں ایک سو تیرانداز تھے' ان لوگوں کے تعاقب میں چلے اور ان کے قریب آگئے۔ ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیلے پر پناہ لی۔ تیراندازوں نے ان سے کہا کہ "اتر آؤ' ہم تم کو امن دیتے ہیں"۔ عاصم نے کہا "میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا"۔ یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچادے"۔ غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑکر تیراندازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ ان کی شناخت ہو۔ قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی۔ شہد کی مکھیوں نے لاش پر پرا ڈال دیا۔ قریش ناکام پھر گئے۔ لیکن دو شخصوں نے' جن کے نام خبیب اور زید تھے' کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے۔ کافروں نے بدعہدی کرکے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جاکر بیچ ڈالا۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۶۰' ج ۱)

یہاں یہ باتیں غور طلب ہیں کہ:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آدمی حالات کے تجسّس کے لیے مقرر تھے' جو آپ ﷺ کو حالات کی اطلاع دیتے تھے۔ جیسا کہ عرب میں یہ محکمہ پہلے سے قائم تھا' جس کے ارکان پوری ذمہ داری سے حالات کی صحیح اطلاع دیتے تھے' جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے بے خبر نہ تھے کہ کوئی قبیلہ مسلمان ہوجائے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر نہ ہو۔

(۳) یہ دونوں قبیلے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کیا یہ بات قابل تصور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے غیرمدبر اور بے تدبیر انسان تھے کہ اپنے ذرائع خبر کی طرف آپ ﷺ نے بالکل دھیان نہیں دیا اور محض ان کے کہنے پر کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے' آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کردی اور دس آدمی ساتھ کردیے اور اس طور پر جانے بوجھے دشمنوں کے ہاتھ میں دس صحابہ کی جان دے کر ان کو شہید کرا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی سے ایسی باتیں میرے نزدیک بمراحل دور ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کا معاملہ تو معمولی فہم و فراست والا انسان بھی نہیں کرسکتا ہے' پھر ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے سوچی جاسکتی ہے' جو اچھی طرح قبائل عرب سے اور ان کی اسلام دشمنی سے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے طرز عمل سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے اور جن کے احتیاط کا طرز عمل اس وقت تک یہ رہا تھا کہ کافروں کے مقابلہ میں بھی کافروں سے امداد قبول نہیں کرتے تھے اور ان پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے واقعہ "رجیع" کے متعلق اس سبب سے اختلاف کیا ہے اور واقعہ شہادت کی تصدیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سریہ' جس کے ساتھ وہ مقام رجیع میں یہ واقعہ رونما ہوا' اس سریہ کو کسی کی طلب پر نہیں بھیجا گیا بلکہ معمول کے مطابق "حالات کے تجسّس" کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا۔ اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آگیا۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی هريره قال بعث النبی صلے الله عليه وسلم سريته عينا وامر عليهم عاصم بن ثابت وهو جد عاصم بن عمر بن الخطاب فانطلقوا حتى اذا كان بين عسفان و مكة ذكروا الحی من هذيل يقال لهم بنو لحيان فتبعوهم بقريب من مائة رام۔ فاقتصوا اثارهم حتى لحقوهم فلما انتهى عاصم واصحابه

لجئوا الی فدفد وجاء القوم فاحاطوا بهم فقالوا لکم العهد والمیثاق ان نزلتم الینا ان لا نقتل منکم رجلا فقال عاصم اما انا فلا انزل فی ذمة کافر اللهم اخبر عنا نبیک فقاتلوهم حتی قتلوا عاصما فی سبعة نفر بالنبل وبقی خبیب و زید ورجل اخر فاعطوهم العهد والمیثاق نزلوا الیهم فلما استمکنوا منهم حلوا اوتار قسیهم فربطواهم بها فقال الرجل الثالث الذی معهما هذا اول الغدر فابی ان یصحبهم فجروه وعالجوه علی ان یصحبهم فلم یفعل فقتلوه وانطلقوا بخبیب و زید حتی باعوهما بمکة۔ (باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان و بیر معونہ و حدیث عضل و قارۃ و عاصم بن ثابت و خبیب واصحابہ)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کے تجسس کے لیے ایک سریہ بھیجا اور اس پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ یہ لوگ چل کر جب عسفان اور مکہ کے درمیان (رجیع) پہنچے تو ہذیل کے ایک قبیلہ بنو لحیان کو ان کے متعلق اشارہ کر دیا گیا تو تقریباً سو تیر اندازوں کو لے کر ان لوگوں نے تعاقب کیا اور ان کے نشان قدم پر چل پڑے اور ان لوگوں سے جا ملے۔ حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھی ایک ٹیکرے پر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ بنو لحیان کے لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگ اتر آؤ تو ہم عہد کرتے ہیں کہ تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عاصمؓ نے کہا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں نہیں اتروں گا (اور خدا سے دعا کی) اے میرے اللہ! ہمارے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو خبر پہنچا دے۔ بنو لحیان والوں نے ان سے جنگ کی اور حضرت عاصمؓ کو سات آدمیوں کے ساتھ تیر اندازی کر کے شہید کر دیا۔ باقی رہ گئے حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ اور ایک آدمی اور۔ یہ تینوں ان کے عہد پر ان کے پاس چلے آئے۔ جب ان لوگوں نے ان پر قابو پا لیا تو

ان کے کمانوں کے چلے کو اتار لیا اور اسی سے ان کو باندھ دیا۔ تیسرے شخص نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ پہلی بد عہدی ہے اور ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے مجبور کرنے پر بھی ان کے ساتھ نہ ہوئے تو ان کو بھی شہید کر دیا اور حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر چلے اور مکہ جا کر ان کو فروخت کر دیا"۔

مقام رجیع کے واقعہ کا جہاں تک تعلق ہے، علامہ شبلیؒ نے جو کچھ ارباب سیر کے حوالہ سے لکھا ہے، اور جو کچھ بخاری شریف کی روایت میں ہے، بالکل یکسانیت ہے۔ صرف سبب میں اختلاف ہے کہ آیا ان دس آدمیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول تجسس احوال و اخبار کے لیے بھیجا تھا یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عضل و قارہ کے چند آدمیوں کی اس جھوٹی خبر کی بنا پر بھیجا تھا کہ عضل و قارہ کے دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ ﷺ چند آدمیوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ وہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔

صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی، جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے"۔ ابو براء نے کہا "ان کا میں ضامن ہوں"۔ آپ ﷺ نے منظور فرما لیا اور ستر اصحاب ساتھ کر دیے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چنتے، شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کی نذر کرتے، کچھ اپنے لیے رکھتے۔

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے، یعنی عصیہ، رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیے کہ تیار ہو کر آ جائیں۔ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا۔ صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے۔ راستہ میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا۔ کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا۔ صرف عمرو بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، میں تجھ کو آزاد

کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر میں کبھی نہیں ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ عمرو امیہ نے جو دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا' اس پر آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی اور دونوں کا خون بہا ان کے قبیلہ میں بھیج دیا۔
(سیرۃ النبی۔ ص ۳۵۹' ج ۱)

علامہ شبلیؒ نے جو کچھ لکھا ہے' اس کا ماخذ طبقات ابن سعد' سیرت ابن ہشام ہے۔ ابو براء اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا' بلکہ اسلام پیش کرنے پر بھی اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ طبری میں ہے:

قدم ابوبراء عامر بن مالك بن جعفر ملاعب الالسنة وكان سيد بني عامر بن صعصعة على رسول الله و اهدى له هديته فابى رسول الله ان يقبلها وقال يا ابا براء لا اقبل هدية مشرك فاسلم ان اردت ان اقبل هديتك ثم عرض عليه الاسلام واخبره بما له فيه وما وعد الله المومنين من الثواب وقراء عليه القران فلم يسلم ولم يبعد۔
(ص ۳۴' ج ۳)

"ابو براء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو ہدیہ دیا مگر آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا اور فرمایا کہ میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کروں تو اسلام لے آؤ۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر اسلام پیش کیا اور اسلام لانے کے فوائد اور ثواب بتایا۔ قرآن بھی پڑھ کر اسے سنایا مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا اور دور بھی نہیں ہوا"۔

اس کے بعد پورے واقعہ کا ذکر ہے جو سیرۃ النبی میں مذکور ہے۔ یہ روایت بھی واقعہ رجیع کی طرح غور طلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی' دور اندیشی اور فراست کے پیش نظر آپ ﷺ کی طرف یہ انتساب قرین قیاس ہے کہ ایک ایسا شخص' جس کا آپ ﷺ نے ہدیہ قبول نہیں کیا اور جس نے آپ ﷺ کے اسلام

پیش فرمانے پر اسلام قبول نہیں کیا' اس کی ذمہ داری پر آپ ﷺ نے ستر صحابہ کو اس کے ساتھ ایسی قوم کی طرف جان بوجھ کر بھیج دیا' جس سے آپ ﷺ کو خطرہ تھا اور یہ خطرہ اس لیے بالکل حق بجانب تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی تھی کہ میں "غطفان" کو لے کر چڑھ آؤں گا۔ پورا واقعہ اس کا یوں ہے:

"عامر بن طفیل' جو ان اطراف کا رئیس تھا' اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان تین باتیں ہیں۔ بادیہ کے مالک تم بنو اور شہروں کا میں بنوں یا اپنے بعد مجھ کو جانشین بناؤ ورنہ غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا تھا' اس لیے اس کی طرف سے ڈر تھا"۔ (صحیح بخاری غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان۔ حاشیہ سیرۃ النبی۔ ص ۳۵۸' ج ۱)

اس کے متعلق امام بخاری کی روایت حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ:

ان رعلا و ذكوان و عصية و بنو لحيان استمدوا رسول الله صلے الله عليه وسلم على عدو فامدهم بسبعين من الانصار كنا نسميهم القراء في زمانهم كانوا يحتطبون بالنهار ويصلون بالليل حتى كانوا ببير معونة قتلوهم و غدروا بهم فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقنت شهرا يدعوا في الصبح على احياء من احياء العرب على رعل و ذكوان و عصية و بني لحيان۔ (بخاری۔ باب غزوۃ الرجیع الخ)

"رعل اور ذکوان' عصیہ اور بنولحیان (جو حضور ﷺ کے معاہد تھے) اپنے دشمن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی تو آپ ﷺ نے ایسے ستر انصار سے ان کی مدد فرمائی جن کو ہم لوگ "قراء" کہتے تھے۔ یہ لوگ دن کو لکڑیاں لاتے تھے اور رات کو نماز میں گزار دیتے تھے۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور ان کو قتل کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک دعائے قنوت پڑھی اور رعل' ذکوان' عصیہ اور بنولحیان پر بددعا فرمائی"۔

پھر اسی سلسلہ میں حضرت انسؓ کی دوسری روایت ہے کہ:

انه كان بعث ناسا يقال لهم القراء وهم سبعون رجلا الى ناس من المشركين بينهم(۱) و بين رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد قبلهم فظهر هولاء الذين كان بينهم و بين رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد۔ (بخاری۔ ایضاً)

"آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو، جن کو قراء کہا جاتا تھا، اور یہ لوگ ستر آدمی تھے، ایسے مشرکین کی طرف بھیجا کہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا۔ پس ان معاہدین نے ان پر حملہ کر کے، ان کو شہید کر دیا"۔

حاصل یہ کہ امام بخاری (۲) رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بربنائے معاہدہ معاہدین کی امداد کی طلب پر ستر صحابہؓ کو ان کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو ان لوگوں نے غدر کو راہ دی اور صحابہ کرام کو شہید کر دیا، جس کا صدمہ رحمتہ للعالمین ﷺ کو اس قدر ہوا کہ آپ ﷺ نے ان غدار معاہدین کے حق میں ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی۔

غزوۂ بنو نضیر: غزوۂ بنو نضیر کے متعلق اہل سیر کی رائے ہے کہ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابن اسحاق نے بیر معونہ اور احد کے بعد کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ارباب حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ، غزوۂ احد سے پہلے اور غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ بخاری میں زہری کی روایت حضرت عروہ سے یہی ہے۔ اہل سیر نے "غزوۂ بنی نضیر" کا سبب یہ لکھا ہے:

بیر معونہ کے واقعہ کے بعد عمرو بن امیہ جب مدینہ واپس آ رہے تھے، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، ایسے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ دی تھی اور آپ ﷺ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کیا تھا۔

ان ہی دو آدمیوں کے خون بہا کے سلسلہ میں خون بہا کا ایک حصہ معاہدہ کی رُو سے بنو نضیر پر واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ادائیگی کی ہامی بھری لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ

ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کے آپ ﷺ پر پتھر گرا دے۔ عمرو بن حجاش اس خدمت کے لیے تیار ہو گیا۔ سلام بن مشکم نے کہا: ایسا نہ کرو، تمہارے ارادہ کی ان کو خبر دے دی جائے گی اور ایسا کرنا معاہدہ کے بھی خلاف ہو گا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی تو آپ ﷺ اچانک اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کوئی قضائے حاجت کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور مدینہ منورہ چلے آئے۔ صحابہ کرام بھی آپ ﷺ سے آملے۔ صحابہ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود نے بدعہدی کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ نے مجھے خبر دے دی۔ اس لیے میں چلا آیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ تم لوگ شہر سے نکل جاؤ۔ دس دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو شخص نظر آئے گا، اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ ابن ابی منافق نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا کہ تم شہر سے نہ نکلو اور قلعہ بند ہو جاؤ۔ میرے ساتھ دو ہزار آدمی ہیں، جو تمہاری حمایت میں تمہارے قلعہ میں داخل ہوں گے اور آخر دم تک رہیں گے اور جان دے دیں گے۔ ابن ابی کے پیام سے انہوں نے غلط توقعات قائم کر لیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم شہر سے نہیں نکلیں گے، آپ ﷺ سے جو ہو سکے وہ کر لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے زور سے تکبیر کہی اور فرمایا کہ یہود نے اعلان جنگ کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ نتیجہ کیا ہوا، یہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔ یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے اور یہی سیرت ابن ہشام میں بھی ہے۔ حاصل یہ کہ اہل سیر کے نزدیک غزوۂ بنی نضیر کا واقعہ غزوۂ احد کے بعد کا ہے اور یہی ان کے نزدیک مرجح ہے۔ اسی وجہ سے غزوۂ بنی نضیر کے سبب میں وہ "خون بہا" کے مطالبہ کے لیے بنو نضیر کے پاس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جانے کا ذکر کرتے ہیں اور اس کا رد کرتے ہیں کہ بنو نضیر کا واقعہ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ "زاد المعاد" میں ہے:

زعم محمد بن شهاب الزهرى ان غزوة بنى نضير كانت بعد بدر بستة اشهر و هذا وهم منه او غلط عليه۔ بل الذى لا شك فيه انها كانت بعد احد۔
(ص ۳۶۰، ج ۱)

"محمد بن شہاب زہری کا خیال ہے کہ غزوۂ بنو نضیر کا واقعہ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ یہ زہری کا وہم ہے یا غلط روایت ان پر پیش کی گئی ہے۔ اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ غزوۂ بنو نضیر غزوۂ احد کے بعد ہے"۔

حافظ ابن قیم کو اہل سیر کی رائے پر اتنا اعتماد ہے اور اس کو اتنا مرجح سمجھتے ہیں کہ لکھتے ہیں "اس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں ہے کہ غزوۂ بنو نضیر غزوۂ احد کے بعد کا واقعہ ہے"۔ اور ارباب حدیث جو غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد کا واقعہ بتاتے ہیں' وہ سراسر وہم ہے یا غلط روایت پر اس کی بنیاد ہے۔ یعنی ان کے نزدیک غزوۂ بنو نضیر کے غزوۂ بدر کے بعد ہونے پر جو استدلال ابو داؤد' حاکم' ابن مردویہ وغیرہ کی روایت کی بنا پر کیا جاتا ہے' وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہم ہے۔

اس موقع پر علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:

"تعجب ہے کہ ارباب سیر ابو داؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں"۔ (حاشیہ سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۶' ج ۱)

مگر "زاد المعاد" کی مذکورہ تصریح تو صاف اس بات کو بتا رہی ہے کہ وہ ارباب حدیث کے خیال اور ان کی روایت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ مگر ان کے خیال کو وہم اور ان کی روایت کو غلط نقل پر مبنی سمجھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود ان کی یہ رائے کہ "ہذا وہم منہ اور غلط علیہ" اپنی جگہ پر وہم اور خطا پر مبنی ہو کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک ترجیح ارباب حدیث کی رائے کو ہے۔ اور اس کی بنیاد صحیح حدیث پر ہے جس کے مقابلہ میں "اہل سیر" کی رائے کو اور ان کی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

ارباب حدیث کے نزدیک غزوۂ بنی نضیر کا سبب حسب ذیل ہے جس کو ہم علامہ شبلیؒ کے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں۔

"اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دو۔ ورنہ ہم خود آ کر تمہارا بھی استیصال کر دیں گے۔ بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں' ہم بھی اپنے احبار کو لے کر آئیں گے۔ آپ

ﷺ کا کلام سن کر اگر ہمارے احبار آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہو گا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے' آپ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو' میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا' لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ ﷺ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ انہوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر کے لیے نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھ دیا لیکن وہ کسی طرح معاہدہ پر راضی نہ ہوئے۔ (۳)

بالآخر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ تین آدمی لے کر آئیں' ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے۔ آپ ﷺ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ ﷺ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ ﷺ کو قتل کر دیں"۔ (۴) (سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۷' ج ۱)

مولانا شبلیؒ کا پہلا ٹکڑا جو ابو داؤد کی روایت کا خلاصہ ہے' اس روایت کو عبد الرزاق' عبد بن حمید' ابن المنذر اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ اس کے سوا ایک اور دوسری روایت حضرت عائشہؓ کی بیہقی نے دلائل میں اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عائشة قالت كانت غزوة بني نضير وهم طائفة من اهل اليهود على راس ستة اشهر من وقعة بدر۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ بنو نضیر کا غزوہ جو یہودیوں کی ایک جماعت تھی' غزوہ بدر کے واقعہ کے چھ ماہ بعد ہوا"۔

امام بخاریؒ کا بھی رجحان اسی کی طرف ہے جس کی طرف اشارہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں کیا ہے۔

بہرحال سبب چاہے وہ ہو جو اہل سیر کہتے ہیں یا وہ ہو جو ارباب حدیث کہتے ہیں' غزوہ

بنو نضیر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بنو نضیر قریش کے خط اور عبداللہ بن ابی کے اس پیام سے
کہ بنو قریظہ تمہارا ساتھ دیں گے اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا'
نقض عہد کر کے بغاوت پر تیار ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور بنو قریظہ
سے بھی تجدید معاہدہ کے لیے آپ ﷺ نے مطالبہ فرمایا۔ انہوں نے معاہدہ کی تجدید
کر دی۔ بنو نضیر کا محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا۔ اس اثناء میں نہ بنو قریظہ نے ان کا
ساتھ دیا' نہ عبداللہ بن ابی منافق نے امداد کی اور ساری توقعات غلط ثابت ہوئیں۔
بالآخر اس پر صلح ہوئی کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور ہتھیاروں کے سوا جو سامان لے جا سکیں
لے جائیں۔ چنانچہ بنو نضیر گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے مگر کس شان سے نکلے۔۔۔ طبری کے
حوالہ سے علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"بنو نضیر گرچہ وطن چھوڑ کر نکلے مگر اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا
ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ مطربہ عورتیں
دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو
یہود نے خرید لیا تھا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس
سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ہتھیاروں کا
ذخیرہ' جو ان لوگوں نے چھوڑا' اس میں پچاس زرہیں' پچاس خود اور تین سو
چالیس تلواریں تھیں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۷۹' ج ۱)

غزوہ بدر الموعد: یہ پہلے گزر چکا ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے
پکار کر یہ کہا تھا کہ "آئندہ سال بدر میں پھر مقابلہ ہو گا" اور مسلمانوں کی طرف سے یہ
جواب دیا گیا تھا کہ ہم بھی وہاں پہنچیں گے۔ ابو سفیان کو اپنے اعلان کی غیرت تھی۔ اس
بنا پر مکہ کے اطراف کے قبائل کو اس نے اطلاع دی اور تیاری شروع کر دی اور رات
دن کی سعی اور کوشش سے دو ہزار کی جمعیت اکٹھا کی۔ لیکن جب وقت قریب آیا تو
ابو سفیان کی ہمت نے جواب دے دیا اور احد میں "منصوبہ" کی ناکامی کے خیال نے
حوصلہ پست کر دیا۔ نیز اس خیال سے کہ:

"جب بدر کے انتقامی جوش اور قبائل عرب کی امداد اور فوجی اعانت اور
شامی تجارت کے جملہ زر منافع کو جنگ میں جھونک دینے کے ساتھ' تین ہزار
کی جمعیت' جو تمام آلات حرب سے لیس تھی' سات سو مسلمانوں کے مقابلہ

میں نہ ٹھہر سکی تھی اور شعراء کی آتش بیانی اور خاتونان حرم کی بہادروں کے
جوش کو برانگیختہ کرنے والی اور ان کی ہمت کو دو آتشہ بنانے والی رجز خوانی
بھی کام نہ آئی اور میدان جنگ سے شکست کھا کر بھاگنے کی نوبت آ گئی تھی'
تو یہ دو ہزار کی جمعیت کہاں ٹھہرنے کی تاب لائے گی؟"

وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کسی طرح "بدر الموعد" کا پالا ٹل جائے اور ایسی راہ
پیدا ہو جائے کہ بدر جانا نہ پڑے اور بزدلی اور پست ہمتی کا طعنہ بھی سننا نہ پڑے۔
اتفاق سے اسی زمانہ میں نعیم بن مسعود اشجعی مکہ آیا ہوا تھا۔ ابو سفیان نے اس سے
کہا کہ میرا مسلمانوں سے بدر پہنچنے کا وعدہ تھا مگر چونکہ یہ خشک سالی کا سال ہے اور جنگ
کے لیے مناسب نہیں ہے' اس لیے تم کسی طرح سے مسلمانوں کو بدر پہنچنے سے روک
دو' تو ہم تم کو بیس اونٹ دیں گے۔ مجھ کو یہ پسند نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بدر
آئیں اور میں نہ پہنچوں۔ اس صورت میں ان کی ہمت بڑھ جائے گی اور حوصلے بلند ہو
جائیں گے اور ہم پر جری ہو جائیں گے۔

نعیم اس پر راضی ہو گیا اور ابو سفیان نے سواری کا انتظام کر دیا اور وہ تیزی کے
ساتھ مسافت طے کر کے جلد سے جلد مدینہ پہنچ گیا اور اس نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا
کہ ابو سفیان بڑے لشکر اور سازوسامان سے آ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
سن کر فرمایا کہ "واللہ اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو بھی میں تنہا بدر پہنچوں گا"۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرات مندانہ اقدام سے مسلمانوں کے دل میں بھی
جرات پیدا ہو گئی اور آپ ﷺ پندرہ سو صحابہ کرام کو لے کر بدر کے لیے روانہ
ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ کل دس گھوڑے تھے۔ مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ کو
امیر بنا دیا۔ صحابہ کرام اتنے مطمئن تھے کہ اپنے ساتھ سامان تجارت بھی لے لیا تھا۔ بدر
میں ہر سال یکم ذیقعدہ سے بازار لگتا تھا' جو ۸ ذیقعدہ تک رہتا تھا اور تمام اطراف کے
لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعدہ ۴ھ کی چاند رات کو بدر پہنچے۔ صبح کو بازار لگ گیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ آٹھ دن وہاں قیام کیا۔ صحابہ
کرام اپنے ساتھ جو تجارتی مال لے گئے تھے' اسے فروخت کرتے تھے۔ ایک درہم پر
ایک درہم کا نفع ہوا۔ اس طرح تمام صحابہ کرام آٹھ دن کے بعد سالماً وغانماً مدینہ منورہ

واپس ہوئے اور حسب وعدہ ابوسفیان کو بدر پہنچنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

ابوسفیان بن حرب دو ہزار قریش کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ ان کے ساتھ پچاس گھوڑے تھے۔ وہ مجنہ تک پہنچا (جو مرالظہران کے علاقہ میں ہے)۔ وہاں پہنچ کر ابوسفیان نے کہا کہ واپس چلو، یہ سال خشکی کا ہے، جو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔ میں پلٹتا ہوں، تم بھی پلٹو۔

معبد بن ابی معبد الخزاعی نے جب مکہ والوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب کے بدر میں پہنچنے اور آٹھ دن تک قیام کرنے کا حال بیان کیا تو صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا: میں نے اسی دن تجھے منع کیا تھا کہ ایسا چیلنج نہ دے۔ اب اس سے ان کی جرات اور بڑھ گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ ہم ان سے پیچھے رہ گئے۔ اہل مکہ نے ابوسفیان کے لشکر کا نام "جیش السویق" رکھا تھا، اس لیے کہ ابوسفیان نے زادراہ کے لیے "ستو" لیے تھے۔ ابوسفیان بظاہر گرچہ اپنی ذات سے بزدلی اور عار و ننگ مٹانے کے لیے "مجنہ" تک پہنچا مگر ناکام واپسی نے اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنادیا۔

قرآن مجید میں نعیم کی سازش، جھوٹی مخبری اور مسلمانوں کی جرات ایمانی، پھر بدر سے کامیاب واپسی کا بیان ان الفاظ میں ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔ (آل عمران۔ ع ۱۸، پ ۴)

"وہ لوگ جن کو لوگوں نے آکر خبر دی کہ (مخالف) لوگوں نے تمہارے (ساتھ لڑنے کے) لیے بڑی بھیڑ جمع کی ہے، ان سے ڈرو۔ تو اس سے ان کی جرات ایمانی اور بڑھ گئی۔ اور بول اٹھے کہ ہم کو بس اللہ کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر گئے) تو یہ لوگ اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ اس طرح (مدینہ) واپس آئے کہ ان کو (کسی طرح کا)

گزند نہیں پہنچا۔ اور یہ لوگ اللہ کی مرضی پر کاربند ہوئے اور اللہ بڑا صاحب فضل ہے"۔

بدر الموعد کا اثر: ۴ھ کا خاتمہ غزوہ بدر الموعد پر ہوا۔ یہ وہ غزوہ تھا جس کی طرف تمام قبائل عرب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور ابوسفیان کے اس بڑے بول کا انتظار تھا جو احد میں چلتے وقت اس نے پکار کر کہا تھا کہ اگلے سال بدر میں مقابلہ ہوگا۔ مسلمانوں نے اس چیلنج کو قبول کیا تھا۔ قبائل کا خیال تھا کہ احد کے منصوبہ کی ناکامی کا بدلہ آئندہ سال بدر میں لے لیا جائے گا اور ابوسفیان، اسلام اور مسلمانوں کا ضرور استیصال کردے گا۔

مگر جب بدر کا زمانہ آیا اور تمام قبائل عرب اپنے دستور کے مطابق بدر کے سالانہ اجتماع میں شریک ہوئے اور مسلمان حسب وعدہ پندرہ سو کی جماعت کے ساتھ مقابلہ کے لیے پہنچ گئے اور جب تک بدر کا سالانہ قومی اجتماع قائم رہا، ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سالانہ اجتماع کا کیمپ ٹوٹ گیا، لوگ منتشر ہوگئے اور مسلمان بھی سالماً و غانماً مدینہ منورہ واپس ہوگئے اور ابوسفیان حسب وعدہ بدر نہیں پہنچا تو اس کا اثر ان تمام قبائل عرب پر، جو قریش کے ہمدرد تھے اور مسلمانوں کے مخالف تھے، بہت خراب پڑا۔ اور وہ یہ سمجھے کہ اب قریش میں تاب مقاومت نہیں رہی اور وہ اپنی روایتی جرات و شہامت کو کھو بیٹھے اور اسلام اور مسلمانوں کا استیصال ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ اس تاثر نے ان میں غیظ و غضب کی آگ کو زیادہ سے زیادہ مشتعل کردیا اور اب اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کو اپنا مسئلہ بنالیا اور اپنی اپنی جگہ پر سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں۔

بدر موعد کا وقوع ذیقعدہ ۴ھ میں تھا، ذی الحجہ تیاری میں گزرا اور ۵ھ میں شروع سال محرم ہی سے مدینہ پر حملہ کی خبریں ملنے لگیں۔

===================

حوالہ جات

(۱) فی حاشیۃ البخاری- بینهم و بین رسول الله صلی الله علیه وسلم عهد- جملة ظرفية خالية و تقديره' بعث الى ناس من المشركين اى غير المعاهدين و الحال ان بين ناس منهم و بين رسول الله صلى الله عليه و سلم عهد يعنى رعلا و ذكوان و عصية فغلب المعاهدون فغدر وافقتلوا القراء المبعوثين لامدادهم على عهدهم .الخ ("کتاب المغازی" ص ۵۸۸)

(۲) یہ روایت طبقات ابن سعد میں بھی ہے' مگر پہلے ابوبراء والے واقعہ کو لکھا ہے۔ اس سے شاید اس کی طرف ان کو اشارہ کرنا مقصود ہو کہ ان کے نزدیک ترجیح اسی کو حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) یہاں تک تو ابوداؤد کی روایت کا حاصل ہے۔ ۱۲۔

(۴) اس جگہ علامہ شبلیؒ نے یہ حاشیہ لکھا ہے جس میں آخر کے ٹکڑے کا حوالہ ہے۔ فتح الباری' غزوۂ بنونضیر' جلد سابع' ص ۲۵۵۔ فتح الباری میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنونضیر نے آنحضرتؐ کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں ترجمۃ الباب یہ ہے۔

باب حديث بنى النضير و مخرج رسول الله صلے الله عليه و سلم اليهم فى ديه الرجلين و ما ارادبه من الغدر برسول الله صلے الله عليه و سلم۔
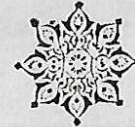
ہجرت نبوی کا پانچواں سال

۵ ہجری

غزوۂ ذات الرقاع کے عنوان کے تحت ابن سعد نے لکھا ہے کہ کوئی شخص مدینہ میں اپنا ذاتی مال لے کر آیا۔ اس نے صحابہ کرام کو یہ خبر دی کہ انمار اور ثعلبہ نے جنگ کے لیے لشکر جمع کیے ہیں۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ ﷺ مدینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر چار سو اصحاب یا سات سو اصحاب کو لے کر مدافعت کے لیے نکلے' یہاں تک کہ "ذات الرقاع" پہنچ گئے۔ یہ مقام "نخیل" کے قریب تھا جو سعد اور شقرہ کے درمیان ہے۔ وہاں کسی کو نہیں پایا۔ وہ لوگ پہاڑ کی چوٹیوں پر بھاگ گئے تھے۔ صرف عورتیں تھیں۔

بخاری میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تھے۔ جب ہم لوگ کسی سایہ دار درخت کے پاس پہنچتے تھے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں سے ایک شخص آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایک درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے اس کو لے کر سونت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "آپ ﷺ مجھ سے ڈرتے ہیں؟" فرمایا "نہیں"۔ پھر اس نے کہا کہ "مجھ سے آپ ﷺ کو کون بچائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ"۔ اتنے میں صحابہ پہنچ گئے اور اس کو ڈانٹا۔ (بخاری- باب غزوۂ ذات الرقاع)

غزوہ ذات الرقاع' ابن سعد کے نزدیک محرم ۵ھ کا واقعہ ہے۔ علامہ شبلیؒ نے بھی ۵ھ کے واقعات کو اسی غزوہ سے شروع کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگا دی۔ جس قدر قبائل تھے' سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی۔ یکم محرم ۵ھ کو آپ ﷺ مدینہ سے چار سو صحابہ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۸۰' ج ۱)

اہل سیر کی رائے کے خلاف امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ خیبر کے بعد کا ہے۔ بخاری میں ہے:

وھی بعد خیبر لان ابا موسی جاء بعد خیبر۔

(باب غزوۃ ذات الرقاع)

"غزوۂ ذات الرقاع' غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا کیونکہ ابو موسیٰؓ خیبر کے بعد آئے تھے"۔

بخاری میں حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ وہ غزوۂ ذات الرقاع میں شریک تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق بھی روایت ہے کہ وہ اس غزوہ میں موجود تھے اور یہ دونوں خیبر کی فتح کے بعد آئے ہیں۔ اسی بنا پر ابن قیم نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے:

فالصواب تحویل ذات الرقاع من ھذا الموضع بعد خیبر۔

"درست یہ ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کو یہاں سے ہٹا کر غزوۂ خیبر کے بعد رکھا جائے"۔

بعض لوگوں نے غزوہ ذات الرقاع کو اور غزوہ غطفان کو' جو ۳ھ کا واقعہ ہے' ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے کیونکہ دونوں کے واقعات ملتے جلتے ہیں۔ آپ ﷺ پندرہ شب مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ واپسی صرار کے راستہ سے ہوئی جو مدینہ سے تین میل پر ہے۔

غزوہ دومتہ الجندل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ "دومتہ الجندل" پر (جو شام کے راستہ کے ایک کنارے پر حجاز سے شام و عراق کے جانے کے راستوں

کے پھٹنے کی جگہ پر واقع ہے اور مدینہ منورہ سے پندرہ یا سولہ رات کی مسافت پر ہے اور جہاں سے شام شروع ہوتا ہے) کفار کی ایک عظیم الشان جماعت ہے جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے اور وہاں کا حاکم "اکیدر" جو قیصر روم کے زیر اثر ہے' ان نبطی کاروانوں کی راہ میں روڑے اٹکاتا اور ان کو لوٹتا ہے جو مدینہ کی روز افزوں ضرورت رسد وغیرہ کا سامان لے کر مدینہ آتے تھے۔ آپ ﷺ نے سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ میں امیر بنایا اور ایک ہزار کی جمعیت کے ہمراہ ۲۵ ربیع الاول ۵ھ کو دومتہ الجندل کے لیے نکلے۔ بنی عذرہ کا ایک شخص "مذکور" نامی بحیثیت رہبر کے ساتھ تھا۔

طبقات میں ہے کہ جب آپ ﷺ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو وہ ترک وطن کر چکے تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کے نشان تھے۔ آپ ﷺ نے مویشی اور چراگاہوں کا تعاقب کیا۔ جو مل گیا وہ مل گیا اور جو بھاگ گیا سو بھاگ گیا۔

اس کی خبر جب اہل دومہ کو ہوئی تو وہ منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے میدانوں میں اترے مگر وہاں کوئی نہ ملا۔ آپ ﷺ وہاں چند روز ٹھہرے اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں اطراف میں روانہ کیں۔ وہ واپس آ گئے۔ انہیں کوئی نہ ملا۔ ایک شخص گرفتار ہوا۔ آپ ﷺ نے اس پر اسلام پیش کیا۔ وہ اسلام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰ ربیع الآخر کو اس طرح واپس ہوئے کہ کہیں جنگ کی نوبت نہ آئی۔

اسی غزوہ میں "عینیہ بن حصین" سے اس بات پر صلح ہوئی کہ وہ تغلمین اور اس کے قرب و جوار سے المراض تک اپنے جانور چرائے۔ وہ مقام سرسبز تھا اور عینیہ کا شہر خشک تھا۔ تغلمین' المراض سے دو میل پر ہے اور المراض' الربذہ کے راستہ پر مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

غزوہ بنو مصطلق: بنو مصطلق' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھے اور قبیلہ خزاعہ' قریش کا حلیف تھا۔ بنو مصطلق مقام مریسیع میں رہتے تھے جو مدینہ سے نو منزل پر ہے۔ اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ طبقات میں ہے کہ اس کے لیے اس نے اپنی قوم میں اور ان عربوں میں' جن پر اس کا قابو اور اثر تھا' گشت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔ یہ ایسی بات تھی جو قریش کی ہمدردی میں خود ان کے دل کی خواہش تھی۔ لوگوں نے حارث کی دعوت کو خوش

دلی کے ساتھ قبول کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے اس کے ہمراہ ہو گئے۔

آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو یزید بن خصیب کو اس خبر کی تحقیق کے لیے روانہ کیا۔ یزید" حارث سے جا کر ملے اور گفتگو کر کے واپس آئے اور خبر کی تصدیق کی۔ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی' یہ معلوم نہیں۔ طبقات میں صرف اتنا ہے:

بعث یزید بن خصیب الاسلمی لیعلم علم ذالک فاتاھم ولقا للحارث بن ابی ضرار و کلمه و رجع الی رسول الله صلی الله علیه و سلم فاخبرھم خبرھم

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن خصیب اسلمی کو بھیجا تاکہ اس کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ وہ ان کے پاس آئے اور حارث سے ملاقات کی اور اس سے گفتگو کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹ کر آئے اور ان کی خبروں کی اطلاع دی"۔

واقعہ کی تصدیق کے بعد آپ ﷺ ۲ شعبان یوم دو شنبہ ۵ھ کو صحابہ کرام کی جماعت کو لے کر نکلے۔ اس مرتبہ منافقین کے گروہ کے بھی بہت سے آدمی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس سے قبل کبھی بھی کسی غزوہ میں اتنی تعداد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ حارث کو جب خبر ملی کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تو خوف زدہ ہو گیا اور عربی قبائل' جو اس کے ساتھ ہو گئے تھے' وہ منتشر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مریسیع پہنچ کر خیمہ نصب کرایا اور اتر پڑے۔

بنو مصطلق جب میدانِ جنگ میں آئے تو آپ ﷺ نے بھی صحابہ کرام کو صف بستہ کیا۔ مہاجرین کا جھنڈا ابو بکر صدیقؓ کو اور انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہؓ کو مرحمت ہوا۔ بنو مصطلق تھوڑی دیر جم کر تیر اندازی کرتے رہے' لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ کرام نے دفعتاً ایک ساتھ حملہ کر دیا تو ان کو شکست ہو گئی۔ دس آدمی مارے گئے' باقی گرفتار ہو گئے۔ یہ تفصیل طبقات میں ہے۔

علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ:

"یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو مصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر

اور غافل تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کی رُو سے قابل حجت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا ایک طرف۔ نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا' اس لیے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع ہے"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۸۲' ج ۱)

علامہ شبلیؒ کی یہ تنقید کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے' صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں روایت کے آخر میں یہ بیان موجود ہے کہ حضرت نافعؒ نے یہ بھی کہا تھا:

وحدثنی به عبدالله بن عمر و کان فی ذالک الجیش۔ (بخاری کتاب العتق' باب من ملک من العرب قیتا۔ مسلم باب جواز الاغارۃ علی الکفار الذین بلغتہم دعوۃ الاسلام۔ الخ)

"اس واقعہ کو مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا اور وہ اس فوج میں شریک تھے"۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے: گرفتار ہونے والوں کی تعداد چھ سو (۱) تھی۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ جمادی الاول ۴ھ میں جب بنو نضیر کا مدینہ منورہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخراج کیا' تو انہوں نے خیبر میں قیام کیا اور قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ بدر موعود میں باوجود وعدہ کے جب ابو سفیان نہ پہنچا تو اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ قریش تنہا اب مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اسلام دشمنی کے غیظ و غضب میں انہوں نے سازش کی یہ صورت اختیار کر لی کہ ان کے رؤساء میں سے حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع وغیرہ کی ایک جماعت مکہ آئی اور قریش کی ہمت افزائی کی اور ان سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو اسلام اور مسلمانوں کا اب بھی استیصال کیا جا سکتا

ہے۔

قریش تو خود اسی فکر میں تھے۔ انہوں نے اس دعوت پر بلا تامل لبیک کہا۔ پھر ان روٴساء نے اطراف مکہ کے قبائل میں دورہ کرکے سب کو اس پر تیار کیا۔

"فتح الباری" کی روایت کے موافق چوبیس ہزار سے زائد کی جماعت تھی۔ اس میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ اس لشکر کا قائد اعظم ابوسفیان تھا، جس میں قبیلہ غطفان، قبیلہ بنو اسد، قبیلہ بنو سلیم، قبیلہ بنو سعد وغیرہ شریک تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب کی مرتبہ قریش اتنی بڑی عظیم الشان جماعت لے کر مدینہ پر حملہ کے لیے آرہے ہیں تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا اور ۸ ذیقعدہ ۵ھ یوم دوشنبہ کو تین ہزار صحابہ کرام کو لے کر نکلے اور خندق کی کھدائی شروع کردی۔ موسم سخت تھا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ اس پر مزید برآں یہ کہ صحابہ کرام تین تین روز کے فاقہ میں مبتلا تھے۔ لیکن چونکہ خود پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مزدوروں کی صف میں شریک تھے، جوش محبت میں پوری رغبت و شوق اور اخلاص و پامردی کے ساتھ نہایت تیزی سے یہ کام انجام کو پہنچا اور بیس دن میں تین ہزار قدسیوں کے ہاتھوں خندق کھد کر تیار ہوگئی۔ خندق کا عمق پانچ گز تھا۔

جب خندق تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے "کوہ سلع" کو پس پشت اور خندق کو سامنے رکھ کر صف بندی کی۔ مستورات مدینہ کے مضبوط قلعوں میں بھیج دی گئیں۔ بنو قریظہ کے خطرے کی وجہ سے "سلمہ بن اسلم" ان کی حفاظت پر متعین کیے گئے۔

قریش جب عظیم جمعیت لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو خندق کی وجہ سے مدینہ میں داخل نہ ہوسکے اور باہر سے مدینہ کا محاصرہ کرلیا اور تین طرف سے مدینہ منورہ پر اس زور شور سے حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔ قرآن مجید میں اس کی تصویر ان الفاظ میں ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ (احزاب۔ ع ۲، پ ۲۱)

"جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب

آنکھیں ڈگمگانے لگیں۔ اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آگیا اور وہ زور سے لرزنے لگے"۔

مگر اس دہشت ناک عالم اور پر خطر حالت میں بھی مسلمانوں کی قوت ایمانی کی تصدیق قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ رَسُوْلُهٗ اللّٰهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (احزاب۔ ع ۳، پ ۲۱)

"جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا۔ اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا"۔

بنو قریظہ، جو اس وقت تک اپنے عہد پر قائم تھے، بنو نضیر نے ان کو معاہدہ توڑنے پر مجبور کردیا۔ وہ بھی مشرکین کے ساتھ جا ملے۔ آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کے لیے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بھیجا۔ انہوں نے آکر اس کی تصدیق کی۔ باقی رہے منافقین تو ان کا حال یہ ہوا کہ راتوں کی بیداری، موسم کی سختی، رسد کی کمی اور فاقوں پر فاقوں نے ان کے نفاق کو ظاہر کردیا۔ ان میں سے ایک ایک کرکے اس بہانہ سے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں، واپسی کی اجازت دی جائے، اپنے اپنے گھر واپس آگئے۔

تقریباً ایک ماہ پوری سختی سے یہ محاصرہ قائم رہا۔ محاصرین خندق عبور نہیں کرسکتے تھے لیکن دور ہی سے تیروں کی بارش کرتے تھے اور پتھر پھینکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حصوں پر صحابہ کرام کو متعین کردیا تھا جو محاصرین کے حملوں کا جواب دیتے تھے اور ان کا مقابلہ کرتے تھے۔

ان حالات میں حارث کو، جو قبیلہ غطفان کا رئیس تھا، یہ خیال ہوا کہ مسلمان اس محاصرہ سے تنگ ہوگئے ہوں گے، موقع ہے معاہدہ کے ذریعہ کچھ نفع حاصل کیا جائے اور مسلمانوں کی پریشانیوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ سیرت محمدیہ (۲۷۷) میں مسند بزاز سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت منقول ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

کہا کہ مجھے مدینہ کی نصف کھجور دینے کا وعدہ کیجئے ورنہ ہم مدینہ کو آدمیوں اور گھوڑوں سے بھر دیں گے۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کے مشورہ پر موقوف رکھا اور حارث کی موجودگی ہی میں ان دونوں کو بلا بھیجا۔ معاملہ کی نوعیت سن کر ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم نے کفر کی حالت میں تو کسی کو خراج نہیں دیا، نہ کسی کی جرات ہوئی کہ ہم سے خراج مانگے 'اب تو اسلام نے ہم کو بہت قوی کر دیا ہے۔

عام اہل مغازی واقعہ کی دوسری صورت بیان کرتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محاصرہ کی سختی دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ کہیں انصار ہمت نہ ہار دیں۔ آپ ﷺ نے حارث رئیس غطفان کو بلا کر یہ معاہدہ کیا کہ مدینہ کی ثلث (ایک تہائی) پیداوار ان کو اس شرط پر دی جائے گی کہ وہ مع اپنے ساتھیوں کے لوٹ جائے۔ یہ معاہدہ لکھا گیا لیکن دونوں سعد سے جب مشورہ کیا گیا تو انہوں نے منع کر دیا۔

یہ روایت مزاج رسالت کے بالکل منافی ہے کہ آپ ﷺ ایک شخص کو معاہدہ کے لیے بلائیں، پھر معاہدہ لکھیں، اس کے بعد ذمہ دار لوگوں سے مشورہ لیں اور ان کے منع کرنے پر طے شدہ اور کتابت شدہ معاہدہ کو رد کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر معاہدہ کے بارے میں مشورہ کرنا ہوتا تو آپ ﷺ پہلے مشورہ فرمالیتے، پھر معاہدہ کا معاملہ طے فرماتے اور بالفرض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاہدہ کے بارے میں مشورہ کی حاجت نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کو بحیثیت مقتدر اعلیٰ ہونے کے یہ حق حاصل تھا کہ جو معاہدہ چاہیں، جس طرح چاہیں اور جس سے چاہیں کریں، تو پھر انصار کے متعلق ایسا خیال کرنا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے طے کردہ معاہدہ کو رد کر دیا یا آپ ﷺ کو طے کردہ معاہدہ سے روک دیا، کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ انصار کے متعلق اس طرح کی بدگمانی کا وہم کیا جا سکتا ہے۔

ہاں علامہ شبلیؒ نے طبری کے حوالہ سے جو صورت واقعہ بیان کی ہے، وہ قرین قیاس ہے لیکن حدیث کے خلاف وہ بھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے۔ سعد بن عبادہ اور

سعد بن معاذ کو، جو رؤسائے انصار تھے، بلا کر مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرات نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھ کر آپ ﷺ کو اطمینان ہوا۔ سعد نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ میں لے کر تمام عبارت مٹا دی اور کہا ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۳۹۱، ج ۱)

جب محاصرین نے دیکھا کہ محاصرہ طویل ہو رہا ہے اور خندق کے باہر سے تیر و پتھر کی بارش مفید نہیں ہے اور اس سے کامیابی ناممکن ہے تو عام حملہ کا فیصلہ کیا گیا۔ خندق ایک جگہ کم چوڑی تھی، حملہ کے لیے وہی جگہ منتخب کی گئی۔ طبقات میں ہے کہ عرب کے مشہور بہادر عکرمہ، ضرار بن خطاب، نوفل، جبیرہ، عمرو بن عبدود نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو سب کے سب خندق کے اس پار تھے۔ سب سے پہلے عمرو بن عبدود میدان میں آیا، جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس کا مقابلہ حضرت علیؓ سے ہوا اور مارا گیا۔ اس کے ساتھی پشت پھیر کر بھاگے۔ ان کے گھوڑے ان کو بچا لے گئے۔ حضرت زبیرؓ نے نوفل پر تلوار سے حملہ کیا اور اسے مار کر دو ٹکڑے کر دیے۔

آخر بات یہ ٹھہری کہ دوسرے دن مقابلہ ہو گا۔ دوسرے روز دن بھر جنگ ہوتی رہی۔ کچھ رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ نہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرصت ملی کہ نماز تک پڑھ سکیں۔ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب نے نہ ظہر کی نماز پڑھی، نہ عصر کی، نہ مغرب و عشاء۔۔۔ کیونکہ مسلسل تیر اندازی اور سنگ باری سے محاذ جنگ سے ایک لمحہ کے لیے ہٹنا ناممکن تھا۔

جب دونوں جماعتیں متفرق ہو کر اپنی اپنی جگہ واپس ہوئیں تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ پہلے ظہر کی اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ پھر ہر نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے قضا نمازیں پڑھیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ان لوگوں نے ہمیں نماز وسطیٰ یعنی عصر سے باز رکھا، اللہ ان کے گھروں اور قبروں میں آگ بھر دے"۔ (طبقات)

نعیم بن مسعود ثقفی غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کا اعتبار کرتے

تھے۔ وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے یہود اور قریش سے جنگ کے نتائج کو سامنے رکھ کر ایسی باتیں کیں کہ بنو قریظہ اور قریش میں ان بن ہو گئی اور بنو قریظہ اپنے قلعہ میں چلے آئے اور اپنے ساتھ حیی بن اخطب کو بھی لائے۔

آخر کار محاصرہ کے امتداد' رسد کی کمی اور بنو قریظہ کی علیحدگی نے محاصرین کو ہمت ہارنے پر مجبور کر دیا۔ اسی کے ساتھ یہ امداد غیبی ہوئی کہ اس سردی کے موسم میں یک بیک ایسی تیز و تند اور سرد ہوا چلی کہ آندھی کا طوفان آگیا۔ اس نے کجاووں کو دفن کر دیا' میخوں کو اکھاڑ دیا' طنابیں ٹوٹ گئیں جس سے خیمے اکھڑ کر زمین پر گر پڑے' دیگچے چولہوں پر سے الٹ الٹ کر نیچے گر پڑے' ہاتھ پیر ٹھٹھر کر بیکار ہو گئے۔ ابو سفیان نے ان حالات میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا:

"اے گروہ قریش! اب تم ایسے مکان میں نہیں ہو' جو قیام گاہ ہو۔ گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہو گئے۔ بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی اور ہم جس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں' وہ تم دیکھ رہے ہو لہٰذا کوچ کرو' میں بھی کوچ کرتا ہوں"۔

ابھی وہ کھڑا ہی تھا کہ لوگوں نے کوچ کرنا شروع کر دیا اور سارا لشکر تیزی سے روانہ ہو گیا۔ ابو سفیان نے تعاقب کے ڈر سے عمرو بن العاص اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ لشکر کے پچھلے حصہ پر محافظ مقرر کیا۔ بیس بائیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ اس محاصرہ میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ کل چھ آدمی شہید ہوئے۔ طبری میں ہے:

لم يقتل من المسلمين يوم الخندق الا ستة نفر۔

(ص ۵۸' ج ۳)

"غزوۂ خندق میں مسلمانوں میں سے صرف چھ آدمی شہید ہوئے"۔

بہرحال قریش کا یہ آخری حملہ بھی تائید الٰہی سے ناکام ہوا اور باد صرصر نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا۔ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (احزاب۔

ع ۲' پ ۲۱)

"اے ایمان والو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی۔ جب کہ فوجیں تم پر چڑھ آئیں۔ تو ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کی) فوج بھیجی جس کو تم دیکھتے نہیں تھے۔ اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا"۔

کفار اس آخری مرتبہ اپنی ناکامی پر کس طرح غیظ میں بھرے ہوئے نامراد واپس ہوئے' قرآن نے ان الفاظ میں ان کا نقشہ کھینچا ہے:

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا۔ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا۔

(احزاب۔ ع ۳' پ ۲۱)

"اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا۔ اور وہ لوگ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہیں آنے دی اور اللہ زبردست اور غالب ہے"۔

کفار قریش نے یہ آخری حملہ مدینہ پر پوری قوت اور طاقت سے اس طرح پر کیا کہ اس سے زیادہ ان کے امکان میں نہ تھا۔ تمام قرب و جوار کے قبائل' پھر یہود اور خود قریش پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر آئے تھے۔ اس پر بھی جب ان کو ناکامی ہوئی اور اپنے منصوبہ میں ناکام و نامراد ہو کر لوٹے تو قریش پر قدرتی طور پر یہ اثر پڑا کہ اب وہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے اور ان کی یہ امید منقطع ہو گئی کہ وہ اپنی جنگی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کر سکیں گے۔ اسی بنا پر ابو سفیان نے لوٹتے وقت نہ انتقام لینے کی قسم کھائی اور نہ دوبارہ حملہ کا ارادہ ظاہر کیا۔ بلکہ خاموش اور خائب و خاسر پلٹ گیا۔ مسلمان اب تک صرف مدافعت کرتے رہے تھے' اپنی طرف سے نہ جارحانہ حملہ کیا' نہ اس کا ارادہ کیا اور نہ اس کا اعلان کیا تھا۔

غزوۂ خندق کے بعد جبکہ کفار ناکام واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے اور ان مخالفین اسلام کے بارے میں' جو غزوۂ خندق میں شریک تھے' یہ اعلان فرمایا کہ:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم۔

(بخاری غزوۂ خندق)

"اب ہم ان سے جنگ کریں گے۔ وہ لوگ ہم سے جنگ نہیں کر سکیں

گے۔ ہم ہی ان کی طرف بڑھیں گے"۔

یہ معجزانہ پیشین گوئی دراصل اس بات کا اعلان تھی کہ آج سے کافروں کے حوصلے پست ہوگئے، ان کی ہمتیں شکستہ ہوگئیں، ان کی امیدیں منقطع ہوگئیں، اب ان میں حملہ کی طاقت اور ہمت نہیں رہی۔ اب وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ ہم ہی ان کی طرف بڑھیں گے اور حملہ کریں گے۔

غزوۂ بنو قریظہ: بنو قریظہ کے متعلق گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ:

(۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے ہی سال آپ ﷺ نے یہود سے دوستانہ معاہدہ کیا۔ اس میں بنو قریظہ بھی شریک تھے اور اس معاہدہ کے بعد مسلمان اور بنو قریظہ حلیف کی حیثیت سے مل جل کر رہتے تھے۔

(۲) اس معاہدہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ اور یہود کے دوسرے قبائل کو مذہب کی پوری پوری آزادی دی تھی اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا تھا۔

(۳) بنو قریظہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خصوصی اکرام فرمایا تھا کہ اس معاہدہ میں سماجی زندگی میں ان کو دوسرے یہود کے مساوی اور برابر کر دیا تھا، حالانکہ اس سے پہلے وہ مرتبہ میں قبیلہ بنو نضیر سے کم تھا یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو بنو نضیر کو آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے، چنانچہ معاہدہ کے بعد جب دیت کا ایک معاملہ پیش آیا تو زیادہ دینے سے انکار کر دیا اور بنو نضیر کو انہوں نے یہ کہلا بھیجا کہ:

انا انما اعطینا کم ھذا ضیما منکم لنا و فرقا منکم فاما اذا قدم محمد فلا نعطیکم ذالک۔

(مسند احمد۔ ص ۲۴۶، ج ۱)

"ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں، اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے کے بعد تو زیادہ دیت نہیں دے سکتے (کیونکہ اب ظلم اور زیادتی کا خوف نہیں رہا)"۔

(۴) پھر واقعہ بنو نضیر کے موقع پر بنو قریظہ نے تجدید عہد کی تھی، جس کی بنا پر ان کو جلاوطن نہیں کیا گیا اور بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

(۵) باوجود معاہدہ ہونے کے عین جنگ خندق کے موقع پر انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور علانیہ جنگ احزاب میں کفار قریش کی مدد کی اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگئے۔

(۶) جنگ احزاب سے بنو قریظہ جب اپنے قلعہ میں آئے تو اپنے ساتھ حیی بن اخطب کو بھی لائے، جس کو بغاوت کے جرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور جس نے اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیے قریش سے سازش کی تھی اور تمام قبائل عرب میں دورہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کو برانگیختہ کیا اور غزوۂ خندق میں شریک کیا تھا۔ ان چھ دفعات کے علاوہ ان کا ایک سنگین جرم یہ بھی تھا جو اہل سیر نے لکھا ہے کہ:

(۷) غزوۂ خندق میں مستورات قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیج دی گئی تھیں، ان پر حملہ کرنا چاہا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر یہ ضروری تھا کہ ان سے قابل اطمینان تصفیہ کر لیا جائے اور اگر دوبارہ یہ صلح و آشتی کے لیے تجدید کرنا چاہیں تو (جس طرح بنو نضیر کے موقع پر باوجود ان کے محارب ہونے کے جب تجدید عہد کے لیے تیار ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے تجدید عہد کر لی تھی) پھر تجدید عہد کر لی جائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ:

ان یھود بنی النضیر و قریظۃ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیروا قریظۃ ومن حلیھم۔

(ذکر اجلاء الیہود من الحجاز)

"بنو نضیر اور قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان کیا"۔

چنانچہ غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ قریظہ کی

طرف چلیں۔ فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے قلعہ کے پاس پہنچے تو بنو قریظہ نے علانیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں' اس لیے کہ وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔

طبری میں ہے:

حتی اذا دنا من الحصون سمع منها مقالة قبيحة لرسول الله صلى الله عليه وسلم منهم۔
(ص ۵۳' ج ۳)

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قلعہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت گستاخانہ باتیں سنیں"۔

چار و ناچار ان کا محاصرہ کیا گیا۔ تقریباً ایک ماہ ان کا محاصرہ رہا۔ بالآخر انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنانے کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے بغیر کسی رد و کد کے منظور فرما لیا۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ اوس' بنو قریظہ کا حلیف تھا اور یہ تعلق عرب میں تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر ہوتا تھا۔ حضرت سعدؓ کو حلیف ہونے کی وجہ سے بنو قریظہ سے میل جول تھا' اس لیے وہ بہت کچھ ان کے مذہبی احکام سے واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کریں کہ اسلام کا کیا حکم ہے؟ یا آپ ﷺ سے مشورہ کریں' ان کی شریعت کے موافق یہ حکم سنایا کہ لڑنے والے قتل کر دیے جائیں' عورتیں اور بچے قید کیے جائیں اور مال و اسباب' غنیمت قرار دیا جائے۔ یہ حکم تورات میں ہے۔ تورات کے الفاظ یہ ہیں:

"جب تو کسی شہر کے پاس لڑنے کے لیے آ پہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور ہے اور دروازہ تیرے لیے کھول دے تو ساری خلق' جو اس شہر میں پائی جائے' تیری خراج گزار ہو گی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا

سارا لوٹ اپنے لیے لے"۔ (استثناء۔ باب ۲۰' آیت ۱۰ تا ۱۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس فیصلہ کو سنا تو فرمایا: "تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا"۔ اور پھر اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ:

"مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے چھ سو سے زاید بیان کی ہے لیکن صحاح میں چار سو ہے۔ ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خداش نامی) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے' جس جرات اور دلیری سے جان دی' سنن ابی داؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے:

اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا بھی نام ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعتاً قاتل نے اس کا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کہاں؟ بولی: میں نے ایک جرم کیا تھا' اس کی سزا بھگتنے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۴۰۳' ج ۱)

اسی طرح کا واقعہ ابن ہشام نے حیی بن اخطب کا لکھا ہے' جو غزوۂ خندق کے فتنہ کا بانی تھا۔ جب مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا:

اما والله ما لمت نفسي في عداوتك ولكنه من يخذل الله يخذل۔

"خدا کی قسم! میں نے آپ (ﷺ) کی عداوت کے بارے میں اپنے نفس کو ملامت نہیں کی' لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے' خدا اس کو چھوڑ دیتا ہے"۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

ايها الناس انه لا باس بامر الله كتاب وقدر و

ملحمة كتبها الله على بني اسرائيل۔

"لوگو! خدا کے حکم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ لکھا ہوا حکم تھا اور خدا کا فیصلہ تھا۔ اور سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی"۔

یعنی وہ سمجھتا تھا کہ جو فیصلہ سعد بن معاذؓ نے کیا ہے، یہ ان کی شریعت کے موافق اور حکم الٰہی ہے۔

حوالہ جات

(ا) طبقات ابن سعد میں ہے کہ قیدی تقسیم کردیے گئے اور وہ لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہؓ بنت حارث بھی تھیں--- یہ ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ حضرت جویریہؓ نے نو اوقیہ سونے پر ان سے مکاتبت کرلیا، پھر حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی مکاتبت کے بارے میں درخواست کی۔ آپؐ نے ان کی طرف سے ادا کردیا اور ان سے عقد کرلیا۔

ابو داؤد "کتاب العتق" میں اس واقعہ کے ذکر کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے:

فتسامع يعني الناس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تزوج جويرية فارسلوا ما في ايديهم من السبي فاعتقوهم وقالوا اصهار رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

"جب لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرلیا تو جتنے قیدی ان کے قبضہ میں تھے، سب کو رہا کر دیا اور ان کو آزاد کردیا"۔

اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان پر بے اختیار آگیا کہ ہم لوگوں نے اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بابرکت کسی عورت کو نہیں پایا کہ بنی مصطلق کے ایک سو گھر کے تمام لوگ دفعتاً آزاد کردیے گئے۔ ۱۲۔

ہجرت نبوی کا چھٹا سال

۶ ہجری

ہجرت کا پانچواں سال غزوۂ خندق پر ختم ہوا۔ بنو قریظہ کا معاملہ غزوہ خندق ہی کا نتیجہ تھا۔ غزوۂ خندق تک یعنی ۵ھ تک آپ ﷺ کی توجہ صرف مدینہ منورہ کے مامون اور محفوظ کرنے کی طرف مرکوز رہی۔ ان پانچ برسوں میں جن قبائل نے مسلمانوں پر ظلم کیا، جانی اور مالی نقصان پہنچایا، ان کی تادیب سے آپ ﷺ نے بالقصد چشم پوشی کی اور ہمیشہ یہ اصل مقصد سامنے رہا کہ دارالاسلام اور دعوت عمومی کے مرکز مدینہ منورہ کو ہر طرح کے داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ کرلیا جائے تاکہ دعوت عمومی کی تبلیغ کے لیے راہ پیدا ہو اور عمومی بعثت کی عالمی تبلیغ کی خدمت انجام دی جا سکے۔ اس سے توجہ ہٹا کر اگر تادیبی کارروائی کی طرف توجہ دی جاتی تو اس سے مقصد کے حصول میں تاخیر ہوتی اور اس کی تاخیر لازمی طور پر عمومی بعثت کی عالمی تبلیغ کی راہ میں تاخیر کو مستلزم ہوتی۔

غزوۂ خندق سے جس روز آپ ﷺ فارغ ہوئے، مدینہ منورہ کے لیے وہ پہلا دن تھا کہ داخلی اور خارجی خطرات کے بادل سے اس کے افق کا مطلع ایک گونہ صاف ہوا اور مسلمانوں کو بھی ایک گونہ اطمینان ہوا۔ یہود، جو مار آستین کی حیثیت رکھتے تھے، یا تو قتل ہوئے یا جلاوطن ہوگئے۔ ان کے خاتمہ سے منافقین کا بھی زور ٹوٹ گیا۔ اس طرح داخلی خطرات اور مشکلات کا بڑی حد تک ازالہ ہوگیا اور شب و روز کی ریشہ

دوانی اور سازش، اور چھیڑ چھاڑ اور طعن و تشنیع کا، جو مدینہ آماجگاہ بنا ہوا تھا، اس سے نجات مل گئی۔

کفار قریش کی پسپائی اور غیر متوقع ہمت شکن ناکامی سے مدینہ کے خارجی خطرات اور مشکلات کا بھی بڑی حد تک ازالہ ہوگیا کیونکہ اس پسپائی کے بعد نہ کفار قریش کو اس کی جرات رہی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کا کوئی نیا منصوبہ بنائیں، نہ قبائل عرب کو اس کی ہمت رہی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے کھلے بندوں حوصلہ کریں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت اتنی ظاہر ہوگئی تھی کہ آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ہم ہی ان کی طرف بڑھیں گے۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد آپ ﷺ نے عملاً یہ اقدام کیا کہ سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف چلیں۔ یہ پہلی تادیبی کارروائی تھی جس کی طرف آپ ﷺ نے غزوۂ خندق کے بعد توجہ فرمائی اور اسی پر ۵ھ کا خاتمہ ہوگیا۔

اب ۶ھ میں اسی اطمینان کے بعد کہ مدینہ منورہ ایک گونہ داخلی اور خارجی مشکلات و خطرات سے مامون و محفوظ ہے، آپ ﷺ کی توجہ ان قبائل کی تادیب کی طرف مبذول ہوئی جو مسلسل پانچ سال تک مسلمانوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بناتے اور جانی و مالی نقصان پہنچاتے رہے۔

۶ھ محرم سے لے کر صلح حدیبیہ تک کے سریے اور غزوے، جن کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں، ان کی مجموعی تعداد پندرہ ہے۔ ان میں تمام کے تمام تادیبی ہیں، صرف ایک دفاعی یا انتظامی ہے۔

(۱) سریہ محمد بن مسلمہ انصاری: طبقات میں ہے کہ اس سریہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم ۱۰ محرم ۶ھ کو "قرطا" کی جانب بھیجا۔ قرطا بنی بکر کے کلاب کی ایک شاخ تھے۔ بیر معونہ میں کلاب ہی کے ایک شخص نے، جس کا نام جبار بن سلمی تھا، حضرت عامر بن فہیرہؓ کو قتل کر دیا تھا۔ جبار نے عامرؓ کو نیزہ مارا تو انہوں نے کہا: واللہ میں کامیاب ہوگیا۔

بیر معونہ کے شہداء، جن کی تعداد ستر تھی، ان کا آپ ﷺ کو اتنا رنج و غم ہوا تھا کہ اتنے رنج و غم کا اظہار آپ ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا تھا۔ ایک مہینہ تک آپ

ﷺ نے فجر کی نماز میں قاتلین کے حق میں دعائے قنوت پڑھی، لیکن کوئی تادیبی کارروائی آپ ﷺ نے اس وقت نہیں کی تھی کیونکہ مدینہ داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ و مامون نہ تھا، اب جبکہ مدینہ اندرونی اور بیرونی خطرہ یعنی یہود و قریش کے شر و فساد سے ایک گونہ پاک صاف ہوگیا، تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ قرطا کی طرف، جو بنی کلاب کا ایک قبیلہ تھا، بھیجا کیونکہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ دکھ ان ہی لوگوں سے پہنچا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ جا کر ہر طرف سے ان کو گھیر لیں۔ محمد بن مسلمہؓ وہاں پہنچے تو کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ لوگ قتل ہوئے۔ ڈیڑھ سَو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ یہ انیس شب باہر رہے۔ ۲۹ محرم ۶ھ کو مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

(۲) غزوۂ بنی لحیان: طبقات میں ہے کہ آپ ﷺ بنی لحیان کی طرف، جو نواح عسفان میں تھے، ربیع الاول ۶ھ کو روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ ابن مکتوم کو امیر بنایا۔ مدینہ سے چل کر آپ ﷺ سیدھے بطن غران پہنچے جہاں عاصم بن ثابت اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ بنو لحیان کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور ان کو بنو لحیان کے دو سو آدمیوں نے، جس میں ایک سو تیر انداز تھے، آکر گھیر لیا تھا اور یہ لوگ ایک ٹیکرے پر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ تفصیل واقعہ رجیع میں گزر چکی ہے۔

بنو لحیان کو جب خبر ملی تو وہ بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں میں جا چھپے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی تلاش میں اطراف و جوانب میں بھیجا مگر کوئی نہیں ملا۔ پھر صحابہ کرام کے مشورہ سے آپ ﷺ "کراع الغمیم" تک پہنچے، پھر وہاں سے واپس آگئے۔ ان کو بھی کوئی شخص نہ مل سکا۔

(۳) سریہ عکاشہ بن محصن: غزوۂ بنو لحیان کا مقصد دراصل عضل و قارہ کی تادیب تھی، جنہوں نے "رجیع" میں غداری کی تھی اور بنو لحیان کے ہاتھوں صحابہ کرامؓ کو شہید کرایا تھا، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو ان میں سے کسی کو نہیں پایا تھا اور وہ لوگ پہاڑ کی چوٹیوں میں جا چھپے تھے اور آپ ﷺ عسفان تک تشریف لے جا کر واپس لوٹ آئے تھے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ربیع الاول ہی میں آپ

ﷺ نے عکاشہ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ساتھ "غمر" بھیجا، جو بنی اسد کا مقام تھا اور عضل و قارہ بنی اسد ہی میں سے تھے۔

جب حضرت عکاشہؓ اس نواح میں پہنچے تو کسی کو نہیں پایا۔ صرف ایک شخص، جو ان کفار کا مخبر تھا، مل گیا۔ وہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کو امان دے دی گئی تو اس نے اس مقام کا پتہ بتا دیا جہاں ان کے مویشی تھے۔ وہاں پہنچے تو دو سو اونٹ غنیمت میں حاصل ہوئے۔ حضرت عکاشہؓ ان سب کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

(۴) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب ذی القصہ: چونکہ حضرت عکاشہؓ، جو عضل و قارہ کی تادیب کے لیے گئے تھے اور وہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے اور وہاں کسی کو نہ پا کر غنیمت میں صرف دو سو اونٹ لے کر مدینہ منورہ واپس چلے آئے تھے، آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ کو دس آدمیوں کے ساتھ بنی اسد کی طرف جو ثعلبہ قبیلہ سے تھے، بھیجا۔ وہ لوگ اس وقت ذوالقصہ میں تھے جو مدینہ منورہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ وہاں رات کو پہنچے۔ وہ لوگ سو آدمی تھے۔ طرفین سے تیر اندازی ہوئی۔ پھر ان لوگوں نے مل کر ایک دم نیزوں سے حملہ کر دیا، سوا محمد بن مسلمہؓ کے، سب شہید ہو گئے۔ محمد بن مسلمہؓ زخمی ہو کر گر پڑے۔ ان کے ٹخنے پر ایسی چوٹ لگی کہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ کے پاس سے کسی مسلمان کا گزر ہوا تو انہوں نے ان کو اپنے کندھے پر لاد کر مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

(۵) سریہ عبیدۃ بن الجراح: طبقات میں ہے کہ قبائل ثعلبہ اور انمار میں خشک سالی ہوئی اور المراض سے لے کر تغلمین تک جتنے تالاب تھے، سب خشک ہو گئے۔ المراض کا فاصلہ مدینہ منورہ سے چھتیس میل ہے۔ بنو محارب، ثعلبہ اور انمار جب ان خشک تالابوں پر پہنچے تو ان لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ "ہیفا" پر، جہاں مدینہ کے مویشی چرتے تھے اور مدینہ سے سات میل دور تھا، غارت گری کریں اور مویشیوں کو لوٹ لیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو حضرت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ کو بعد نماز مغرب چالیس آدمیوں کے ساتھ ربیع الاول ۶ھ میں بھیجا۔ یہ صبح کی تاریکی میں پہنچے

اور ان پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ رہے۔ ایک شخص ان میں سے ملا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ کچھ اونٹ اور کچھ اسباب غنیمت میں ہاتھ آئے۔

(۶) سریہ زید بن حارثہ بجانب بنی سلیم: بیر معونہ میں جو ستر اصحاب صفہ رعل، ذکوان وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے، ان کی تادیب کے لیے جب ان کی طرف مسلمانوں کی جماعت گئی تھی، تو وہ بھاگ گئے تھے اور ان کی تادیب نہیں ہو سکی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے پھر ان کی تادیب کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کو ربیع الآخر ۶ھ میں بنی سلیم کی طرف بھیجا۔ یہ رعل و ذکوان دونوں بنی سلیم ہی کے قبیلے تھے۔ وہ مدینہ سے روانہ ہو کر الجیوم پر پہنچے جو بطن نخل کی بائیں جانب اسی نواح میں ہے۔ بطن نخل مدینہ منورہ کے چار برد (تقریباً ۴۸ میل) پر ہے۔ وہاں قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ نامی ملی۔ اس نے بنی سلیم کے ٹھہرنے کے مقامات سے ایک مقام بتا دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ وہاں پہنچے تو وہاں سے اونٹ، بکریاں اور قیدی لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ ان قیدیوں میں حلیمہ کا شوہر بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ کو مع اس کے شوہر کے آزاد کر دیا۔

(۷) سریہ زید بن حارثہ بجانب عیص: طبقات میں ہے کہ عیص اور مدینہ کے درمیان چار راتوں کی مسافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمادی الاول ۶ھ میں اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو ستر سواروں کے ساتھ اس قافلہ کے لیے بھیجا۔ حضرت زیدؓ نے پہنچ کر قافلہ والوں کو گرفتار کر لیا اور تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس سامان میں صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی بھی تھی اور قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد "ابو العاص بن ربیع" بھی تھے۔

۶ھ میں محرم سے لے کر صلح حدیبیہ تک جتنے غزوے اور سریے ہیں، یہی ایک سریہ ہے جو تادیبی نہیں بلکہ انتظامی ہے۔

(۸) سریہ زید بن حارثہ بجانب "الطرف": جمادی الآخر ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو "طرف" کی جانب بھیجا۔ یہ نخیل سے

اسی طرف مراض کے قریب ایک چشمہ تھا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۳۶ میل ہے۔ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی طرف بھیجا۔ ثعلبہ ہی کی شاخ اسد ہے۔ مراد اس سے بنی اسد ہیں یعنی حضرت زیدؓ کو آپ ﷺ نے بنی اسد کی طرف بھیجا' جس کے دو قبیلے قارہ و عضل ہیں اور جن کی غداری کی بنا پر واقعہ رجیع ہوا اور حضرت عاصمؓ اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے تھے۔ حضرت زیدؓ جب وہاں پہنچے تو وہ لوگ بھاگ گئے۔ زیدؓ صبح کے وقت اونٹوں کو' جن کی تعداد چونتیس تھی' ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ یہ سریہ دراصل عضل و قارہ کی تادیب کے لیے تھا۔

(۹) سریہ زید بن حارثہ بجانب حسمیٰ: حضرت دحیہ کلبیؓ قیصر کے پاس سے واپس آ رہے تھے۔ قیصر نے ان کو مہمان رکھا تھا۔ واپسی کے وقت خلعت و نقد دیا تھا۔ جب یہ "حسمیٰ" پہنچے تو الہند بن عارض اور اس کا بیٹا اور قبیلہ جذام کے چند لوگوں نے ان کا راستہ روکا اور تمام مال و اسباب چھین لیا۔ حضرت دحیہؓ نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ جمادی الاخریٰ ۶ھ میں حسمیٰ بھیجا اور ان کے ساتھ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بھی کر دیا۔ حضرت زیدؓ وہاں پہنچے اور صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ الہند اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ ایک ہزار اونٹ' پانچ ہزار بکریاں اور سو عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے۔

زید بن رفاعہ جذامی اپنی قوم کے ایک گروہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ تحریر پیش کی جو آپ ﷺ نے اس کے اور اس کی قوم کے لیے اس زمانہ میں لکھ کر دی تھی' جب آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کے پاس حضرت علیؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کی عورتیں' بچے اور مال واپس کر دیں۔ حضرت علیؓ روانہ ہوئے تو راہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کے قاصد سے ملاقات ہوئی' جو اسی قوم کی اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت علیؓ نے وہ اونٹنی بھی اسی قوم کو واپس کر دی۔ جب حضرت زید بن حارثہؓ سے ملاقات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہنچایا۔ انہوں نے حسب حکم سب کچھ واپس کر دیا۔

(۱۰) سریہ زید بن حارثہ بجانب وادی القریٰ (۱): طبقات میں ہے کہ جب

حضرت زید بن حارثہؓ بسلسلہ تجارت شام جانے کے خیال سے (غالباً رجب ۶ھ میں) روانہ ہوئے' ان کے ہمراہ اور صحابہ کرام کا بھی مال تھا۔ جب وہ وادی القریٰ کے قریب ہوئے تو بنی بدر کی شاخ فزارہ کے کچھ لوگ ملے' جنہوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو مارا اور جو کچھ تھا لے لیا۔ ابن ہشام میں ہے کہ چند صحابہ شہید ہوئے۔ حضرت زیدؓ زخمی ہوئے۔ حضرتؓ نے قسم کھائی کہ میں جب تک بنو فزارہ سے جہاد نہ کروں گا' غسل جنابت نہ کروں گا یعنی بیوی سے اختلاط نہ کروں گا۔

طبقات میں ہے کہ جب زیدؓ اچھے ہو گئے تو رمضان ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنو فزارہ کی تادیب کے لیے بھیجا۔ حضرت زیدؓ صبح کے وقت ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ تکبیر کہی اور جو موجود تھے' ان کو گھیر لیا۔ ام قرفہ کو (جو وہاں کی حاکم فاطمہ بنت ربیعہ بن بدر نامی تھی) اور اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک کو گرفتار کر لیا۔ قیس بن محسر نے ام قرفہ کو قتل کر دیا اور نعمان اور عبیداللہ (جو مسعدہ بن حکمہ بن مالک بن بدر کے بیٹے تھے' ان) کو بھی قتل کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ جب مدینہ آئے تو سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ کپڑے اتارے ہوئے تھے۔ اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔ گلے لگایا۔ حال دریافت کیا۔ حضرت زیدؓ نے تمام حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فتح دی۔

(۱۱) سریہ عبدالرحمٰن بن عوف بجانب دومتہ الجندل: یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دومتہ الجندل کی اس شکایت پر کہ ایک بڑا گروہ ہے جو مدینہ آنے والے قافلوں کو لوٹتا ہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن وہ سب فرار ہو چکے تھے اور کوئی نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ اپنی سابقہ غارت گری اور سابقہ منصوبہ پر قائم تھے اور اپنے اندر کوئی اصلاح نہیں کی تھی' اس لیے دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عوفؓ کو دومتہ الجندل قبیلہ کی طرف بھیجا۔

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا۔ اپنے سامنے بٹھایا۔ اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ' اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ جو اللہ کے ساتھ کفر کرے' تم اس سے اس طرح

لڑو کہ نہ تو خیانت کرو' نہ بدعہدی کرو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو۔ اگر وہ لوگ تمہیں مان لیں تو ان کے بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کر لینا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دومتہ الجندل پہنچ کر تین روز تک اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اصبغ بن عمرو کلبی' جو نصرانی تھا اور ان لوگوں کا سردار تھا' اسلام لے آیا اور بہت سے آدمی اس کے قبیلہ کے اسلام لے آئے اور جو ایمان نہ لائے' انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اصبغ کی بیٹی "تماضر" سے نکاح کیا اور ان کو ہمراہ لے آئے۔ وہی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؓ کی ماں ہیں۔

(۱۲) سریہ علی بن ابی طالب بجانب بنی سعد بن بکر بمقام فدک (۲):

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بنی سعد بن بکر کے لوگوں کا ایک گروہ ہے جس کا یہ منصوبہ اور مقصد ہے کہ یہود خیبر کی مدد کریں۔ آپ ﷺ نے شعبان ۶ھ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ایک سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ اس طرح وہاں پہنچے کہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ رہتے تھے۔ جب "املح" پر پہنچے' جو خیبر اور فدک کے درمیان ایک چشمہ تھا' وہاں ایک آدمی ملا۔ اس سے اس گروہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں اس شرط پر بتاؤں گا کہ تم مجھے امان دے دو۔ اس کو امان دے دی گئی تو اس نے پتہ بتا دیا۔ حضرت علیؓ پہنچے تو پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں غنیمت میں ملیں۔ (غالباً جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ وہ لوگ فرار ہو گئے)۔

(۱۳) سریہ عبداللہ بن عتیک بجانب ابو رافع:

ابو رافع یہودی' جو قبیلہ بنو نضیر سے تھا اور صاحب اثر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا تاجر بھی تھا' طبقات میں ہے کہ اس نے غطفان کو اور ان مشرکین عرب کو' جو اس کے گرد تھے' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے سب کو جمع کیا اور اس مقصد سے ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا۔ طبقات میں ہے کہ:

"ابو رافع بن ابی حقیق نے غطفان اور ان مشرکین عرب کو' جو اس کے گرد تھے' جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے ایک بڑا گروہ جمع کیا"۔

آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے رمضان ۶ھ میں عبداللہ بن عتیک کو

چند انصار کے ساتھ ابو رافع کی تادیب کے لیے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کر دیا۔ یہ لوگ جب گھر سے نکل آئے تو اس کی بیوی چیخی اور اس کے ساتھ تمام گھر والوں نے شور مچایا تو یہ لوگ قلعہ کے ایک نالے میں چھپ گئے۔ حارث ابو زینب تین ہزار آدمیوں کو لے کر تعاقب میں نکلا اور تلاش شروع کی۔ جب سراغ نہ ملا تو ناچار واپس ہو گیا۔ یہ لوگ دو روز وہیں مقیم رہے۔ جب معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تو مدینہ منورہ چلے آئے۔

(۱۴) سریہ عبداللہ بن رواحہ بجانب اسیر بن زارم:

طبقات میں ہے کہ جب ابو رافع کا قتل ہو گیا تو یہود نے اسیر بن زارم کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ "ہمارے پیش رو لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں' وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دار الریاست (مدینہ) پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا"۔

اس نے بھی غطفان وغیرہ میں جا کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے آمادہ کیا اور فوج گراں جمع کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو تحقیق حال کے لیے مخفی طور پر عبداللہ بن رواحہؓ کو تین آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ وہ خیبر گئے اور چھپ کر اسیر سے ملے اور خود اس کی زبانی انہوں نے اس کے مشورے اور تدبیریں معلوم کیں۔ پھر تمام حالات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر خبر دی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رپورٹ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی امارت میں تیس آدمیوں کو شوال ۶ھ میں خیبر روانہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اسیر بن زارم سے جا کر ملے اور اس سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے چلو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تم کو خیبر کا حاکم بنا دیں گے۔ اسیر تیس آدمیوں کے ساتھ اس طرح چلا کہ ہر اونٹ پر دو آدمی سوار تھے۔ ان میں ایک اسیر کا آدمی تھا اور ایک مسلمانوں کی جماعت کا تھا۔ اسیر کے ہمراہ عبداللہ بن انیسؓ تھے۔

جب یہ سب لوگ "قرقرہ ثبار" پہنچے تو اسیر کے دل میں برائی پیدا ہوئی اور فریب و غدر پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی تلوار کی طرف اس لیے ہاتھ

بڑھایا کہ اس پر قبضہ کر لے اور دھوکے سے ان کو قتل کر دے۔ اسیر کی اس حرکت پر عبداللہ بن انیس ؓ نے اپنے اونٹ کو کنارے کر لیا اور تنہائی میں اس سے کہا کہ دشمن خدا، یہ بدعہدی؟ اس نے دوسری مرتبہ پھر ہاتھ بڑھایا تو عبداللہ بن انیس ؓ اونٹ سے اتر گئے اور قافلہ کو بڑھنے دیا اور انہوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اسیر کا باہمی یہ طے کردہ خفیہ تدبیر ہے کہ راستہ میں کسی کمین گاہ پر اس کا ہر آدمی اپنے مسلمان ساتھی کو قتل کر دے اور اسی منصوبہ کے تحت ہر سواری پر اس طرح دو آدمیوں کو سوار کر کے خیبر سے روانہ ہوا ہے۔ اس قرین قیاس اندیشہ کی بنا پر جب تنہائی ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن انیس ؓ نے تلوار ماری، جس سے اس کی ران اور پنڈلی کا اکثر حصہ کٹ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ہاتھ میں "شوحط" کی لاٹھی تھی۔ اس نے میرے سر پر ماری جس سے میرا سر زخمی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ہر ساتھی دوسرے ساتھی پر پلٹ پڑا۔ ایک آدمی کے سوا اسیر کے تمام ساتھی مارے گئے۔

(۱۵) سریہ کرز بن جابر الفہری بجانب عرنیین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دودھ دینے والی اونٹنیوں کو حمی کے اطراف میں آپ ﷺ کا غلام "یسار" چرا رہا تھا۔ طبقات میں ہے کہ قبیلہ عرینہ کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کو مدینہ کی ہوا راس نہیں آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر چراگاہ میں رہنے اور اونٹ کے دودھ وغیرہ کے استعمال کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ لوگ "ذوالجد" میں، جو مدینہ سے چھ میل پر قبا کے علاقہ میں "عیر" کے قریب، جہاں اونٹ چرتے تھے، چلے گئے اور رہنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ ہر طرح سے تندرست اور توانا ہو گئے۔

ایک دن صبح کے وقت ان لوگوں نے حملہ کر دیا اور سب اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ یسار اور اس کے ساتھ جو ایک جماعت تھی، اس سے جنگ ہوئی۔ ان ظالموں نے یسار کو بہت بری طرح تکلیفیں دے دے کر مارا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے، زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیے، یہاں تک کہ یسار جاں بحق ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو کرز بن جابر الفہری کی سرکردگی میں بیس سوار تعاقب میں شوال ۶ھ میں روانہ فرمائے۔ ان لوگوں نے گھیر کر ان کو گرفتار کر لیا اور رسیوں سے باندھ کر گھوڑوں پر ساتھ بٹھا کر مدینہ لے آئے اور ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ وہاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہ اونٹنیاں تھیں، جن میں چودہ واپس ملیں۔ ایک کو ان لوگوں نے ذبح کر ڈالا تھا۔

(۱۶) سریہ عمرو بن امیہ الضمری بجانب ابوسفیان:

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ غزوۂ خندق سے ابوسفیان اس طرح خائب و خاسر لوٹا تھا کہ اب وہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو گیا اور اس کی یہ امید منقطع ہو گئی تھی کہ اب وہ اپنی جنگی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کر سکیں گے۔ اسی بنا پر ابوسفیان نے لوٹتے وقت نہ انتقام کی قسم کھائی، نہ دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، نہ مسلمانوں کو چیلنج کیا بلکہ خاموشی کے ساتھ پسپا ہو گیا۔ مکہ آ کر بھی اس کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ قریش اور دیگر قبائل عرب کو اسلام کے مقابلہ کے لیے اکسائے اور جنگ پر آمادہ کرے۔ بنو قریظہ کے برے انجام سے ان کے سامنے برے برے خواب پیش آنے لگے۔ لیکن اسلام دشمنی کا جذبہ اپنی جگہ پر بلا کم و کاست باقی تھا۔ اب مایوسی کے عالم میں اس نے یہ طے کیا کہ قوت سے نہیں تو دھوکے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرا دو۔

طبقات میں ہے کہ ابوسفیان نے قریش کے چند آدمیوں کی مجلس میں کہا کہ کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دھوکے سے قتل کر دے۔ آخر وہ بازاروں میں تو چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ ایک بدوی نے اس کا ذمہ لیا کہ میں دھوکے سے قتل کر دوں گا، بشرطیکہ میری مدد کی جائے۔ میرے پاس خنجر ہے، جس سے میں حملہ کروں گا، پھر کسی قافلہ میں مل جاؤں گا۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ جاؤں گا۔ میں راستہ سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں۔

ابوسفیان نے اس کو زادِ راہ اور سواری دی اور وہ مدینہ منورہ روانہ ہو گیا اور اس قدر تیزی کے ساتھ گیا کہ چھٹے دن پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھتا ہوا آیا۔ لوگوں نے آپ ﷺ کی نشاندہی کر دی۔ وہ اپنی سواری کو باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ آپ ﷺ اس وقت بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو اس کے تیور سے پہچان لیا کہ یہ شخص بدعہدی کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حملہ کے لیے بڑھا تو حضرت اسید بن حضیر ؓ نے اس کے تہبند کا اندر کا حصہ پکڑ کر کھینچا تو

خنجر ہاتھ میں آگیا۔ اب وہ گھبرا کر کہنے لگا: میرا خون' میرا خون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو اس نے سارا قصہ اپنا اور ابوسفیان کا اُگل دیا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس پر آپ ﷺ نے ابوسفیان کی تادیب کے لیے عمرو بن امیتہ الضمری کو ایک اور آدمی کے ساتھ مکہ بھیجا۔ یہ مکہ پہنچے اور رات کو بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ معاویہ بن ابی سفیان نے دیکھ لیا اور پہچان کر قریش کو خبر کر دی۔ راز فاش ہو گیا تو مجبوراً بغیر تادیب کے واپس آئے۔ لیکن عمرو بن امیہ ضمری کے اس جرات مندانہ اقدام سے اہل مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔

====================

حوالہ جات

(۱) وادی القریٰ مدینہ منورہ سے سات رات کے راستہ پر ہے۔ شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ اسی کا نام وادی القریٰ ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں عاد اور ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبزی اور شادابی کی حیثیت سے ضرب المثل تھیں۔ عاد' ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے۔ یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل آباد ہوئے۔ عہد اسلام کے بعد یہاں کئی صدیوں تک آبادی کا پتہ ملتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں "یاقوت" نے اپنے زمانہ میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے: "اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے۔ کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں ہے"۔۱۲۔

(۲) فدک ایک بستی تھی جو خیبر اور مدینہ کے درمیان میں تھی۔ یہاں یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی بہت خوش حال تھے۔۱۲۔

غزوۂ حدیبیہ

ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی خارجی حفاظت کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ مدینہ سے باہر کے قبائل کو مصالحت کا پیغام دیا جائے اور ایسی صورت اختیار کی جائے کہ قریش' جن کی نخوت و غرور کا پارہ سارے قبائل عرب سے اونچا ہے' وہ بھی مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔

چنانچہ اس کے لیے آپ ﷺ نے بذات خود مدینہ سے قبائل عرب کا سفر کیا اور مختلف قبائل سے مصالحت فرمائی۔ قریش سے مصالحت کا مسئلہ نہایت اہم تھا۔ مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کے مقابلہ میں مصالحت کے لفظ کا سننا بھی ان کے لیے توہین کا باعث تھا۔ ان کے لیے براہ راست پیغام مصالحت کے بجائے ایسے اسباب کا پیدا کرنا مناسب سمجھا گیا جو ان کو صلح پر مجبور کر دے۔

اس سارے جتن کا مقصد یہ تھا کہ اس مصالحت سے عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے راہ کھل جائے' جس کے لیے آپ ﷺ ہجرت اور انصار کی بیعت سے پہلے ہر قبیلہ کے پاس جاتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ تم ہماری حفاظت کی ذمہ داری لے لو تاکہ تمہاری پناہ میں دنیا کو میں خدا کا وہ پیغام پہنچا دوں' جس کو لے کر میں مبعوث ہوا ہوں۔

غزوۂ خندق کے بعد آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ:

الآن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم۔ (بخاری)

"اب ہم ان لوگوں پر حملہ کریں گے' وہ لوگ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ ہم ہی ان کی طرف بڑھیں گے"۔

یعنی آپ ﷺ نے اس کا پورا پورا اندازہ فرمالیا کہ قریش میں بداہتہ "اب اس کی طاقت نہیں رہی کہ وہ اپنی جنگی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کر سکیں گے' بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی اندازہ فرمایا کہ اب اس حالت میں کہ وہ غزوۂ خندق سے خائب و خاسر لوٹے ہیں اور اپنی کامیابی سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں' قدرتی طور پر ان کی نخوت و غرور کا پارہ نیچے اتر چکا ہو گا اور اب ان کا قومی مزاج اس قابل ہو گیا ہو گا کہ صلح کی دعوت کارگر ہو۔ اب آپ ﷺ کے سامنے دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ

(۱) فدائیوں اور جانثاروں کی جماعت کو لے کر ان پر حملہ آور ہوں اور ان کے ساتھ بھی تادیبی معاملہ کریں اور ان کی ظلم کیشی اور مسلمانوں کے ان جانی اور مالی نقصانات کا بھرپور انتقام لیں جو انہوں نے مسلسل ابتداء بعثت سے لے کر غزوۂ خندق تک پورے اٹھارہ سال پہنچائے اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اٹھا نہیں رکھا۔

دوسرے یہ کہ:

(۲) صلح کا پیغام دیا جائے اور اس طریقہ سے دیا جائے کہ موثر اور کارگر ہو اور ان کو یہ احساس نہ ہو کہ تلوار کے نیچے اپنی طاقت کے بل پر ہم سے جبراً صلح کا معاہدہ لکھوایا جا رہا ہے۔

آپ ﷺ نے تادیب کی پہلی صورت کے مقابلہ میں مصالحت کی دوسری صورت کو پسند فرمایا۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ اول یہ کہ آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ "عالمی مشن کی عالمی دعوت" کی راہ سے مزاحمت ختم ہو جائے اور قریش دعوت حق کو کھلے دل سے بلا جبر و اکراہ اختیار کریں۔ آپ ﷺ کا مقصد اور آپ ﷺ کی پالیسی ہرگز یہ نہیں تھی کہ قریش کا یا ان جیسے دشمن اسلام کا استیصال کر دیا جائے یا ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے یا اسلام قبول نہ کرنے پر اور اس کی دعوت کو رد کر دینے کی بنا پر ان کو جانی و مالی نقصان پہنچایا جائے کیونکہ اسلام میں نہ ایسے اسلام کی کوئی قیمت ہے اور نہ ایسا اسلام قابل اعتبار ہے' جو کھلے دل سے بلا جبر و اکراہ نہ قبول کیا گیا ہو۔ دوم یہ کہ اسلامی نقطۂ نظر سے آپ ﷺ صلح ہی کو اسلام کی فتح بھی سمجھتے تھے اور عالمی مشن کی عالمی دعوت کی کامیابی اور اثر اندازی کے لیے اختلاط' میل جول' صلح و آشتی اور کھلے

دل سے باہمی تبادلہ خیال اور گفتگو کے مواقع کو ضروری سمجھتے تھے جو مصالحت ہی کی راہ سے حاصل ہو سکتے تھے۔

چنانچہ "صلح حدیبیہ" سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ چلے تو پہلی منزل یا دوسری منزل پر آپ ﷺ کو حق تعالیٰ کی جانب سے اس مصالحت پر ان الفاظ میں مبارکباد دی گئی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ (فتح۔ ع ۱' پ ۲۶)

"(صلح حدیبیہ کے ذریعہ) ہم نے آپ (ﷺ) کو کھلی فتح دے دی"۔

واقعتاً صلح حدیبیہ کے بعد باہمی اختلاط کا کیا اثر ہوا؟ تمام مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک یعنی دو برس کے اندر کثرت سے اتنے لوگوں نے کھلے دل سے اسلام قبول کیا کہ اس اٹھارہ انیس سال میں اتنے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

بہرحال آپ ﷺ نے مصالحت کی راہ کو اختیار کیا اور اس کے لیے یہ موثر صورت اختیار کی کہ آپ ﷺ نے "عمرہ" کا عزم کیا اور اس کے ذیل میں پیغام صلح کو رکھا تاکہ دل میں اس کا معمولی خطرہ بھی پیدا نہ ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ پندرہ سو فدائیوں کا جو جتھا ہے اور سب کے سب احرام باندھے ہوئے ہیں اور جنگی ہتھیاروں سے خالی ہیں' یہ مکہ پر چڑھائی کے لیے آ رہے ہیں۔ اگلے واقعات بتائیں گے کہ آپ ﷺ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا کہ قریش کے قومی مزاج میں مصالحت کی قبولیت کی استعداد پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب حدیبیہ میں آپ ﷺ نے قریش کو "پیغام صلح" دیا تو ردوکد کے بعد یہ پیغام کامیاب ہوا اور حدیبیہ میں صلح ہو گئی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عمرہ کے ذیل میں پیغام صلح کو رکھنا نہایت موثر ثابت ہوا اور "معاہدہ صلح" پرسکون فضا میں طے ہوا۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ: سیرت کی کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضور صلے اللہ علیہ وسلم یکم ذیقعدہ ۶ھ کو عمرہ کے ارادہ سے چودہ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ چلے۔ اعلان کر دیا گیا کہ کوئی شخص ہتھیار ساتھ نہ لے۔ ہاں تلوار' جس کا ہونا عرب کے دستور کے مطابق ہر مسافر کے لیے ضروری ہے' ساتھ رہے مگر میان میں۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا گیا۔ قربانی کے جانوروں پر قربانی کے نشان لگا دیے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے اونٹ تھے، جس میں ابو جہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو بدر کے مال غنیمت میں آپ ﷺ کو ملا تھا۔

جب آپ ﷺ عسفان پہنچے تو خبر ملی کہ قریش آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ قریش کی فوج "بلدح" میں جمع ہے۔ خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ خبر لانے کے لیے بھیجا گیا ہے، جس میں ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی ہے۔ یہ کراع غمیم تک پہنچ گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کراع غمیم پہنچے اور خالد نے مسلمانوں کے گھوڑوں کی گرد دیکھی تو فوراً قریش کو خبر دینے چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کی اطلاع پا کر اپنا راستہ بدل دیا اور حدیبیہ پہنچ کر قیام کیا۔

قیام اتفاق سے ایسے کنوئیں پر ہوا جس کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ طبقات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ اس میں گاڑ دیا جائے۔ اب اس سے شیریں پانی ابلنے لگا۔ لوگوں نے کنوئیں کی مینڈھ پر بیٹھ کر اپنے برتن بھر لیے۔

اسی طرح کا واقعہ حدیبیہ میں "بیعت رضوان" کے دن بھی پیش آیا۔ طبقات میں ہے کہ سالم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے دریافت کیا کہ درخت کی بیعت کے دن آپ لوگ کتنے تھے؟ انہوں نے کہا "ہم لوگ پندرہ سو تھے۔ لوگ پیاس میں مبتلا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھوٹے سے برتن میں پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈال دیا۔ پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے اس طرح نکلنے لگا جیسے وہ چشمے ہیں۔ ہم نے پیا اور ہمیں کافی ہو گیا"۔ راوی نے پوچھا "آپ لوگ کتنے تھے؟" انہوں نے کہا "اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ ضرور ہمیں کافی ہوتا۔ ہم لوگ پندرہ سو تھے"۔

طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بدیل بن ورقاء اور خزاعہ کے چند سوار آئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا کہ ہم آپ ﷺ کی قوم کی طرف سے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک آپ ﷺ کے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ نہیں کھولیں گے، جب تک ان کے بالغ مرد ہلاک نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کی معرفت جو پیغام صلح بھیجا،

ارباب سیر کی مختلف تصریحات کے پیش نظر اس کا حاصل یہ تھا کہ:

"ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں، جنگ مقصود نہیں۔ متواتر جنگوں نے قریش کو مردہ بنا دیا ہے لہٰذا قریش کے لیے یہی بہتر ہے کہ مدت معینہ کے لیے صلح کا معاہدہ کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو ان کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر میں ان پر غالب آ گیا تو ان کو اختیار ہے کہ اسلام قبول کریں، یا مجھ سے جنگ کریں۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے تو قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا اپنا فیصلہ نافذ کر دے اور اپنے دین کو غالب کر دے"۔

بدیل نے قریش کو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام پہنچا دیا اور قریش نے اس پر اعتناء نہ کیا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش سے کہا: "کیا تم بمنزلہ فرزند کے اور میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے نہیں ہوں؟" لوگوں نے کہا "ہاں"۔ عروہ نے پھر کہا "کیا اپنے متعلق مجھ سے خیانت و عداوت کا تم کو خطرہ ہے؟" لوگوں نے کہا "نہیں"۔ اس پر عروہ نے کہا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو پیغام بھیجا ہے، وہ پسندیدہ، مستحسن اور قابل قبول ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں ان سے گفتگو کروں اور دیکھوں کہ مصلحت کا کیا تقاضا ہے"۔ عروہ کی جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ ﷺ نے جو باتیں بدیل سے فرمائی تھیں، وہی اس سے بھی کہیں۔ اس پر عروہ نے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو بتاؤ اگر تم قریش کے استیصال میں کامیاب ہو گئے اور غالب آئے تو تمہارا یہ کام کیسا ہو گا؟ آج تک تم سے پہلے کسی عرب نے ایسا کیا ہے کہ اپنی قوم کو ہلاک کیا ہو اور اپنی جڑ کھودی ہو؟ اور اگر تم مغلوب ہوئے تو پھر تمہارا کیا حال ہو گا؟ یقیناً یہ غیر ذمہ دار لوگ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ کو غصہ آ گیا اور ایک سخت کلمہ کہہ کر کہا کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے اور بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا "یہ کون ہیں؟" کہا گیا "یہ ابو بکر صدیق ہیں"۔ عروہ نے کہا "ابو بکر! خدا کی قسم اگر وہ احسان تمہارا میری گردن پر نہ ہوتا، جس کا بدلہ میں ادا نہیں کر سکا ہوں تو میں تیری گالی کے بدلے گالی اور دندان شکن جواب دیتا"۔ (حضرت ابو بکرؓ نے ایک آڑے وقت میں دس جوان اونٹوں سے عروہ کی

امداد کی تھی)۔

اثناء گفتگو میں حسبِ عادت عرب عروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک تک ہاتھ بڑھا دیتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے تلوار کے قبضہ سے اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا "اپنے ہاتھ کو روک اور حدِ ادب سے تجاوز نہ کر"۔ عروہ نے برہم ہو کر کہا "او غدار! تیری دغابازی کے سلسلہ میں کیا میں تیرے کام (ا) نہیں آیا ہوں۔ پھر میرے ساتھ تو یہ سلوک کیوں کرتا ہے؟"

عروہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت بھی کرتا جاتا اور مجلس نبوی ﷺ کے آداب و احترام اور صحابہ کرام کی فدائیت اور ان کی باہمی محبت کا اندازہ بھی کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ عروہ جب واپس گیا تو اپنی رائے کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ میں ایسی فوج کو دیکھ کر آرہا ہوں، جو منہ موڑنے والی نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے قتل نہ ہو جائیں یا تم پر غالب آجائیں۔ صحابہ کرام کی عقیدت اور وارفتگی کے متعلق یہ بیان دیا کہ میں نے بادشاہ اور سلاطین اور بڑے بڑے لوگوں کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے اور قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں، مگر میں نے ایسا احترام نہیں دیکھا، جس طرح کا احترام و اکرام صحابہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کرتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تھوکتے ہیں تو صحابہ ہاتھوں ہاتھ لے کر رخساروں پر مل لیتے ہیں۔ معمولی کام جس کو معمولی آدمی انجام دے سکتا ہے، جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اس کو انجام دینے کے لیے ان کا بڑے سے بڑا آدمی دوڑ پڑتا ہے۔ جب اس سے گفتگو کرتے ہیں تو ادباً پست آواز سے کرتے ہیں اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گفتگو کرتے ہیں تو پوری توجہ سے سنتے ہیں۔ انتہائی احترام و عقیدت کے باعث ان کے چہرہ کی طرف نظر پھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ ان کے وضو کے پانی پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ خطرہ ہوتا ہے کہ دم نہ نکل جائے۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو لپک کر اٹھا لیتے ہیں اور بطور تبرک محفوظ رکھتے ہیں۔ پھر صحابہ کرام کی شجاعت، مردانگی، یک جہتی اور باہمی محبت کو اس طرح بیان کیا کہ اس سے زیادہ بہتر طریقہ سے بیان نہیں ہو سکتا۔

عروہ کے واپس ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کے پاس "مکرز بن حفص" آیا۔ اس سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد قریش کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں الحلیس بن علقمہ کو بھیجا گیا۔ حلیس اس دن مختلف جماعتوں کے لشکر کا سردار تھا اور عبادت کیا کرتا تھا۔ جب اس نے قربانی کے جانوروں کو دیکھا کہ ان کی گردن میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور زیادہ دنوں تک گردن میں پڑے رہنے کی وجہ سے بال کھال پر سے گر گئے ہیں تو اس پر اس کا بہت اثر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر ملے ہوئے قریش کے پاس لوٹ گیا اور کہا کہ "تم لوگوں کو راستہ ضرور کھولنا پڑے گا ورنہ میں فوج کو منتشر کر دوں گا"۔ قریش نے کہا "ہمیں اتنی مہلت دو کہ ہم اپنے کسی پسندیدہ ذمہ دار کو بھیجیں"۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے پیغام صلح لے کر "خراش بن امیہؓ" کو بھیجا۔ قریش نے ان کو روک لیا اور ان کو قتل کر دینا چاہا، لیکن ان کے قبیلہ کے لوگ وہاں تھے، ان کی وجہ سے خراش کی جان بچ گئی اور وہ ناکام واپس آگئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے اور آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ وہ مکہ ہی میں تھے کہ یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے۔ یہ خبر معمولی نہ تھی جو برداشت کر لی جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا بہت اثر ہوا۔ آپ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے۔

یہ بیعت صحابہ کرام نے اس طرح پرجوش طریقہ پر اخلاص اور فدائیت کے ساتھ کی تھی کہ خدا کی جانب سے رضائے الٰہی کی بشارت ان کو ان الفاظ میں دی گئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔ (فتح۔ ع ۳، پ ۲۶)

"اللہ مسلمانوں سے خوش ہوا، جبکہ وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان پر سکینت (اطمینان) نازل فرمایا۔ اور ان کو فتح قریب کی نوازش فرمائی"۔

جب بیعت کی خبر قریش کو ملی اور جو صلح سے انکار دیدہ و دانستہ اکڑ اکڑ کر اس بنیاد پر کر رہے تھے کہ مسلمان عمرہ کے احرام میں ہیں، یہ جنگ نہیں کریں گے، اب صلح پر آمادہ ہو گئے اور سہیل بن عمرو کو، جو خطیب قریش کہلاتا تھا اور نہایت فصیح و بلیغ مقرر

تھا، صلح کا سفیر بنا کر بھیجا اور کہہ دیا کہ صلح کی اول شرط یہ ہوگی کہ اس سال بغیر زیارت کعبہ واپس جائیں۔ سہیل بن عمرو آیا اور گفتگو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے معاہدہ لکھنے کے لیے فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ سہیل نے کہا کہ "ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں جانتے" آپ "باسمک اللھم" لکھئے جس کو ہم جانتے ہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "لکھو من محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم" یعنی یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔ سہیل نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ کی اتباع کرتے۔ آپ اپنا نام اپنے باپ کے نام کے ساتھ لکھئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لکھو من محمد عبداللہ"۔ مسلم شریف ہی میں حضرت براء کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "رسول اللہ کے الفاظ کو مٹا دو"۔ حضرت علیؓ نے عرض کی کہ میری مجال نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جگہ مجھ کو بتا دو۔ جب آپ ﷺ کو وہ جگہ بتا دی گئی تو آپ ﷺ نے مٹا دیا۔

پھر حسب ذیل شرائط پر معاہدہ لکھا گیا، جس کو ہم طبقات ابن سعد سے نقل کرتے ہیں۔

"(۱) یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی۔

(۲) دونوں نے دس سال تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا۔

(۳) لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں۔

(۴) اس طور پر کہ نہ خفیہ چوری ہو، نہ خیانت ہو۔

(۵) یہ معاہدہ ہمارے درمیان (انسداد فتنہ کے لحاظ سے ایک بند صندوق کا حکم رکھتا ہے جس میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی) مثل ایک صندوق کے ہے۔

(۶) جو شخص چاہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری میں داخل ہو تو وہ داخل ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص یہ چاہے کہ قریش کے عہد میں داخل ہو

تو وہ داخل ہو سکتا ہے۔

(۷) جو شخص بغیر اپنے ولی کی اجازت کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے گا تو وہ اس کو واپس کر دیں گے اور اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو شخص قریش کے پاس آئے گا، تو قریش اس کو واپس نہیں کریں گے۔

(۸) اس سال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو واپس لے جائیں۔

(۹) آئندہ سال مکہ آکر تین دن قیام کریں گے۔

(۱۰) ان کے ساتھ ہتھیار نہیں ہوں گے، سوا تلوار کے جو مسافروں کا ہتھیار ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ چمڑے کے میان میں ہوگی"۔

اس معاہدہ پر حسب ذیل اصحاب شاہد ہوئے: سعد بن ابی وقاص، عثمان بن عفان، ابو عبیدۃ بن الجراح، محمد بن مسلمہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عمر بن الخطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، مکرز بن حفص بن الاحنف۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین)

احادیث سے اس کے علاوہ اور شرط بھی معلوم ہوتی ہے مگر اس موقع پر ہم اس سے اور ان شرطوں کی افادیت سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے ہیں، اس کا محل دوسرا ہے۔

اصل معاہدہ، جس کو حضرت علیؓ نے لکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا اور اس کی نقل سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔ جب معاہدہ کا معاملہ جانبین کی توثیق سے تمام ہو گیا تو بنو خزاعہ اٹھ کھڑے ہوئے کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد میں داخل ہوتے ہیں" اور بنو بکر نے کہا "ہم قریش کے عہد میں داخل ہوتے ہیں"۔

صحابہ کرام کے لیے یہ بہت سخت آزمائش کا وقت تھا کیونکہ بعض شرطیں بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں۔ چنانچہ سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں جب یہ شرط پیش کی کہ تمہارے آدمی ہمارے ہاں آئیں گے تو ہم نہیں لوٹائیں گے اور ہمارے آدمی تمہارے ہاں جائیں گے تو تم کو لوٹانا پڑیں گے، تو بعض صحابہ بے اختیاری میں بول اٹھے "اتکتب ھذا" کیا یہ شرط بھی معاہدہ میں لکھی جائے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" اور اسی کے ساتھ یہ وجہ بیان فرمائی:

من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ و من جاء نا منھم

سیجعل اللہ لہ خرجا و مخرجا۔ (مسلم۔ باب صلح الحدیبیہ)

"جو شخص ہماری جماعت کا ان کی طرف مرتد ہو کر چلا جائے گا تو اللہ کی طرف سے وہ اسلام سے محروم ہو گیا اور جو شخص ان لوگوں کا میرے پاس آئے گا، بہت جلد اللہ اس کی گلوخلاصی کی راہ پیدا کر دے گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صائب الرائے اور صاحب فراست انسان بھی معاہدہ کی اس شرط پر تلملا اٹھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں ایسا ہی ہے"۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ "پھر ہم دین کے بارے میں دنیت کیوں اختیار کریں؟ اور جب تک ہمارے اور ان کے درمیان میں اللہ فیصلہ نہ فرما دے، ہم کیوں (اس سال) واپس ہوں"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ ہرگز مجھ کو برباد نہ کرے گا"۔ حضرت عمرؓ چونکہ (غیرت ایمانی کے باعث) سرتاسر غیظ ہی غیظ تھے، صبر کی تاب نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی دونوں سوال کیے اور حضرت ابوبکرؓ نے وہی دونوں جواب دیے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ ان کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد (واپسی میں) سورہ فتح کی آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سنائی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا یہ واقعی فتح ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ تب ان کا دل مطمئن ہوا اور لوٹ آئے۔ (مسلم شریف۔ باب صلح الحدیبیہ)

صلح حدیبیہ کا اثر کیا ہوا؟ اور اسلام کے حق میں یہ کھلی ہوئی فتح کیونکر ثابت ہوئی؟ امام نووی نے اس کے متعلق لکھا ہے:

"جب صلح حدیبیہ ہو گئی اور کفار کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط ہوا اور وہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور مسلمان مکہ مکرمہ گئے اور اپنے اعزہ اور اپنے احباب اور اپنے خیرخواہ لوگوں کے ہاں قیام کیا اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جزئی جزئی باتوں کو، آپ ﷺ کے معجزات کو، آپ ﷺ کی نبوت کی کھلی نشانیوں کو ان لوگوں کی زبانی سنا اور آپ ﷺ کے حسن سیرت اور آپ ﷺ کے معاملہ کی اچھائی اور بہتری کو معلوم کیا اور بہت سی باتوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کے دل ایمان کی طرف

مائل ہو گئے اور ان کی ایک خلقت فتح مکہ سے پہلے اسلام کی طرف دوڑ پڑی۔ اور ان لوگوں نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام قبول کر لیا اور دوسرے لوگوں میں بھی اسلام کی جانب میلان بڑھ چڑھ کر پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو سب کے سب اسلام لے آئے۔ پھر وہ غیر قریشی جو بدویانہ زندگی گزارتے تھے اور اپنے اسلام لانے کے لیے قریش کے اسلام لانے کا انتظار کر رہے تھے، جب قریش نے اسلام قبول کر لیا، تو ان عربوں نے اپنی جگہ پر اپنے اپنے بادیہ میں اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ الخ (نووی۔ ص ۱۰۵، ج ۲)

معاہدہ کی شرطوں کے طے ہو جانے کے بعد جب سہیل بن عمرو سفیر صلح کے صاحبزادے حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے ہوئے فریادی بن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تو چودہ سو فدائیوں کی پُرجوش جماعت نہایت صبر آزما اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئی۔ ایک طرف ان کی غیرت ایمانی کہتی تھی کہ ہم اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ بھی دینے کو تیار ہیں مگر اسلام کی اس توہین کا زخم کھانے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ دب کر مصالحت کی جائے اور ایک کلمہ گو کو کافر کے ہاتھ میں دے دیا جائے، دوسری طرف ایمان کی روشنی عطا کرنے والے کی اطاعت شعاری اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے جو کہتی ہے ۔

یہ مئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

اس صورت حال میں صحابہ کی غیرت ایمانی اور اطاعت اسلامی کی کشمکش اور معاہدہ کے پس منظر میں اسلامی مشن کی کامیابی کی بشارت ایک ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وقتی اور عارضی اندوہ پر دائمی اور اصلی مسرت کو آپ ﷺ نے ترجیح دی اور ساتھ ہی مخلصی کے لیے ابوجندلؓ کو یہ ضمانت عطا فرمادی کہ:

ان اللہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین خرجا مخرجا۔

"تمہارے لیے اور تمہارے مظلوم بے بس ساتھیوں کے لیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ مخلصی کی راہ پیدا کرے گا"۔

حضرت ابو جندلؓ اب اس طرح واپس ہوئے کہ پاؤں میں زنجیر تھی اور آنکھوں کے سامنے مخلصی کی یقینی راہ چمک رہی تھی۔

معاہدہ کی ظاہری شکل نہایت دل شکن تھی مگر چونکہ ذات رسالت کی توثیق اس کے ساتھ تھی، کسی میں مجال دم زدن نہ تھی، پھر بھی حضرت عمرؓ کی زبان پر یہ آ ہی گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے ایسی صلح کی اور وہ چیز انہیں عطا فرمائی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کسی کو امیر بنا دیتے اور وہ وہی کرتا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تو میں نہ اس کی سماعت کرتا، نہ اطاعت کرتا۔ (طبقات)

حضرت ابو جندلؓ وغیرہ کی مخلصی کی صورت قدرت الٰہی نے کس طرح پیدا کر دی، "خمیس" کے حوالہ سے علامہ شبلیؒ نے اس کو لکھا ہے۔ ہم ان ہی کے الفاظ میں یہاں اس کو نقل کر دیتے ہیں:

"جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، اس لیے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے۔ سب سے پہلے عتبہ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے۔ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے فرمایا کہ "واپس جاؤ"۔ عتبہ نے عرض کی "کیا آپ ﷺ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا"۔ عتبہ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے، لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا شخص جو بچ رہا، اس نے مدینہ آکر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ ساتھ ہی حضرت ابو بصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ ﷺ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا۔ اب آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام "عیص" میں، جو سمندر کے کنارے "ذومرہ" کے پاس ہے، رہنا اختیار کیا۔ مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ جان

بچانے کا ایک ٹھکانہ پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروان تجارت، جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جایا کرتا، وہی ان کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے تعرض نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی مدینہ میں آکر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۲۲۴، ج ۱)

صلح حدیبیہ سے واپسی اور غزوۂ غابہ:

مسلم شریف میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ایک طویل روایت ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم لوگ حدیبیہ سے جب مدینہ لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو اپنے غلام رباح کے ساتھ چراگاہ بھیج دیا۔ جب صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عینیہ فزاری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور چرواہے کو قتل کر دیا اور سب کو ہنکا کر لے چلا۔ میں نے رباح سے کہا: تم گھوڑا لے لو اور اس کو حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کو پہنچا دو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دو کہ ان کے مویشیوں کو لوگوں نے لوٹ لیا ہے۔

میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہو گیا اور اپنا منہ مدینہ کی طرف کر لیا اور تین مرتبہ پکارا "یا صباحاہ" (ہائے صبح) پھر میں ان لوگوں کے نشان قدم پر چلا۔ میں انہیں تیر مارتا تھا اور کہتا تھا:

انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع۔

"میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن کمینہ لوگوں کی مصیبت کا دن ہے"۔

میں ایک آدمی سے ملا جو سواری پر تھا۔ میں نے اس کو تیر مارا جس نے اس کے مونڈھے کو چھید دیا۔ خدا کی قسم میں برابر تیر مارتا رہا اور ان کی سواریوں کو زخمی کرتا رہا۔ جب میری طرف کوئی سوار متوجہ ہوتا تو میں درخت کی جڑ میں بیٹھ کر اس کو تیر

مارتا اور اس کو زخمی کر دیتا۔ جب پہاڑ کے دروں میں وہ گھستے تھے تو میں پہاڑ پر چڑھ کر ان پر پتھر پھینکتا تھا۔ میں اسی طرح ان کا پیچھا کرتا رہا' یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل مویشیوں کو ان سے چھڑا لیا۔

پھر میں ان کے پیچھے تیر مارتا چلا۔ انہوں نے تیس سے زاید نیزے اور چادریں بوجھ ہلکا کرنے کے خیال سے ڈال دیں۔ وہ جو کچھ ڈالتے تھے' میں اس پر اس لیے پتھر رکھ دیتا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب پہچان لیں۔ جب وہ لوگ ایک تنگ گھاٹی پر پہنچے تو ان کی مدد کے لیے عینیہ بن بدر فزاری آیا۔ میں پہاڑ پر چڑھ گیا۔ مجھ کو دیکھ کر اس نے پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ اس سے ہم کو سخت اذیت پہنچی ہے۔ اس نے ہمیں صبح سے اس وقت تک نہیں چھوڑا ہے۔ یہ ہم لوگوں کو تیر مارتا رہا اور جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں تھا' سب لے لیا۔ اس نے کہا: تم میں سے چار آدمی مقابلہ کے لیے جائیں۔ ان میں سے چار آدمی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب قریب ہوئے تو میں نے کہا: تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں سلمہ بن اکوع ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو مکرم کیا ہے' تم میں سے کوئی مجھ سے بچ نہیں سکتا اور نہ مجھ کو پا سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ لوٹ گئے۔ میں اپنی جگہ سے ہٹا نہیں تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا کہ وہ درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب سے آگے احزم اسدی ہیں اور ان کے پیچھے ابو قتادہ انصاری ہیں اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود کندی ہیں۔

مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ میں نے احزم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا: اس جماعت سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو لوٹ لیں۔ اتنا انتظار کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب آ جائیں۔ احزم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے سلمہ! اگر تم کو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اور تم کو یقین ہے کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ میں نے ان کے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔ احزم اور عبدالرحمٰن دونوں مقابل ہو گئے۔ احزم نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے نیزہ سے احزم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور عبدالرحمٰن نے احزم کا گھوڑا بدل لیا۔ اتنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے نیزہ مار کر عبدالرحمٰن کو

قتل کر دیا۔

میں پھر ان مشرکین کے پیچھے چلا۔ اس وقت تک مجھے اصحاب رسول اللہ ﷺ کا غبار تک نظر نہیں آتا تھا۔ یہ لوگ ایک گھاٹی پر پہنچے جہاں پانی تھا۔ اس کا نام ذو قرد تھا۔ وہ لوگ پیاسے تھے۔ چاہا کہ پانی پئیں لیکن ان لوگوں نے دیکھ لیا کہ میں ان کے پیچھے دوڑ رہا ہوں۔ میں نے ان کو وہاں سے ہٹا دیا اور وہ پانی کا ایک قطرہ نہ پی سکے۔ پھر وہ لوگ جا کر ایک گھاٹی میں ٹھہرے۔ میں نے ایک آدمی کو پایا۔ اس نے پوچھا: تم وہی صبح والے اکوع ہو۔ میں نے کہا: ہاں۔ وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ گئے۔ میں ان کو ہنکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ (ذو قرد کے) اس پانی پر تھے جہاں سے میں نے ان لوگوں کو ہٹایا تھا۔ آپ ﷺ نے ان تمام اونٹوں کو اور ان تمام چیزوں کو' جن کو مشرکین سے میں نے چھینا تھا' جمع کرا لیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی کلیجی اور کوہان بھون رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے اور سو آدمیوں کو منتخب فرما دیجئے۔ میں کفار کے تعاقب میں جاؤں گا اور سب کو قتل کر دوں گا۔ کوئی خبر دینے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: کیا واقعی تم ایسا کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس وقت غطفان کے مہمان ہیں۔

غطفان کا ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ فلاں شخص نے ایک اونٹ ان کفار کے لیے ذبح کیا ہے۔ جب وہ لوگ اس کی کھال کھینچنے لگے تو انہوں نے غبار دیکھا تو یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے کہ فوج آ گئی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے سواروں میں سب سے بہتر آج ابو قتادہ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیادہ اور سوار دونوں کا حصہ مجھے دیا۔ پھر مدینہ واپس ہوتے ہوئے مجھے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو (۲) خدا کی قسم ہم لوگ تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے کہ ہم لوگ خیبر کے لیے نکلے۔ (مسلم- باب غزوہ ذی قرد وغیرہا)

=======================

حوالہ جات

(۱) مغیرہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ، بنی مالک کے تیرہ آدمیوں کے ساتھ مقوقس بادشاہ اسکندریہ کے یہاں گئے تھے۔ مقوقس نے بمقابلہ مغیرہ کے، بنی مالک کے لوگوں کو عطایا اور ہدایا میں ترجیح دی اور خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ نوازش سے کام لیا۔ اس سے مغیرہ کے دل میں حسد پیدا ہوگیا۔ واپسی میں ایک رات بنی مالک کے لوگوں نے اس قدر شراب پی لی کہ مست ہو کر بے خبر ہوگئے۔ مغیرہ نے سب کو قتل کر دیا اور تمام مال و اسباب لے کر مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے فرمایا: اسلام لانا تمہارا صحیح ہے لیکن اس مال کی حقیقت غنیمت کی نہیں ہے، لہٰذا اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ جب یہ خبر مکہ پہنچی تو بنی مالک کے لوگ قصاص پر تل گئے۔ عروہ نے درمیان میں پڑ کر بڑی جدوجہد سے قصاص کے معاملہ کو دیت سے بدل دیا اور ایک بڑی خونریزی سے بچالیا۔۱۲۔

(۲) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: فواللہ ما لبثنا الا ثلث لیال حتی خرجنا الی خیبر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسلم شریف)

حدیبیہ کے بعد کے تاریخی تین دن

جن میں سلاطین کے نام دعوتی خطوط حضورؐ نے لکھے تھے

صلح حدیبیہ کے بعد یہی تین روزہ وہ تاریخی دن ہیں جن میں آپ ﷺ کو عالمی مشن کی عالمی دعوت کے فریضہ منصبی کو ادا کرنے کے لیے نبوت کی انیس سالہ زندگی میں "پہلا موقع" ملا۔ آپ ﷺ نے ایک دن ضائع کیے بغیر سلاطین عالم کے نام خطوط لکھے اور ۶ھ کے آخر ماہ ذی الحجہ میں بعثت عمومی کے فریضہ منصبی کو ادا کر کے آپ ﷺ خیبر تشریف لے گئے۔ "السیرۃ النبویہ" میں ہے:

وکان ارسال الکتاب بقیصر سنۃ ست من الھجرۃ بعد رجوعہ صلی اللہ علیہ وسلم من الحدیبیۃ وکا وصولہ فی المحرم سنۃ سبع۔

(السیرۃ النبویہ)

"قیصر کو مکتوب نبوی کا ارسال ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ سے واپسی کے بعد تھا اور قیصر کو مکتوب نبوی کی وصولی محرم ۷ھ میں ہوئی"۔

ان دعوتی خطوط میں ایک خط نجاشی بادشاہ حبش کے نام بھی تھا۔ آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ "ام حبیبہ" کو شادی کا پیغام دو اور میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ نجاشی نے حکم کی تعمیل کی۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز سے روانہ ہوئیں اور مدینہ منورہ کے بندرگاہ پر اتریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے۔

بہرحال عالمی دعوت کے لیے خطوط حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے مدینہ منورہ کے ان تین دنوں کے قیام میں لکھے گئے جبکہ غزوۂ غابہ سے آپ ﷺ واپس آکر مدینہ میں تین دن ٹھہر کر خیبر تشریف لے گئے۔ جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی روایت میں ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

غزوۂ غابہ کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ سے واپسی پر اور خیبر سے پہلے کا ہے۔ اس بات کی کھلی تصریح جس طرح "مسلم شریف" میں ہے، بخاری شریف میں بھی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے بھی حاشیہ میں اس کی طرف بحوالہ بخاری اور طبرانی اشارہ کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے لیکن طبری نے بروایت سلمہ، جو اس واقعہ کے ہیرو تھے اور نیز امام بخاریؒ نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے:

فعلے هذا فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد اصح ما ذکره اهل السیر۔

"تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے"۔

تاریخی واقعات کی روشنی میں انیس سالہ مکی اور مدنی زندگی کے تفصیلی جائزہ کے پیش کر دینے کے بعد اب ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ دعویٰ کریں کہ لاریب فیہ یہ تاریخی واقعات ہم کو یہی بتاتے ہیں کہ نبوت کی انیس سالہ زندگی میں آپ ﷺ کے لیے حدیبیہ سے پہلے اس کا موقع نہیں تھا کہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کے فریضہ کو انجام دیتے۔ صلح حدیبیہ سے اس کی راہ کھل گئی۔ صلح کی اس شرط سے کہ "قریش دس سال تک نہ خود جنگ کریں گے، نہ خفیہ طور پر چوری چھپے خیانت سے کام لیں گے یعنی کسی

دوسرے کو خفیہ مدد نہ دیں گے۔ تمام قبائل عرب کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں"۔ عرب کی پوری فضا ساکن ہوگئی۔ ایک طرف قریش اور ان کے تمام ہمنوا قبائل عرب کے لیے شامی تجارت کی راہ کھل گئی تو دوسری طرف مسلمانوں کی دعوت و تبلیغ کی راہ کھل گئی اور مخالفت کا چڑھتا ہوا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ کھلے بند لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے لگے اور محض آنے جانے نہیں لگے بلکہ کھلے دل سے ملنے جلنے لگے۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ مدینہ منورہ کے شمالی خطرہ پر اس کا بھرپور اثر پڑا یعنی خیبر، جو مدینہ منورہ کے شمال میں تھا اور جہاں بیس ہزار جنگجو بہادر رہتے تھے اور اس کا احتمال قوی تھا، بلکہ اس کے لیے سازش (۱) شروع ہوگئی تھی کہ یہودیوں اور مکہ کے قریشیوں میں نیا اتحاد ہو کر نئے طاقتور محاصرہ کا سروسامان کیا جائے، وہ ختم ہوگیا اور اس کا موقع پیدا ہوگیا کہ خطرہ کے اس مرکز کو مہینے بھر میں ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔

بہرحال اسلامی دعوت کے لیے صلح حدیبیہ سیاست کاری کا شاہکار ثابت ہوئی اور تمام غزوات و سرایا کا جو مقصد وحید تھا، وہ صلح حدیبیہ کی شکل میں پورا ہوگیا یعنی قریش نے معاہدہ کر لیا اور بظاہر معاہدہ کی ساتویں شرط، جس کو کفار قریش اپنی فتح سمجھتے تھے اور مسلمان اس سے دل شکستہ تھے، وہ کفار کے لیے مصیبت بن گئی اور مجبور ہو کر اس سے دست بردار ہونا پڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کرنی پڑی کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آئے۔ اب جو مسلمان چاہے، مدینہ جا کر قیام کر سکتا ہے۔ ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔

اب اس کے بعد ہم عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے سرکار رسالت سے جو خطوط لکھے گئے، اس پر بحث کریں گے۔ مگر اس سے پہلے ہم غزوۂ خیبر اور فتح مکہ کا اختصار کے ساتھ اس لیے ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ غزوۂ خیبر صلح حدیبیہ کا تتمہ ہے اور فتح مکہ صلح حدیبیہ کا شاخسانہ ہے۔ کما ستعلم۔

غزوۂ خیبر: غزوۂ خندق کے بعد گرچہ آپ ﷺ کو اس کا اطمینان ہوگیا تھا کہ قریش جنگوں سے اس قدر خستہ اور کمزور ہوگئے ہیں کہ اب ان میں مدینہ پر حملہ کرنے کی تاب و طاقت نہیں رہی، لیکن آپ ﷺ کا جو اصل مقصد تھا کہ "عالمی دعوت" کی

آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک تبلیغ ہو، اس کے لیے وہ ہنوز سنگ راہ اور خطرہ بنے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کے سامنے غزوۂ خندق کے بعد دو خطرے اور دو رکاوٹیں تھیں۔ ایک شمالی اور ایک جنوبی شمال میں خیبر کے یہود تھے اور جنوب میں مکہ کے قریش تھے۔ عالمی دعوت کی عمومی تبلیغ کے لیے ان دونوں رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری تھا۔

پہلے آپ ﷺ نے قریش کی طرف اس خیال سے توجہ کی کہ آپ ﷺ نے اندازہ فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرنے سے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور حاصل ہو جائے گی۔ یا تو صلح (۲) ہو جائے گی یا جنگ کی نوبت آئے گی۔ صلح ہو جائے گی تو بلا خرخشہ عالمی دعوت کے لیے جنوبی رکاوٹ ختم ہو جائے گی اور اگر جنگ ہو جائے گی تو مکہ فتح ہو جائے گا کیونکہ قریش میں مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور یہ معلوم تھا کہ یہود ایسے نہیں ہیں کہ خیبر کے قلعہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئیں گے اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے۔ آپ ﷺ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا اور نتیجہ حسب دل خواہ نکلا اور قریش سے صلح ہو گئی اور اس طور پر "عالمی دعوت" کی راہ سے جنوبی رکاوٹ اور خطرہ سے اطمینان ہو گیا۔

اس کے بعد اب ضروری تھا کہ عالمی دعوت کی راہ سے شمالی خطرہ اور رکاوٹ کو دور کیا جائے، کیونکہ بغیر اس کے حجاز میں عالمی دعوت کی آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک باطمینان تبلیغ ناممکن تھی، اس لیے عالمی دعوت کی عمومی تبلیغ کے مقصد کے لحاظ سے غزوۂ خیبر در حقیقت صلح حدیبیہ کا تتمہ اور تکملہ تھا۔

غزوۂ غابہ سے واپس آ کر کل تین دن مدینہ منورہ میں عالمی دعوت کے لیے قیام کر کے آپ ﷺ فوراً اس لیے خیبر تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ کو ان کی سازش کی اطلاع مل چکی تھی اور اس کا تقاضا تھا کہ بلا تاخیر ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی سازش کو ناکام بنا دیا جائے اور سنگین صورت حال اختیار کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

علامہ شبلیؒ نے "تاریخ خمیس" اور "معجم البلدان" کے حوالہ سے لکھا ہے۔

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے رہتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی، ادھر منافقین ان کو ابھارتے تھے۔ اسی زمانہ میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن تم ان سے نہ ڈرنا۔ ان کی ہستی کیا ہے۔ مٹھی بھر آدمی ہیں، جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ یہود نے یہ سن کر کنانہ اور ہودہ بن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے۔ غطفان نے اس کو منظور کر لیا۔

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود خیبر آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے بنو فزارہ کو کہلا بھیجا کہ "تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ۔ جب خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا لیکن بنو فزارہ نے انکار کر دیا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۴۳۹، ج ۱)

ان حالات میں آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ جلد سے جلد ان کی طرف توجہ کی جائے اور شمالی خطرہ پر قابو پا لیا جائے۔ مدینہ منورہ میں سباع بن عرفہ غفاری کو امیر بنا کر آپ ﷺ خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ خیبر میں اس وقت بیس ہزار جنگجو سپاہی تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ کل چودہ سو پیدل اور دو سو سوار تھے۔ یہود اپنی جنگی طاقت اور تعداد کی بنا پر بالکل مطمئن تھے۔ ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان ہم سے جنگ کا خیال بھی دل میں لائیں گے۔

جب آپ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی بن سلول، جو راس المنافقین تھا، اس نے یہود کو اطلاع دے دی کہ:

"مسلمان تم پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ تم اپنی احتیاطی تدابیر اختیار کر لو اور مال و متاع کو محفوظ کر لو۔ ان سے خوب جنگ کرو۔ کسی طرح کا خوف ان سے نہ کرو۔ یہ بہت تھوڑے آدمی ہیں اور بالکل بے سرو سامان ہیں۔ نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں، نہ کھانے کے لیے رسد ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام رجیع میں پہنچے، جو غطفان اور خیبر کے بیچ

میں ہے، تو آپ ﷺ نے وہاں کچھ فوج اتار دی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ غطفان اور اہل خیبر میں سازش ہو چکی ہے۔ باقی فوج آگے بڑھی۔ غطفان کو جب اس کی خبر ہوئی کہ مسلمانوں کی فوج خیبر کی طرف بڑھ رہی ہے تو وہ لوگ یہود کی مدد کے لیے ہتھیاروں سے لیس ہو کر خیبر چلے۔ لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ خود خطرہ میں ہیں اور مسلمانوں کی فوج رجیع میں ٹھہری ہوئی ہے تو اپنی حفاظت کے لیے واپس آگئے اور یہود خیبر کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

بخاری شریف میں ہے کہ عصر کے وقت آپ ﷺ "صہبا" پہنچے تو عصر کی نماز پڑھی، پھر کھانا طلب فرمایا۔ کھانے کے لیے "ستو" کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ستو گھولنے کا حکم دیا۔ ستو گھولا گیا۔ آپ ﷺ نے بھی پیا اور تمام صحابہ کرام نے بھی پیا۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت آگیا تو سب لوگوں نے کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ کسی نے وضو نہیں کیا۔ وہاں سے چل کر حضرت انسؓ کی بخاری ہی میں روایت ہے کہ ہم لوگ رات کو خیبر پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کسی قوم پر رات کو پہنچتے تھے تو رات کو حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صبح کا انتظار کرتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو غلس (اندھیرے) میں خیبر کے قریب نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر خیبر پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے اور زبان رسالت پر "اللہ اکبر" کے ساتھ یہ کلمات بھی آگئے۔ "خیبر برباد ہو گیا"۔ پھر یہ آیت پڑھی:

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔

(صٰفّٰت۔ ع ۵، پ ۲۳)

"جب کسی قوم کے میدان میں پہنچتے ہیں تو جو قوم ڈرائی جاتی ہے ان کی صبح خراب ہوتی ہے"۔

طبقات میں خیبر کے متعلق لکھا ہے کہ وہاں ساز و سامان سے بھرے بھرے متعدد قلعے تھے، جن میں ایک النطاہ تھا۔ ایک قلعہ الصعب بن معاذ، ایک قلعہ ناعم اور ایک قلعہ الزبیر تھا۔ ایک حصہ اور تھا جن میں قلعے تھے۔ ان میں سے ایک قلعہ ابی، ایک قلعہ النزار تھا۔ اس کے علاوہ لشکروں کے قلعے القموص، الوطیح اور سالم تھے۔ یہ ابوالحقیق کے بیٹوں کے قلعے تھے۔

مسلم شریف میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی روایت ہے کہ ہم خیبر کے لیے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ رات کو جب ہم لوگ چل رہے تھے تو عامر بن اکوعؓ، جو شاعر اور خوش آواز تھے، کسی نے کہا کہ تم اشعار نہیں سناتے تو حضرت عامرؓ اپنی سواری سے اتر پڑے اور حسب ذیل اشعار سے لوگوں کے قلوب کو گرما دیا اور اونٹ مست ہو کر چلنے لگے۔

اللھم لو لا انت ماھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فدالک ما اتقینا وثبت الاقدام ان لاقینا

والقین سکینته علینا انا اذا اصبح بنا اتینا

وبالصیاح عولوا علینا

(ترجمہ) "اے میرے اللہ! تیری توفیق میرے شامل حال نہ ہوتی تو ہم نہ خیرات کرتے، نہ نماز پڑھتے۔ تیری راہ میں ہماری جانیں نثار ہوں۔ میرے گناہوں کو بخش دے۔ مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ کہ ہم تقویٰ اختیار کریں۔ ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما۔ بلاریب جب جنگ ہمارے سامنے آ جاتی ہے تو ہم استقبال کرتے ہیں اور بلند آوازی سے لوگ ہم پر اعتماد کرتے ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ "عامر" ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ ان پر رحمت کی بارش فرمائے"۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ ان کی مغفرت فرمائے"۔ ادا شناس سن کر تڑپ اٹھے اور کہا اب ان کی شہادت یقینی ہے، اس لیے کہ تعیین کے ساتھ جب کسی کے لیے یہ لفظ آپ ﷺ استعمال فرماتے تھے تو وہ ضرور شہید ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ نے سن کر کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عامر سے ہم کو اور فائدہ اٹھانے دیا جاتا"۔

صحابہ جوش و خروش سے خیبر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب ایک وادی سے گزرنے لگے تو بے خودی میں نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ" بلند آواز سے کہنے لگے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذرا آہستہ، تم کسی بہرے اور غائب شخص کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ تو تمہارے پاس ہی ہے اور بہت سننے والا ہے، بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

طبقات میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ رات کو خیبر پہنچے۔ جب صبح ہوئی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو آپ ﷺ سوار ہوگئے اور صحابہ بھی ساتھ ہوگئے۔ اہل خیبر حسب معمول اپنی زراعت پر جانے کے لیے پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر نکلے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے شہر میں بھاگے: محمد واللہ محمد۔ اور بھاری فوج۔

سلام بن مشکم نضری، جو رئیس خیبر تھا، جب اس کو اسلامی فوج کی اطلاع ملی تو چونکہ وہ پہلے ہی سے آمادۂ جنگ تھا اور سازش میں مصروف تھا، جنگ و پیکار کے لیے لوگوں کو ترغیب دی۔ مستورات اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں پہنچا دیا اور رسد، جس کا پہلے ہی سے ذخیرہ ہو چکا تھا، قلعہ ناعم اور قلعہ صعب میں لا کر جمع کیا اور فوجوں کو قلعہ نطاۃ و قوص میں اکٹھا کیا اور خود بھی باوجود سخت بیمار ہونے کے قلعہ نطاۃ میں آگیا اور اپنی بے پناہ فوجی طاقت کے زعم میں صلح و آشتی کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں گیا۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا اندازہ ہوگیا کہ یہ لوگ بہرحال جنگ ہی کریں گے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی۔ (تاریخ خمیس)

تمام قلعوں میں چونکہ ناعم اور قوص سب سے زیادہ مضبوط تھے، پہلے ناعم پر حملہ کیا گیا اور محمود بن مسلمہؓ نے بڑی بہادری سے بہت دیر تک جنگ کی۔ چونکہ سخت گرمی تھی، تھک کر قلعہ کی دیوار کے سایہ میں دم لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ کنانہ بن ربیع نے دیکھ لیا۔ قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا، جس کی چوٹ سے وہ جانبر نہ ہو سکے لیکن قلعہ فتح ہوگیا۔ پھر چند چھوٹے قلعے باآسانی فتح ہوگئے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا مضبوط قلعہ قوص تھا جو مرحب کا پایہ تخت تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان تھا جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اور اسی کی فتح پر خیبر کی فتح کا دارومدار تھا۔ اسلامی فوج کی پوری توجہ اس کی طرف مرکوز ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین اور انصار کے ذمہ دار لوگوں میں سے کسی ایک کا انتخاب فرماتے اور جھنڈا اس کو مرحمت فرماتے اور قوص پر حملہ کے لیے روزانہ بھیجتے۔ محاصرہ کی مدت طویل ہوتی رہی مگر قلعہ قوص کی فتح کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی اپنی اپنی باری میں ناکام رہے۔ جب اس کی فتح میں زیادہ دیر ہوئی تو بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ ایک دن

شام کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ خدا فتح دے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اسے دوست رکھتا ہے۔ اس کہنے کے بعد صحابہ کرام کی تمام رات بے قراری میں گزری کہ دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص کے دل میں یہ امید کروٹ لے رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کا جھنڈا مجھ کو عطا فرمادیں۔ یک بیک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "علی کہاں ہیں؟" عرض کی گئی کہ ان کی آنکھیں دکھ آئی ہیں یعنی اس وقت وہ جنگی خدمت کے لائق نہیں ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ان کے پاس آدمی بھیجو۔ حسب ارشاد وہ لائے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں لعب دہن کی نوازش فرمائی اور دعا فرمائی۔ آنکھیں فوراً چنگی ہوگئیں۔ گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "علی! عجلت سے کام نہ لو۔ باطمینان جب ان کے میدان قتال میں پہنچو تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر واجب الادا ہیں، انہیں بتاؤ۔ خدا کی قسم اگر ایک آدمی بھی تمہاری وجہ سے ہدایت یاب ہو جائے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہوگا"۔

طبقات میں ہے کہ مرحب (قلعہ سے) تلوار گھماتا یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

ولقد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب

اذ الحرب اقبلت یلهب

(ترجمہ) "خیبر کو معلوم ہے کہ میں "مرحب" ہوں۔ جو تجربہ کار ہے، دلیر ہے، ہتھیار بند ہے۔ جب جنگ سامنے آتی ہے تو بھڑک اٹھتا ہے"۔

حضرت علیؓ نے یہ سن کر اس کے جواب میں یہ رجز پڑھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرة　　کلیث غابات کریه المنظرة

اکیلهم بالصاع کیل السندرة

(ترجمہ) "میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔ جنگلوں کے شیر کی طرح میں ہیبت ناک اور خوفناک ہوں۔ ان کو میں سندرہ (۳) کے

پیانہ سے ناپتا ہوں"۔

اور سبقت کر کے مرحب کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں بیس دن کے محاصرہ کے بعد قلعہ قموص فتح ہوگیا۔ اس کے بعد اور قلعے بھی فتح ہوئے۔

طبقات میں ہے کہ خیبر کے معرکہ میں ۹۳ یہود مارے گئے، جن میں ان کے ذمہ دار لوگوں میں الحارث ابو زینب، مرحب، اسیر، یاسر اور عامر بن کنانہ اور اس کے بھائی ہیں۔ صحابہ کرام میں سے پندرہ نفوس شہید ہوئے۔ (ابن سعد میں ان کے نام مذکور ہیں) ان کے علاوہ عامر بن اکوعؓ اپنی چوک (۴) سے اور بشر بن البسراء بن معرورؓ زہریلی بکری کے گوشت سے رحلت کر گئے۔

اس طرح کل سترہ آدمی کام آئے اور مدینہ منورہ کا شمالی خطرہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کی راہ سے مٹ گیا۔

مسلمانوں کی یہ کامیابی بالکل اعجازی رنگ میں تھی۔ اس لیے کہ مقابلہ سخت قسم کے یہود سے تھا، جو اپنی جگہ پر مضبوط قلعوں میں محفوظ تھے، جن کے پاس ہر طرح کا ساز و سامان اور ہر قسم کے ہتھیار تھے۔ پھر کافی سے زیادہ سامان رسد تھا اور بیس ہزار فوج جنگجو اور بہادر لوگوں کی تھی، بخلاف اس کے مسلمان بھوکے اور گھر سے سات منزل دور تھے۔ کھلے میدانوں میں بے سر و سامان تھے، جن کے پاس کافی ہتھیار بھی نہیں تھے۔ ان کی تعداد پندرہ سولہ سو تھی۔

بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی روایت ہے کہ جب ہم لوگوں نے خیبر پہنچ کر ان لوگوں کا محاصرہ کیا تو سخت قسم کی بھوک میں مبتلا ہوئے۔ جس دن خیبر کی فتح ہوئی، شام کو پورے میدان جنگ میں لوگوں نے ہر طرف آگ جلا رکھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "کیا پکانے کے لیے آگ جلائی گئی ہے؟" لوگوں نے عرض کی "گوشت پکانے کے لیے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کس چیز کا گوشت ہے؟" لوگوں نے کہا "گھریلو گدھے کا"۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان سب کو پھینک دو"۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ "اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم لوگوں کو گدھے کے گوشت سے منع کرتے ہیں۔ یہ گوشت نجس ہے"۔

طبقات میں ابو سلیط بدری کی روایت ہے کہ خیبر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے گدھے کے گوشت کی ممانعت ہوئی تو ہم لوگوں نے باوجود اس کے کہ بھوکے تھے، ہانڈیاں الٹ دیں۔ پھر دوسری روایت میں ہے کہ گھریلو گدھے، خچر، درندے اور پنجے سے پھاڑ کھانے والے چرندوں کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ مردار پرندے اور لوٹ کھسوٹ کے مال کو بھی حرام قرار دیا۔

طبقات میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ہی میں تھے کہ قبیلہ دوس کے لوگ آئے، جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ طفیل بن عمروؓ آئے اور اشعری لوگ بھی آئے۔ جعفرؓ بن ابی طالب اور السفینتین والے نجاشی کے پاس سے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے ان دو باتوں میں سے کس سے زیادہ خوشی ہوئی۔ جعفر کے آنے سے یا خیبر کی فتح سے"۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ خیبر سے واپسی پر آپ ﷺ کے ساتھ ہم وادی القریٰ پہنچے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک غلام تھا جس کا نام "مدعم" تھا۔ بنو ضباب کے ایک شخص نے آپ ﷺ کو ہدیہ دیا تھا۔ وہ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک ایک تیر آیا، جس سے اس کی موت ہو گئی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی سازش میں شریک تھے اور پہلے ہی سے حملہ کے لیے تیار تھے۔

بیہقی کی روایت ہے کہ یہود ہمارے مقابلہ میں تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم تیار نہ تھے۔

بہرحال ان لوگوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور ان سے مصالحت ہو گئی۔

====================

حوالہ جات

(۱) شمس الائمہ سرخسیؒ نے "شرح السیر الکبیر" میں لکھا ہے:

کان بین اهل مکته واهل خیبرعن المواخاه علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا توجه الی احد الفریقین اغار الفریق الاخر علی المدینة۔

(ص۲۰۱، ج۱)

"مکہ والوں اور خیبر والوں میں اس بات پر دوستانہ معاہدہ عمل میں آیا کہ ان دونوں میں سے جب کسی ایک فریق کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقدام کریں تو دوسرا فریق مدینہ پر حملہ کردے"۔

(۲) آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ قریش سے صلح ہو جائے۔ مصلحتوں اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا، اس لیے کہ مسلمان مہاجرین اس وقت تک سب کے سب مکی ہی تھے اور اہل مکہ ان کے رشتہ دار تھے۔ کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ قرار دیا جا چکا تھا اور حج و عمرہ کی ادائیگی کا مدار مکہ مکرمہ پر تھا کیونکہ مسجد حرام، بیت اللہ، مسعیٰ، عرفات، منیٰ، مزدلفہ، جمرہ --- ایک ایک کر کے سب یہیں تھے۔ پھر قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے۔ ان کی صلاحیتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں اور تسلیم شدہ تھیں۔ ان کا احترام بھی پورا عرب کرتا تھا۔ ان میں سیادت و قیادت کا کردار پایا جاتا تھا۔ ان میں آن تھی۔ بات کا پاس تھا۔ یہ دھن کے پکے تھے۔ قومی اور اجتماعی مفاد کے حصول کی راہ میں تن، من، دھن سے لگ جاتے تھے۔ طبیعت مہمات پسند تھی۔ ادبی ذوق بھی سارے عرب سے ان کا اونچا تھا۔ انتظامی صلاحیت، جو ایک مملکت کو پروان چڑھانے کے لیے چاہیے، وہ ان میں عام عرب سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ عملاً وفاقی طرز مملکت ایک گونہ ان کے ہاں قائم تھا اور وہ اس کو ذمہ داری کے ساتھ بہ حسن و خوبی انجام دے رہے تھے۔

آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ قریش سے صلح ہو جائے۔ یہ میں نے اس لیے لکھا کہ باوجود حالت جنگ کے خاموش دل دہی آپ کی جانب سے ان کے ساتھ وابستہ تھی اور باوجود محارب ہونے کے آپ ان کی تالیف قلوب کرتے تھے اور ان سب کا مقصد یہ تھا کہ نفسیاتی طور پر ان پر اثر پڑے اور قبول اسلام کے لیے ان کے دل میں راہ پیدا ہو

تاکہ کم سے کم مصالحت پر آمادہ ہو جائیں اور مصالحت ان کے اسلام کا باعث بن جائے۔

چنانچہ جب مکہ میں قحط پڑا جیسا کہ بدر موعد میں نہ پہنچنے کے لیے ابوسفیان نے اسی قحط کو بہانہ بنایا تھا تو ایسے وقت میں آپ نے ان کی استمالت اور تالیف قلب کے لیے حسب ذیل سلوک کیے تھے:

۱- مکہ والوں کی رسد کا ایک مرکز یمامہ تھا۔ حضرت ثمامہ بن اثالؓ نے وہاں سے درآمد بند کر دی تھی، جس سے اہل مکہ چیخ اٹھے تھے تو آپ نے ثمامہ بن اثالؓ کو خط لکھ کر یہ بندش اٹھوا دی تھی۔ (سیرت ابن ہشام۔ ص ۹۲، ج ۳)

۲- مکہ کے غربا اور قحط زدہ لوگوں کے لیے پانچ سو اشرفیاں آپ نے بھیجی تھیں۔

۳- ابوسفیان، جو قریش کا کمانڈر تھا اور غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے استیصال کا منصوبہ لے کر آیا تھا، اس کے لیے ہدیتاً مدینہ منورہ سے کھجوریں بھیجی تھیں اور آپ نے اس سے کھال طلب فرمائی تھی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اهدی الی ابی سفیان رضی الله عنه تمرة عجوة حین کان بمکة حربیا واستهداه ادما وبعث بخمس مائة دینار الی اهل مکه حین قحطوا لتفرق بین المحتاجین منهم۔

(ص ۹۲، ج ۱۰)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو اس وقت جبکہ وہ مکہ میں محارب کی حیثیت سے تھے، ہدیتاً عجوہ کھجور بھیجی تھیں اور ان سے چمڑا طلب فرمایا تھا اور جب مکہ والے قحط میں مبتلا تھے تو اہل مکہ کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیجی تھیں کہ ان کے محتاج لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں"۔

خیبر والوں کی طرف صلح کا میلان شاید اس لیے آپ کا نہ ہوا کہ ایک تو وحی الٰہی کا فیصلہ عموماً یہود و نصاریٰ کے حق میں یہ ہے کہ

لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ (بقرہ۔ ع ۱۴، پ ۱)

"جب تک آپ ان کے دین کے پیرو نہ ہو جائیں گے، یہود و نصاریٰ آپ سے رضامند نہیں ہوں گے"۔

دوسرے یہ کہ خیبر والوں کے حلیف۔ فزارہ اور غطفان کے لوگ تھے، جو بعض لوٹ مار کے شائق تھے اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ خود خیبر کے یہود اس لیے قابل اعتناء نہ تھے کہ تمدنی اور نسلی وجوہ کی بنا پر وہ عربوں سے الگ تھے اور باعتبار مزاج اور خو کے وہ بہت بعد رکھتے تھے۔ پھر اس وقت وہاں بنونضیر کے لوگ موثر حیثیت رکھتے تھے اور ان کو اپنی جلاوطنی اور جائیداد کے لٹنے کا داغ تھا جو جائیداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ لوگ غلط سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتے تھے اور اس کی وجہ سے وہ اس حال میں تھے کہ ان کی باتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے اتمام حجت کے لیے آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو مصالحت کا پیغام دے کر بھیجا تھا مگر بے سود ثابت ہوا۔

(۳) "السندرہ" وہ لکڑی جس سے کمان بنتی ہے۔ ۱۲۔

(۴) "طبقات" میں ہے کہ عامر بن اکوعؓ اور مرحب میں جب مقابلہ ہوا اور جانبین سے تلواریں چلنے لگیں تو مرحب کی تلوار عامرؓ کی ڈھال پر جا پڑی۔ عامرؓ اس کے نیچے ہوگئے تو وہ تلوار ان کی پنڈلی پر پلٹ پڑی اور اس نے ان کی رگ کاٹ دی۔ اور یہی ان کی موت کا باعث ہوئی۔ ۱۲۔

صلح حدیبیہ کا شاخسانہ
اور
غزوۂ فتح مکہ

یہ پہلے گزر چکا کہ صلح حدیبیہ میں خزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہوگئے تھے اور بنو بکر قریش کے عہد میں شامل ہوگئے تھے۔ خزاعہ اور بنوبکر میں مدتوں سے لڑائیاں چلی آرہی تھیں اور ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

طبقات میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بیسویں مہینے شعبان ۸ھ میں بنو نفاثہ، جو بنوبکر سے تھے، اشراف قریش سے آکر اس بات پر سازش کی کہ بنو خزاعہ کے مقابلہ میں آدمیوں اور ہتھیاروں سے ان کی مدد کریں۔ قریش نے معاہدہ کے خلاف ان سے وعدہ کرلیا اور "الوتیر" میں چھپ کر بھیس بدلے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص بن الاخیف، ایسے ذمہ دار اس جماعت میں شریک تھے۔ ان لوگوں نے رات کو بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ وہ لوگ چونکہ بے خبر اور مطمئن تھے، غفلت میں ان کے بیس آدمی مار ڈالے گئے۔

علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ بنوبکر رک گئے

کہ حرم کا احترام ضروری ہے۔ لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا: یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

طبقات میں ہے کہ قریش کو اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ اس مدت اور عہد کا نقض ہے جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔ عمرو بن سالم الخزاعی چالیس خزاعی سواروں کے ہمراہ روانہ ہوا اور یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی:

لاهم انی ناشد محمدا — حلف ابینا وابیه الا تلدا

فانصر رسول الله نصر اعتدا — وادع عباد الله یاتوا مددا

"کچھ غم نہیں۔ میں محمد (ﷺ) کو معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔ اے پیغمبر خدا ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلا۔ سب مدد کے لیے حاضر ہوں گے"۔

(۱) مقتولین کا خون بہا دیا جائے۔

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرط بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے' لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۴۶۸' ج ۱)

طبقات میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے مدینہ آکر آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ عہد کی تجدید اور مدت میں اضافہ کر دیں۔ مگر آپ ﷺ نے اس سے انکار کیا۔ ابوسفیان نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے لوگوں کے سامنے اجازت حاصل کر لی۔ پھر وہ مکہ چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اطراف کے عربوں کو' یعنی اتحادی قبائل کو

بلا بھیجا۔ ان کے بڑے قبیلے اسلم' غفار' مزینہ' جہینہ' اشجع اور سلیم تھے۔ بعض آپ ﷺ سے مدینہ میں ملے اور بعض راستے میں۔ مسلمان غزوۂ فتح میں دس ہزار ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن مکتومؓ کو امیر بنایا اور ۱۰/ رمضان ۸ھ یوم چہار شنبہ کو بعد عصر روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ "الصلصل" پہنچے تو حضرت زبیر بن عوامؓ کو دو سو مسلمانوں کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔ عشاء کے وقت مرالظہران پہنچے اور وہیں اتر پڑے۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دس ہزار جگہ آگ روشن کی۔ قریش کو جب آپ ﷺ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس اندیشہ سے کہ آپ ﷺ ان سے جنگ کریں گے' غمگین ہو گئے۔ ابوسفیان کو بھیجا کہ حالات کی تحقیقات کر لیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملو تو ہمارے لیے ان سے امان لے لینا۔ ابوسفیان' حکیم بن حزام' بدیل بن ورقاء روانہ ہوئے۔ جب اسلامی لشکر کو دیکھا اور دس ہزار جگہ آگ روشن دیکھی تو سخت پریشان ہو گئے۔ ابوسفیان کی زبان سے نکل گیا "کانا نیران عرفه" یہ تو بالکل میدان عرفات کی آگ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو پہرے پر حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ابوسفیان کی آواز سنی تو پکار کر پوچھا: "ابو حنظلہ ہو؟" ابوسفیان نے کہا "لبیک" حاضر ہوں۔ پھر ابوسفیان نے پوچھا "اے عباس! یہ تمہارے پیچھے کیا ہے؟" حضرت عباسؓ نے کہا کہ "تیری ماں تجھ کو روئے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار اسلامی فوج ہے۔ تو اسلام لے آ"۔

حضرت عباسؓ نے تینوں کو پناہ دی اور اپنے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں لے کر آئے اور تینوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو یہ عزت بخشی کہ آپ ﷺ کی طرف سے مکہ والوں کو یہ امان ملا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا' اسے امان ہو گی اور جو شخص اپنے دروازہ کو بند کر لے گا' اس کو بھی امان ہو گی۔ یہ تفصیل ابن سعد کی ہے۔ بخاری شریف میں صرف اتنا ہے:

فراهم ناس من حرس رسول الله صلے الله علیه وسلم۔ فادرکوهم فاخذهم فاتوا بهم رسول الله

صلے اللہ علیہ وسلم فاسلم ابو سفیان۔ (باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح)

"حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو لوگ پہرے پر تھے' انہوں نے ان لوگوں کو دیکھ لیا اور ان لوگوں کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تو ابو سفیان اسلام لے آئے"۔

نیز بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو اسلامی فوج کی گزرگاہ پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ وہ اسلامی فوج کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اب قبائل کے دستے ایک ایک کر کے ابو سفیان کے پاس سے گزرنے لگے۔ ایک دستہ سامنے آیا تو ابو سفیان نے پوچھا "یہ کون سا دستہ ہے"۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا "یہ قبیلہ غفار کا دستہ ہے"۔ ابو سفیان نے کہا "مجھ کو غفار سے کوئی مطلب نہیں"۔ پھر جہینہ کا دستہ گزرا۔ پھر سعد بن ہذیم کا دستہ گزرا۔ پھر سلیم کا دستہ گزرا۔ وہ ہر ایک کے متعلق اسی طرح کی باتیں کرتا رہا' یہاں تک کہ ان سب سے بڑا دستہ سامنے آیا تو ابو سفیان نے پوچھا "یہ کون سا دستہ ہے؟" حضرت عباسؓ نے بتایا "یہ انصار کا دستہ ہے۔ اس کے امیر سعد بن عبادہؓ ہیں اور انہی کے ہاتھ میں جھنڈا ہے"۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ابو سفیان کو دیکھا تو بے اختیار ان کی زبان پر آ گیا:

یا ابا سفیان الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ۔

"ابو سفیان! آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا"۔

آخر میں ایک چھوٹا سا دستہ آیا' جس میں ذات رسالت بھی تھی۔ اس کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھا۔ جب آپ ﷺ ابو سفیان کے برابر پہنچے تو ابو سفیان نے کہا "آپ ﷺ کو اطلاع ہے سعد کیا کہتے ہوئے گئے؟ سعد نے ایسا ایسا کہا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "سعد نے غلط کہا۔ آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو بلند کر دے گا اور آج کے دن کعبہ کو نیا لباس پہنایا جائے گا"۔ (یعنی توحید کا اعلان کیا جائے گا اور اصنام سے کعبہ کو پاک و صاف کیا جائے گا)۔ پھر حکم ہوا کہ علم کو حجون پر نصب کیا جائے اور خالد اپنی فوج کے ساتھ بالائی حصہ سے آئیں۔ (بخاری۔ باب این رکز النبی ﷺ الخ)

طبقات میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حجون میں چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا اور حضرت زبیر بن عوامؓ نے علم نبوی ﷺ کو خیمہ کے پاس گاڑ دیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور خیمہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ حضرت اپنے مکان میں کیوں نہیں تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے۔

حضرت خالدؓ جب الخندمہ پہنچے تو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل ملے۔ ان لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اندر آنے سے روکا۔ ہتھیار نکال لیے اور تیر اندازی کی۔ آخر معمولی سی جھڑپ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چوبیس آدمی قریش کے اور چار آدمی ہذیل کے قتل ہوئے۔ جو بچے وہ بری طرح بھاگے۔ مسلمانوں میں سے دو آدمی شہید ہوئے جو راستہ بھول گئے تھے۔ ایک کرز بن جابر الفہری' دوسرے خالد الاشعر الخزاعی۔

بخاری شریف میں صرف اتنا ہے کہ حضرت خالدؓ کی فوج کے دو آدمی مارے گئے۔ جیش بن الاشعر اور کرز بن جابر۔ (جیش خالدؓ کا لقب تھا) قسطلانی میں ہے کہ کفار کے کل تیرہ آدمی مارے گئے' باقی لوگ بھاگ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تلواروں کی چمک دمک دیکھی تو حضرت خالدؓ سے بازپرس کی کہ کیا میں نے تم کو قتال سے منع نہیں کیا تھا۔ مگر جب آپ ﷺ کے علم میں لایا گیا کہ ابتداء مخالفین سے ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر اس لیے جانا پسند نہیں کیا کہ اس میں بت تھے' جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کعبہ کو ان سے پاک کیا جائے' چنانچہ نکال دیے گئے۔ اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بھی بت تھے۔ ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی لعنت ہو مشرکین پر' یہ خوب جانتے تھے کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی بھی فال کے تیر سے کام نہیں لیا"۔ (باب این رکز النبی ﷺ الخ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے دن آپ ﷺ مکہ

میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' اس سے آپ ﷺ ہر ایک بت کو ٹھوکر لگاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔
(بنی اسرائیل۔ ع ۹' پ ۱۵)

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاریب باطل کو مٹنا ہی تھا"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد حرام تشریف لائے تو عثمان بن طلحہؓ کو' جو کلید بردار تھے' حکم دیا کہ وہ کنجی لائیں۔ تو کھلنے پر بیت اللہ میں آپ ﷺ اور حضرت اسامہؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ داخل ہوئے اور دیر تک ٹھہرے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے تو لوگ بیت اللہ کے اندر جانے کے لیے دوڑ پڑے۔ بیت اللہ میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ داخل ہوئے۔ (باب دخول النبی ﷺ - من اعلیٰ مکہ) طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مکہ میں ندا دی کہ جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو' وہ اپنے گھر میں کوئی بت بغیر توڑے نہ چھوڑے۔

فتح کا جب دوسرا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے بعد خطاب فرمایا اور خطبہ دیا۔ اس کا حاصل حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ تھا:

"خطبہ خواند در غایت فصاحت و بلاغت۔ و رسوم و عادات جاهلیت را بر انداز۔ و احکام قصاص و دیات کہ اهل جاهلیت در آن افراط و تفریط می کردند بیان فرمود۔ واز فخر بآباء و تکبر و تعظیم ایشاں کہ از اشد واقبح عادت جاهلیت ست۔ و در جاهلیت غالب بود' نهی فرمود۔ و فرمود کہ مردماں فرزندان آدمؑ اند۔ و آدمؑ از خاک ست۔ و هیچ یکے را بر دیگرے فضل و زیادتی نیست مگر بتقوی و ایں آیت را بخواند "يَآ يها النَّاسُ اِنا خَلَقْنَا كُمْ مِّنْ ذَكَرٍ واُنْثٰى وَجَعَلْنا كم شُعُوبًا

وقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِن اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاكُمْ۔ اِن اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ"۔ (مدارج النبوۃ)

(ترجمہ) "آپ ﷺ نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ دیا اور جاہلیت کے رسوم اور عادات کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔ اور قصاص و دیت کے وہ احکام جن میں اہل جاہلیت افراط و تفریط کرتے تھے' بیان فرمایا اور خاندانی فخر و تکبر اور نسلی عظمت جو جاہلیت کی انتہائی قبیح عادت تھی اور جاہلیت میں یہ عادت ان پر غالب تھی' اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام (کی خلقت) مٹی سے ہے۔ کسی شخص کو دوسرے شخص پر کوئی فضیلت اور کسی طرح کی زیادتی نہیں ہے مگر تقویٰ یعنی پرہیزگاری کے سبب سے۔ اور دلیل میں یہ آیت پڑھی:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ و اُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا و قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِن اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ اِن اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (حجرات۔ ع ۲' پ ۲۶)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور تمہارے کنبے قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں بڑا معزز وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے"۔

اب خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ تمام مجرمین و خاطئین موجود ہیں' جو تیرہ برس کی مکی زندگی میں اور چھ سال کی مدنی زندگی میں "عالمی مشن کی عالمی دعوت" کو مٹانے کے لیے اور مسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ اور اسلام کے استیصال کے لیے ہر وہ ناکردنی کر گزرتے تھے جو مکی اور مدنی زندگی میں ہم بتا چکے ہیں۔ یعنی ان میں

☆ وہ مجرمین بھی تھے۔۔۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو حرم میں نماز پڑھنے سے روکا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے۔۔۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اونٹ کا اوجھ لا کر ڈال دیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈلوادی تھی، جس کے بل دینے سے آپ ﷺ کی گردن میں نشان پڑ گئے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے نماز پڑھنے کے جرم میں آپ ﷺ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کو فحش گالیاں دی تھیں۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کے فرق مبارک پر نجاست ڈالی تھی۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کا بائیکاٹ کیا تھا اور تین سال تک آپ ﷺ کو اور بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور رہنے پر مجبور کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ پر پھبتیاں کسی تھیں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے دار الندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کی تجویز منظور کی تھی۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا تھا اور آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو اپنا وطن، اپنا گھربار، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و متاع کے چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کو دیوانہ، پاگل، بے عقل، ساحر اور کاہن کہا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کو رو در رو جھٹلایا تھا اور اس کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے آپ ﷺ کے عزیزوں کا ناحق خون کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے غریب مسلمانوں کو بری طرح ستایا تھا اور بری طرح مارا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے غریب مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیا تھا اور بھاری پتھران کے سینوں پر رکھے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے غریب مسلمانوں کو دہکتے ہوئے آگ کے انگاروں پر ننگا بدن کر کے اتنی دیر تک لٹایا تھا کہ ان کی پگھلتی ہوئی چربی نے دہکتے ہوئے انگاروں کو بجھا دیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو، اسلام کو اور پیغمبر اسلام ﷺ کو برباد کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا تھا اور اپنی جانب سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا اور گھربار، مال و متاع کو چھوڑ کر چلے جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو معاف نہیں کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے منافقین مدینہ کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کو قتل کر ڈالنے کے لیے خط لکھا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے یہود مدینہ کو مسلمانوں سے جنگ و پیکار کے لیے خط لکھا تھا اور ان کو اس پر اُکسایا اور آمادہ کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے تمام قبائل عرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آگ لگا کر ان کو مشتعل کیا تھا۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے مدینہ کی چراگاہ پر غارت گری کی تھی۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے جنگ بدر کے بعد سامان جنگ کے بندوبست کے لیے عمومی چندہ کیا تھا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کر دیا جائے۔ جس میں مکہ کے ہر اس مرد اور عورت نے شرکت کی تھی، جس کے پاس پانچ روپے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنہوں نے مدینہ منورہ پر مسلمانوں کو اور اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دو مرتبہ چڑھائی کی تھی۔ پہلے حملہ میں فوج کی تعداد تین ہزار تھی اور دوسری مرتبہ چوبیس ہزار تھی۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو دھوکا سے قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو بھیجا تھا اور اس کے اہل و عیال اور قرض کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تھی۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنھوں نے اس سفاکی کو جائز رکھا تھا کہ مسلمانوں کی نعشوں کا مثلہ کیا تھا' ان کے سینے چاک کیے تھے' دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے' ناک و کان کاٹے تھے اور ان کے ہار بنائے تھے۔

☆ وہ مجرمین بھی تھے--- جنھوں نے جنگ احد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے' تیر و تلوار کے وار کیے تھے' جس سے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے' خود کی کڑیاں چہرۂ مبارک میں پیوست ہو گئی تھیں اور آپ ﷺ کو قتل کر ڈالنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

المختصر' اس وقت آپ ﷺ کے سامنے ایک طرف یہ سارے مجرمین و خاطئین سرنگوں کھڑے تھے اور دوسری طرف دس ہزار خون آشام تلواریں منتظر تھیں کہ اگر اشارہ ہو تو ان تمام مجرموں کے سر کاٹ دیے جائیں--- مگر ہوا کیا--؟ تاریخ عالم کا یہ عجیب اور بے نظیر واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان مجرموں سے فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم۔ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اذھبوا فانتم الطلقاء۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اب یہ بات سوچنے کی ہے کہ:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کہا؟ کہ اے مجرمو! تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ حالانکہ وہ سراسر از سرتاپا جرم ہی جرم تھے۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کہا؟ مجرمو! جاؤ تم سب آزاد ہو۔ حالانکہ ان کا ہر شخص لائق گردن زدنی تھا اور قید و بند کا مستحق تھا۔

دنیا کی تاریخ کے اوراق کی گردانی کرو۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی شخصیت ایسی گزری ہے جس نے اپنے اس طرح کے مجرمین کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا ہو؟--- اگر تمام کوششیں ناکام ہو جائیں اور انسان کے ہر طبقہ کی سرگزشت اور تاریخ واقعیت کی زبان سے یہ پکار اٹھے کہ میرا دامن ایسی شخصیت سے

خالی ہے تو خالی الذہن ہو کر سوچو کہ قدرت اور خالق قدرت کے کس "آئین" کے ماتحت ایسا ہوا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی شخصیت ایسی کیوں نمودار نہیں ہوئی' جس کی زندگی سے اس طرح کے اسوہ کی نمود ہوتی اور کوئی جگردار ایسا کیوں پیدا نہیں ہوا جس کے دل و جگر کی دنیا میں اس طرح کی وسعت اور اس طرح کے عفو عام اور اس طرح کی رحمت کی تخلیق ہوتی۔

بات بالکل واضح ہے اور یہ "آئین" کا کوئی سربستہ راز نہیں ہے کہ قدرت کی سنت مستمرہ اور آئین قدیم یہ ہے کہ گفتار و کردار کے سرچشمہ کا سوت فکر و نظر سے پھوٹتا ہے۔ اگر کسی کا ذہن کمیونسٹ نظریہ کا حامل ہے تو اس کی ہر گفتار میں اور اس کے ہر کردار میں کمیونزم کی نمود ہو گی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ عمومی اور سارے عالم کے لیے تھی اور نبوت چونکہ سراسر رحمت ہے جو اللہ کی طرف سے نوازش ہوتی ہے' اب اگر وہ نبوت مخصوص قوم اور مخصوص حصہ کے لیے ہوتی ہے تو وہ رحمت بھی مخصوص ہو جاتی ہے اور اگر وہ نبوت عام ہوتی ہے اور مخصوص قوم و ملک کے لیے نہیں ہوتی ہے تو وہ رحمت بھی عام ہوتی ہے۔ اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح پیغمبر عالم تھے' اسی طرح رحمت عالم بھی تھے اور اسی وجہ سے قرآن نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہا اور اسی لیے بحیثیت نبوت و رسالت کے آپ ﷺ کے گفتار و کردار کے سرچشمہ کا سوت رحمت عمومی سے پھوٹتا تھا اور اس کا لازمی اقتضا یہ تھا کہ مجرمین و خاطئین بھی اس رحمت عمومی سے شرعی حدود کے اندر بہرہ اندوز ہوتے تھے اور اسی بنا پر قریش کو بلکہ ہر مخالف جماعت کو محفوظ رکھ کر اس کے دل و دماغ کو مفتوح بنانے کی سیاست پر آپ ﷺ کا عمل تھا اور اسی بنیاد پر قریش کے انیس سالہ مظالم اور جرائم کا جواب آپ ﷺ نے اپنے اس تاریخی جملہ سے دیا:

"آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں' آپ ﷺ کے سوا تاریخی دنیا میں کوئی شخصیت ایسی نمود میں نہیں آئی' جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں خدائے عالم کی جانب سے "پیغمبر عالم" بن کر مبعوث ہوا ہوں یا پیغمبر عالم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں اور سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس لیے اس کا لازمی اقتضاء یہ تھا کہ رحمت عمومی کا وہ

کردار، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نمود میں آیا، تاریخی دنیا کی کسی شخصیت میں نہ ہو۔ اسی کو حضرت مضطر نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

بہت مشکل ہے غم خوار عدو جان و دیں ہونا
کوئی آساں نہیں ہے رحمتہ للعالمیں ہونا

پس یہ رحمت عمومی آپ ﷺ ہی کا مخصوص حصہ تھا، اس لیے کہ بعثت عمومی آپ ﷺ ہی کے منصب کے ساتھ مخصوص تھی۔ چنانچہ صرف فتح مکہ ہی میں اس رحمت عمومی کی نمود نہیں ہوئی اور صرف مکہ ہی کے مجرمین و خاطئین اس رحمت عمومی سے بہرہ مند نہیں ہوئے بلکہ طائف و ثقیف والوں کے مظالم کا جواب بھی آپ ﷺ نے رحمت ہی کے ساتھ دیا۔

طائف والوں کے مظالم پر (جس کی تفصیل گزر چکی ہے) جب اللہ کے فرستادہ فرشتہ نے آپ ﷺ سے یہ کہا تھا "اگر آپ ﷺ فرمائیں تو یہ دونوں پہاڑ ان لوگوں پر ڈال دیے جائیں"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا "نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ ان کی آئندہ نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو خدائے وحدہ' لاشریک لہ' کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔ (بخاری و مسلم) اور ثقیف والوں کے لیے یہ دعا فرمائی کہ "اللّٰھم اھد ثقیفا وائت بھم" اے اللہ ثقیف والوں کو ہدایت دے اور ان کو توفیق دے کہ میرے پاس آئیں۔

O ------ ☆ ------ O

اس عفو عام کے بعد جب اذان کا وقت آیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، اللہ کے گھر پر چڑھ کر اللہ کی توحید کا اعلان کریں اور حضرت بلال ؓ نے اس کی تعمیل کی۔ تو یہ ایسی بات ہوئی کہ نخوت پرست اشراف قریش پر کھل گئی۔ ان کے نزدیک قریش اور کعبہ کی یہ سخت توہین ہوئی، اختلاف کی ہمت تو نہیں ہوئی مگر پھر بھی دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ غیرت سے مشتعل ہو کر کسی نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ان کو دنیا سے اٹھا لیا"۔

ایک اور سردار قریش نے کہا "اب جینا بیکار ہے"۔

ایک اور شخص نے کہا "محمد (ﷺ) کو اس کالے کلوٹے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا تھا"۔

ایک وقت صفا کے بلند مقام پر آپ ﷺ بیٹھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے، آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں سے آپ ﷺ نے بیعت اس طرح لی کہ ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیتے تھے، پھر پانی کے ایک بھرے ہوئے پیالہ میں دست مبارک ڈال کر نکال لیتے تھے۔ پھر عورتیں اس میں ہاتھ ڈال کر نکال لیتی تھیں۔

باختلاف روایت، مکہ مکرمہ میں دس دن یا پندرہ دن آپ ﷺ کا قیام رہا۔ جب آپ ﷺ یہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عتاب بن اسید ؓ کو مکہ مکرمہ کا امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو اس خدمت پر مامور کیا کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

مکتوبات نبوی کی فہرست

	بنام	تاریخ روانگی	تاریخ وصولی
(۱)	قیصر روم ہرقل	۶ھ	۷ھ
(۲)	پاپائے روم ضغاطر	۶ھ	۷ھ
(۳)	خسرو پرویز کسریٰ فارس	۶ھ	۷ھ
(۴)	ہرمزان شاہ رامہرمز	۶ھ	۷ھ
(۵)	عزیز مصر مقوقس	۶ھ	۷ھ
(۶)	شاہ حبش نجاشی	۶ھ	۷ھ
(۷)	شاہ یمامہ ہوذہ بن علی الحنیفی	۶ھ	۷ھ
(۸)	شاہ دمشق حارث بن ابی شمر غسانی	۶ھ	۷ھ
(۹)	منذر بن ساوی شاہ بحرین	۸ھ	
(۱۰)	جیفر وعبد شاہ عمان (واہل عمان)	۸ھ	
(۱۱)	یہود خیبر		
(۱۲)	ہلال بن امیہ رئیس بحرین	۸ھ	
(۱۳)	شاہان حمیر	۹ھ	
(۱۴)	یوحنا بن روبہ حاکم ایلہ (واہل مقنا)	۹ھ	
(۱۵)	اساقفہ نجران	۹ھ	
(۱۶)	قبیلہ بکر بن وائل		
(۱۷)	جانشین اصحمہ نجاشی	۹ھ	
(۱۸)	امیر بصریٰ	۸ھ	

عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

مکتوبات نبوی ﷺ

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار مختلف مذاہب کی ماننے والی قومیں دنیا میں بستی تھیں: یہود، عیسائی، مجوس، ہندو عرب کے بت پرست۔ آپ ﷺ کو "پیغمبر عالم" ہونے کی حیثیت سے ان چاروں مذاہب کے ذمہ داروں کو عالمی مشن کی دعوت دینی تھی۔

ان میں "یہود" ہی ایک ایسی قوم تھی جو اس وقت کسی حکومت کی سربراہ نہ تھی۔ باقی تینوں مذاہب کے ماننے والے کہیں نہ کہیں تخت و تاج کے مالک تھے۔ لیکن یہود اپنی اس محرومی کے باوجود اپنی سرمایہ دارانہ ذہنیت اور مہاجنی طبیعت کے باعث جہاں بھی تھے، دوسروں پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ منورہ کی چودھراہٹ مدینہ منورہ کے یہودیوں ہی کے ہاتھوں میں تھی اور اہل مدینہ بمقابلہ یہود کے، تمدنی حیثیت سے پست تھے اور اقتصادی حیثیت سے یہود کے غلام تھے۔ یعنی یہود ان کے مہاجن تھے اور ان ہی کے ہاتھوں میں ملکی تجارت تھی۔ اسی طرح ان کی بہت بڑی طاقت "خیبر" میں تھی، جہاں ان کے متعدد قلعے تھے اور بھاری تعداد میں ان کے جنگجو، بہادر ہر طرح کے جنگی ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح رہتے تھے جو غزوۂ خیبر میں معلوم ہو چکا ہے۔

عہد نبوت میں عیسائی حکومت (رومن امپائر) کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا اور مجوس کا

دار السلطنت ایران تھا جو قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا۔ اس وقت روم اور ایران کی حکومتیں اپنی سطوت و جبروت اور اپنی بے پناہ طاقت و عظمت کے لحاظ سے دنیا کی پر شوکت اور بااثر حکومتیں تھیں اور بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جس طرح آج پوری مادی دنیا پر اور تمام حکومتوں پر "امریکہ" اور "روس" کا اثر ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان دونوں کے نظام سے پوری دنیا متاثر ہے اور ان کی ترقی یافتہ معاشرت اور تمدن کی سحر کاری کا یہ اثر ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ارباب علم کے نزدیک ان کے نقش قدم پر آنکھ بند کر کے چلنا ہی عین دانشمندی ہے اور آج ان دونوں کو یہ قبول عام حاصل ہے کہ ان دونوں کی کسی امر کے لیے متفقہ تائید و حمایت اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ پوری دنیا اس کو لبیک کہے گی اور اس کو اپنانے پر مجبور ہوگی۔

اسی طرح عہد نبوت میں "رومن امپائر" اور "فارس کی ایرانی شہنشاہیت" کا حال تھا کہ یہ دونوں حکومتیں عالم گیر اثر اور اقتدار کی مالک تھیں اور ان دونوں کا سکہ لوگوں کے قلوب پر جما ہوا تھا۔ ان دونوں کی ترقی یافتہ معاشرت اور تمدن سے اس وقت کی دنیا مسحور تھی اور تقریباً تمام چھوٹی چھوٹی حکومتیں ان سے متاثر تھیں اور اس زمانہ کے سماج کا یہ مزاج تھا کہ عموماً جس کے زیر اثر ہوتے تھے، اسی کی اثر پذیری کے اندر رہتے تھے، تاآنکہ مرکز اثر خود متاثر نہ ہو جائے اور دوسرے کے اثر کو قبول نہ کرلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جب قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے سردار اور رئیس، مفروق، مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ پر اسلام پیش کیا تھا اور قرآن مجید کی آیتیں سنائی تھیں تو ان لوگوں نے اسلام کی تحسین تو کی تھی مگر اسی کے ساتھ یہ معذرت بھی کردی تھی کہ "ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں۔ ہم اور کسی کے اثر میں نہ آئیں گے"۔ آپ ﷺ نے بھی ان کی راست گوئی کی تحسین فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ "اللہ اپنے دین کی آپ مدد فرمائے گا"۔ تفصیل قبائل عرب کے دورہ میں گزر چکی ہے۔

شاہ دمشق حارث غسانی، جو قیصر کے زیر اثر تھا، اس کے اسلام قبول نہ کرنے کے متعلق اس کے حاجب مری نے قاصد نبوی حضرت شجاع رضی اللہ عنہ سے اپنا یہی تاثر بیان کیا تھا کہ قیصر کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس سے ڈرتا ہے۔ تفصیل آگے صفحات میں آرہی ہے۔

سماج کے اسی مزاج کی بنا پر جب قیصر شہنشاہ روم اور خسرو پرویز شہنشاہ ایران، اور مقوقس عزیز مصر کو اسلام کی دعوت حضور ﷺ نے دی تو آخر میں آپ ﷺ نے یہ بھی لکھا کہ اگر تم نے انکار کیا تو تمام رعایا کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا۔ قیصر کے مکتوب میں ہے:

فان تولیت فانما علیک اثم الیریسین۔

"اگر تم نے نہیں مانا تو تمام رعایا کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا"۔

خسرو پرویز کے خط میں ہے:

فان ابیت فانما علیک اثم المجوس۔

"اگر تم نے انکار کیا تو تمام مجوس کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا"۔

مقوقس شاہ مصر کے مکتوب میں ہے:

فان تولیت فعلیک اثم القبط۔

"اگر تم نے روگردانی کی تو تمام قبطیوں کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا"۔

عہد نبوی ﷺ میں رومن امپائر کا نقشہ یہ تھا کہ یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ ایشیا میں شام، فلسطین اور مصر پر بھی اقتدار تھا اور حبش کی عیسائی حکومت، جو عرب کے پڑوس میں تھی، وہ بھی باج گزار تھی۔ پھر روم کو اپنے نظام حکمرانی میں وہ بلند رتبہ حاصل تھا کہ یورپ کی موجودہ متمدن حکومتیں آج تک "رومن لا" کی اساس کو اپنے قوانین مملکت کا جزو بنائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتی ہیں۔

فارس کی ایرانی شہنشاہیت کا یہ حال تھا کہ ایک جانب اس کی حدود سلطنت ہندوستان کی سرحد سندھ تک پھیلی ہوئی تھی، تو دوسری طرف عراق اور عرب کے اکثر حصے یمن، بحرین، عمان، یمامہ، ایرانی حکومت کے زیر اقتدار تھے۔ اس کا دبدبہ، اس کی شان و شوکت اور اس کی عظمت ایشیا اور یورپ دونوں پر قائم تھی اور عہد نبوت ﷺ میں ایرانی حکومت ایشیا کی عظیم الشان طاقت سمجھی جاتی تھی۔

ان ہی عالمگیر اقتدار اور اثرات کے پیش نظر اس خیال سے کہ ان دونوں حکومتوں پر دعوت حق کی تبلیغ گویا پورے یورپ اور ایشیا پر دعوت حق کی تبلیغ ہوگی اور ان دونوں کا قبول حق پورے یورپ اور ایشیا پر اثر انداز ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے بحیثیت "پیغمبر عالم" ان دونوں سلطنتوں کی مرکزی حکومت قیصر روم اور

اس کی بعض ماتحت ریاست عزیز مصر، مقوقس، شاہ دمشق حارث غسانی اور اپنی پڑوسی حکومت شاہ حبش نجاشی کے نام اور ایرانی حکومت خسرو پرویز اور اس کی ماتحت ریاست شاہ یمامہ ہوذہ بن علی اور شاہ بحرین منذر بن ساوی کے نام عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے خطوط لکھے اور ان سب حکومتوں کے پاس ایک ہی دن میں چھ سفراء روانہ کیے۔ طبقات ابن سعد میں ہے "صحابہ کرام میں سے چھ آدمی ایک ہی دن میں (دعوتی خطوط لے کر) روانہ ہوئے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے رؤساء عرب اور یہود اور دیگر بااقتدار حضرات کے نام دعوتی خطوط لکھے۔ مسلم شریف میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی کی تصریح کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ تمام بااقتدار لوگوں کے نام آپ ﷺ نے دعوتی خطوط لکھے۔ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الیٰ کسریٰ و قیصر و الی النجاشی و الیٰ کل جبار یدعوھم الیٰ اللہ۔ (باب کتب النبی ؐ الی ملوک الکفار یدعوھم الی الاسلام)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور تمام بااقتدار لوگوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔ ان کو اللہ کی طرف بلایا"۔

مسلم شریف کی اس حدیث کی روشنی میں "تحفۃ المجاہدین" کی روایت، جس کا ذکر پروفیسر سید ابو ظفر ندوی ریسرچ اسکالر (پوسٹ گریجوایٹ) گجرات ودیا سبھا احمد آباد نے "تاریخ گجرات" میں کیا ہے، قرین قیاس یہی ہے کہ ہندوستان کی بت پرست حکومت کے سربراہ راجہ ملیبار کو بھی دعوت اسلام دی گئی تھی۔ "تاریخ گجرات" کی عبارت یہ ہے:

"یوں تو عرب اور ہند کا تعلق تجارتی طور پر برسوں سے تھا لیکن خاص مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں خود حضرت محمد ﷺ کے وقت سے شروع ہوئی۔ "تحفۃ المجاہدین" کی روایت اگر صحیح مان لی جائے تو دعوت اسلام عہد نبوی میں راجہ ملیبار کو پہنچ چکی تھی"۔ (ص ۱۸۹)

"تحفۃ المجاہدین" سید زین العابدین شوستری کی تصنیف ہے۔ ان کے متعلق غلام رسول مہر اڈیٹر "انقلاب" لاہور نے "نقش آزاد" میں لکھا ہے کہ یہ "سفرائے ایران" میں سے تھا، جو کریم خاندان ژند نے حیدر علی کے خط کے جواب کے ساتھ بھیجے تھے، لیکن میسور میں مقیم ہوگیا۔ یہ ترکی سے بھی واقف تھا۔ بہت سی مصطلحات اس نے ترکی اختیار کی تھیں۔ (ص ۱۴۷)

بلکہ قبیلہ بنو حارث، جو حضرت خالد بن ولید ؓ کے ساتھ ۱۰ھ (۱) میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا، ان لوگوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں؟" (طبری۔ ص ۱۵۶، ج ۳)

یہ تو اس بات کو مشعر ہے کہ ہندوستان کے لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی صحبت میں رہے تھے اور اسی مخالطت کی بنا پر آپ ﷺ کے ذہن میں ان کی کوئی خصوصی چیز محفوظ تھی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے بنو حارث والوں کو اس کی مشابہت کی بنا پر فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں اور ہندوستان کے ان لوگوں کی حاضری قرین قیاس یہی ہے کہ عالمی دعوت ہی کی بنا پر ہوئی ہوگی۔

طبقات ابن سعد میں ستر وفود کا ذکر ہے۔ اڑتالیسویں نمبر میں اس وفد کا ذکر ہے۔ اس میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اس طرح پر ذکر ہے۔

(حضرت) خالد ؓ نے ان لوگوں کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ لوگ ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ بنو حارث بن کعب ہیں۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کلمہ شہادت۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پڑھا۔ (طبقات جزو ثالث)

بہرحال مسلم شریف کی صدر کی حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ عہد نبوت ﷺ ہی میں عالمی دعوت ضرور ہندوستان بھی پہنچی۔

مذکورہ بالا چھ مکتوب کے علاوہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اور دعوتی مکتوب لکھے ہیں، ہم ان کو "الوثائق السیاسیہ" وغیرہ سے نقل کریں گے۔ ہم ان خطوط کا ذکر اس مختصر رسالہ میں نہیں کریں گے۔ (۱) جن کا تعلق اصول دین کی تبلیغ (۲) سیاسی

معاہدات (۳) مقبوضہ املاک کی بحالی کے وعدے سے ہے (۴) یا اسی طرح کے اور دیگر امور سے ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اصل مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ ہم مکتوبات نبوی ﷺ کے عربی متن کو بلفظہ نقل کریں گے' اس لیے کہ تبرکات نبوی ﷺ ہونے کے علاوہ اس کی حیثیت اسلام میں قانون کی بھی ہے' جو جماعتی اور بین الاقوامی معاملہ میں ہمارے لیے حجت ہیں۔ ہم کو افسوس ہے کہ ہم ان مکتوبات نبوی ﷺ کی اس حیثیت کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ یہ طویل الذکر اور نہایت قیمتی چیز ہے جو مستقل رسالہ کو داعی ہے اور وقت کا نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے' جس کی طرف خصوصی توجہ کی حاجت ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ:

"آنحضرت ﷺ نے ایک دن تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ دیا "ایہا الناس" خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! حوارین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو(۲)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قیصر روم' شہنشاہ عجم' عزیز مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر' اور جن کے نام لے کر گئے' ان کی تفصیل یہ ہے:

۱-دحیہ کلبی-- قیصر روم' ۲-عبداللہ بن حذافہ سہمی-- خسرو پرویز بکلاہ ایران' ۳-حاطب بن بلتعہ-- عزیز مصر' ۴-عمرو بن امیہ-- نجاشی بادشاہ حبش' ۵-سلیط بن عمر بن عبد شمس-- رؤسائے یمامہ' ۶-شجاع بن وہب الاسدی-- رئیس حدود شام حارث غسانی"۔ (سیرۃ النبی- ص ۴۲۵' ج ۲)

اب اس ترتیب سے مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱)

قیصر روم ہرقل کے نام

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے نام عالمی دعوت کے لیے خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ یہ لوگ بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے چاندی کی مہر بنوائی جس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔ یہ روایت مسلم شریف کی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ یہ نقش تین سطروں میں تھا۔ ایک سطر میں "محمد"--- دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ" یعنی نقش کی صورت یہ تھی:

اللہ
رسول
محمد

انگوٹھی کے اوپر جو نگینہ تھا یعنی جس پر یہ نقش تھا' صحیحین کی متفقہ روایت یہ ہے کہ وہ حبشی وضع کا تھا۔

مکتوبات نبوی ﷺ میں جو چیز قدر مشترک تھی' وہ اسلامی دعوت تھی۔ مخاطب کے لحاظ سے ہر مکتوب میں ایسا لطیف اسلوب اختیار کیا گیا تھا کہ اس سے مخاطب کا ایمانی ضمیر اول نگاہ میں اپنے لیے ٹھوکر محسوس کرے۔ چنانچہ قیصر' عزیز مصر کے مکتوب میں جو مذہباً عیسائی تھے اور تثلیث کے قائل تھے' "ارباباً من دون اللہ" سے تبری کی دعوت دی گئی اور نجاشی شاہ حبش کے مکتوب میں "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنی نظریہ کی وضاحت کی گئی۔ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے مکتوب میں' جو مذہباً مجوس تھا اور یزداں واہرمن--- خیر و شر کے دو خداؤں کا قائل تھا اور نبوت سے ناآشنا تھا' خصوصی طور پر توحید اور رسالت عامہ پر زور دیا گیا۔ اسی طرح

مشرکین عرب کے مکتوب میں غیر خدا کی عبادت کا رد کیا گیا۔

عہد نبوت ﷺ میں رومی سلطنت کے تاجدار کا نام "ہرقل" تھا۔ قیصر سریر آرائے سلطنت ہونے کے اعتبار سے اس کا لقب تھا' جس طرح ایران کی سلطنت کے تاجدار کا لقب کسریٰ تھا اور نام "پرویز" تھا جو مشہور بادشاہ نوشیروان عادل کا پوتا اور ہرمز کا بیٹا تھا اور یہ اس زمانے کی مشہور و معروف (۳) اصطلاح تھی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکتوب میں ان تاجداروں کو صرف ان کے نام سے خطاب نہیں فرمایا' بلکہ ان کے شاہی القاب کا اپنے مکتوب میں ذکر فرمایا' جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ خط ان کے نام محض ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ سربراہ سلطنت کی حیثیت سے ہے اور اس لحاظ سے ہے کہ وہ انسانی آبادی کے ایک بہت بڑے حصہ کی زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اور ان کی رعایا ان کے مسلک و مذہب کی پیرو ہے اور ان کے نقش قدم پر چلتی ہے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھتی ہے۔ حاصل یہ کہ آپ ﷺ کا مقصود اس اسلوب سے مکتوب الیہ کو یہ بتانا تھا کہ یہ دعوتی خط تمہارے واسطہ سے تم کو اور تمہارے تمام اہل مذہب کو ہے' جو تمہارے تابع اور تمہارے پیرو ہیں۔

اس طرح پر یہ دونوں مکتوب یورپ اور ایشیا کے ان تمام افراد انسانی کے نام تھے' جو ان دونوں سلطنتوں کے ساتھ وابستہ تھے اور یہ معلوم ہے کہ اس وقت تقریباً انسانی آبادی کے دو ثلث پر ایرانی حکومت اثرانداز تھی اور تقریباً ایک ثلث پر رومتہ الکبریٰ کی حکومت کا اثر تھا۔

صحیحین میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی ؓ کو عالمی دعوت کا مکتوب دے کر قیصر روم کے پاس روانہ فرمایا تو ان سے یہ فرمایا کہ:

ان یدفعه الی عظیم بصریٰ لیدفعه الیٰ قیصر۔ (مشکوٰۃ)

"وہ اس مکتوب کو شاہ بصریٰ کے حوالہ کریں اور وہ قیصر روم کے حوالہ کریں"۔

بصریٰ کی ریاست اس وقت "حارث بن ابی شمر غسانی" کے ہاتھ میں تھی۔ بصریٰ آل غسان کی حکومت کا دارالسلطنت اور مشہور شہر تھا' جو عرب اور شام کی حدود کے درمیان تھا۔ توہر' رقم' عمان' معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے۔ ان ہی کا نام "اذرعات" بھی ہے۔ یہ بصریٰ وہی شہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبل بعثت اسی کی حکومت کے زمانہ میں بغرض تجارت شام وارد ہوئے تھے اور بحیرا راہب کا جو

واقعہ بیان کیا جاتا ہے' وہ یہیں کا واقعہ ہے۔

غسانیوں نے عموماً عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ رومیوں کے ساتھ تھے۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا اور رومی بھی شکرگزاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے۔ (ارض القرآن)

غسانی حکومت گو رومیوں کے زیر اقتدار تھی' مگر قیصر کے دربار میں حارث کا بڑا اعزاز تھا اور ذمہ دارانہ امور کی انجام دہی میں اس کا خصوصی حصہ رہتا تھا اور غالباً اسی بنا پر اس کو مکتوب نبوی ﷺ کے لیے واسطہ بنایا گیا۔ حضرت دحیہ ؓ جب مکتوب نبوی ﷺ لے کر بصریٰ روانہ ہوئے تو راستہ میں ان کو معلوم ہوا کہ عظیم بصریٰ حارث ان دنوں بصریٰ میں نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ سے "حمص" میں اس لیے مقیم ہے کہ قیصر کی زیارت بیت المقدس کے سلسلہ میں فراہمی رسد کا سامان کرے۔ قیصر نے زیارت بیت المقدس کا ارادہ اس لیے کیا تھا کہ ایرانیوں پر فتح کے سلسلہ میں یہ منت مانی تھی کہ پاپیادہ بیت المقدس کی زیارت کرے گا۔ وہ اس شان سے بیت المقدس جا رہا تھا کہ جہاں چلتا تھا' زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھا دیے جاتے تھے۔ بیت المقدس جاتے ہوئے قیصر حمص بھی پہنچا تھا اور کچھ دنوں قیام کیا تھا۔ حضرت دحیہ کلبی ؓ بجائے بصریٰ کے حمص پہنچے اور حارث غسانی عظیم بصریٰ کو مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سپرد کر دیا۔

یہ طبری کی روایت ہے۔

علامہ شبلی ؒ نے لکھا ہے کہ:

"حضرت دحیہ کلبی ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: شام میں عرب کا جو خاندان حارث کے زیر حکومت رہا کرتا تھا' وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایہ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا۔ دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک یہیں بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا اور اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا"۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۴۲۶' ج ۱)

صحیح بخاری میں "ابن ناطور" جو بیت المقدس کا حاکم تھا اور عیسائیوں کا دینی پیشوا

تھا' اس کا بیان ہے (اور یہ بیان اس وقت کا ہے کہ ہنوز دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مکتوب نبوی ﷺ لے کر بیت المقدس نہیں پہنچے تھے) کہ جب ہرقل بیت المقدس آیا تو ایک دن صبح کو نہایت ہی پریشان خاطر اٹھا۔ ارکان دولت میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں آپ کو پریشان خاطر پاتا ہوں۔ ہرقل کو کہانت اور علم نجوم میں بھی دخل تھا۔ اس نے کہا کہ رات کو جب میں نے علم نجوم کے ذریعہ غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرانے والی قوم کے بادشاہ کا ظہور ہوگیا۔ بتاؤ اس زمانہ میں کون سی قوم ختنہ کراتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہود کے سوا کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی' لہٰذا ان کی جانب سے آپ کو کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیے۔ آپ اپنی مملکت کے تمام شہروں میں یہ فرمان بھیج دیں کہ یہودیوں کے جتنے بچے پیدا ہوں' ان کو قتل کر دیں۔

معاملہ زیر بحث ابھی منقح نہیں ہوا تھا کہ شاہ غسان کا بھیجا ہوا ایک شخص ہرقل کے دربار میں لایا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حالات بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس کو الگ لے جا کر دیکھو کہ یہ شخص مختون ہے یا نہیں؟ جب ہرقل کو یہ خبر دی گئی کہ وہ مختون ہے تو ہرقل نے عربوں کے ختنہ کے متعلق پوچھا۔ تو اس نے کہا تمام عرب ختنہ کراتے ہیں تو اس پر ہرقل نے کہا کہ یہی شخص دنیا کا سردار ہے جو غالب ہو کر رہے گا۔

ہرقل بیت المقدس ہی میں تھا کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حمص سے نامہ مبارک لے کر پہنچے۔ حارث غسانی والی بصریٰ نے عدی بن حاتم کو ساتھ کر دیا تھا کہ ان کو قیصر تک پہنچا دے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ جب قیصر کے پاس پہنچے تو "سیرت حلبیہ" میں ہے کہ اہل دربار نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ شاہی دربار کے دستور کے مطابق قیصر کی حضوری کے وقت تخت کے سامنے سجدہ کرنا۔ پھر اس وقت تک سر نہ اٹھانا جب تک بادشاہ تم کو سر اٹھانے کی اجازت نہ دے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے کہا' میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ ہمارے مذہب میں خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں۔ لوگوں نے کہا تو پھر وہ تمہارے خط کو قبول نہیں کرے گا۔ اس پر اہل دربار کے ایک شخص نے کہا کہ میں تم کو ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ تم کو سجدہ بھی نہ کرنا پڑے گا اور تمہارا خط بھی قبول کر لیا جائے۔ تم ایسا کرنا کہ خود اپنے ہاتھ سے منبر پر قیصر کے سامنے مکتوب رکھ دینا۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ قیصر ہی اس کو اٹھائے گا' دوسرے کو

ہاتھ لگانے کی جرات نہیں ہوگی اور جب وہ خط کو اٹھائے گا تو تم کو بلائے گا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے یہی کیا۔

قیصر کو جب مکتوب نبوی ﷺ ملا تو حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ہو تو اس کو لاؤ۔ اسی زمانہ میں ابوسفیان تجارت کی غرض سے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیت المقدس کے قریب "غزہ" میں آئے ہوئے تھے اور ہنوز کفر کی حالت میں تھے۔ ہرقل کا آدمی آیا اور ان سب کو ہرقل کے پاس لے گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ہرقل نے پورے قافلہ کو اپنے دربار میں بلایا۔ ہرقل کے گرداگرد رومی سلطنت کے بڑے بڑے امراء بیٹھے تھے۔ پھر ترجمان کو اور ان لوگوں کو اپنے قریب بلایا۔ پھر ہرقل نے قافلہ والوں سے پوچھا کہ تم لوگوں میں اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

قیصر نے ابوسفیان کو تخت کے قریب بلا لیا اور قافلہ والوں سے کہا کہ آپ لوگ اس کے پیچھے بیٹھ جائیں' پھر ترجمان سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ میں اس شخص سے اس مدعی نبوت کے متعلق سوال کروں گا۔ اگر یہ شخص جھوٹ بولے تو وہ لوگ اس کی تکذیب کر دیں۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ اگر مجھے اپنے دروغ گو مشہور ہونے کی شرمندگی نہ ہوتی تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ پھر سب سے پہلے جو بات قیصر نے مجھ سے دریافت کی' وہ یہ تھی:

O- قیصر: مدعی نبوت عربوں میں باعتبار نسب کے کیسا ہے؟

☆- ابوسفیان: وہ ہم میں نہایت شریف ہے۔

O- قیصر: اس سے پہلے تم میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

☆- ابوسفیان: نہیں۔

O- قیصر: اس مدعی نبوت کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

☆- ابوسفیان: نہیں۔

O- قیصر: اس کی پیروی کرنے والے صاحب اثر لوگ ہیں یا کمزور؟

☆- ابوسفیان: کمزور لوگ۔

O- قیصر: اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

☆ ۔ ابو سفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

O ۔ قیصر: اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد' اس کے دین سے بیزار ہو کر کوئی مرتد بھی ہوا ہے؟

☆ ۔ ابو سفیان: نہیں۔

O ۔ قیصر: اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کیا تم لوگوں نے اس کو جھوٹ کے ساتھ کبھی متہم کیا ہے؟

☆ ۔ ابو سفیان: نہیں۔

O ۔ قیصر: کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی کرتا ہے؟

☆ ۔ ابو سفیان: "نہیں، مگر ہم اس سے صلح حدیبیہ کرنے کے بعد ایسے زمانہ میں ہیں جس کے متعلق نہیں معلوم وہ کیا کرے گا"۔ ابو سفیان نے کہا کہ اس بات کے علاوہ کوئی اور بات اس گفتگو میں داخل کرنے کی میرے لیے گنجائش نہ نکلی۔

O ۔ قیصر: تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ کی ہے؟

☆ ۔ ابو سفیان: ہاں۔

O ۔ قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

☆ ۔ ابو سفیان: کبھی وہ غالب آئے، کبھی ہم۔

O ۔ قیصر: وہ تم کو کن کن باتوں کا حکم کرتا ہے؟

☆ ۔ ابو سفیان: وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ باپ' دادا کی مشرکانہ باتوں کو چھوڑ دو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاک دامنی اختیار کرو۔ صلہ رحمی کرو۔

اس کے بعد قیصر نے ترجمان سے کہا کہ تم اس سے کہو کہ میں نے اس کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے کہا وہ بہت شریف ہے۔ پیغمبر اچھے ہی خاندان سے مبعوث کیے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اس سے پہلے تم میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ اسی کی تقلید کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ باپ دادا کی حکومت کا طالب ہے۔ میں نے پوچھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ سے متہم پایا۔ تم نے کہا نہیں۔ میں نے اس بات سے یقین کر لیا کہ جو

شخص کبھی انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا' وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے پیروی کرنے والے لوگ صاحب اثر ہیں یا کمزور۔ تم نے کہا کمزور۔ کمزور لوگ ہی پہلے پیروی کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔ تم نے کہا کہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے' یہاں تک کہ وہ اتمام کو پہنچ جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کے دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے' جب وہ انشراح کے ساتھ قلب میں جاگزیں ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا' کیا وہ عہد و اقرار کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ بے شک اللہ کے پیغمبر غدر نہیں کیا کرتے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم کرتا ہے۔ تم نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔ بتوں کی پرستش سے روکتا ہے۔ نماز' سچائی' پاک دامنی کا حکم کرتا ہے۔۔۔ اگر یہ سب باتیں سچ ہیں تو میری اس پایگاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے' لیکن میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر مجھ کو اس کا یقین ہوتا کہ میں ان کے حضور میں باریابی حاصل کر سکوں گا تو میں ان سے ملنے کی انتہائی کوشش کرتا اور اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے دونوں پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمی دعوت کے الفاظ یہ تھے:

مکتوب نبوی ﷺ شاہ روم کے نام

بسم الله الرحمن الرحيم- من محمد عبدالله و رسوله الى هرقل عظيم الروم- سلام على من اتبع الهدى- اما بعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم اليريسين- و يا اهل الكتاب (۴) تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم ان لا نعبد الا الله و لا

نشرک به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه- فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون- (بخاری)

(ترجمہ) "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- (یہ عالمی دعوت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے- بادشاہ روم ہرقل کے نام- سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے- اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں- اسلام لے آؤ- سلامت رہو گے- اللہ تجھ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا- اگر تم نے نہیں مانا تو تیری تمام رعایا کا گناہ تیرے اوپر ہوگا- اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے- (وہ یہ کہ) ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے- اور اگر اس کو نہیں مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو اس بات کے کہ ہم لوگ فرماں بردار ہیں- یعنی ایک خدا کے ماننے والے ہیں"-

ابوسفیان کی ایک ناکام کوشش: ابوسفیان نے یہ دیکھ کر کہ قیصر آپ ﷺ کے حالات سے اور مکتوب نبوی ﷺ سے بہت متاثر ہے اور آپ ﷺ کی صداقت اس کے دل میں گھر کر رہی ہے تو اس اقرار کے بعد کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم لوگوں نے کبھی جھوٹ سے متہم نہیں پایا' قیصر کو بدظن کرنے کے لیے یہ پہلو پیدا کیا کہ قیصر سے کہا کہ ہم آپ کو اس کی ایک ایسی بات بتانا چاہتے ہیں' جس سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ یہ شخص جھوٹا ہے- قیصر نے تعجب سے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے؟

ابوسفیان نے کہا کہ اس کا خود اپنا یہ بیان ہے:

انه خرج من ارضنا ارض الحرم فی لیلة فجاء مسجد کم هذا و رجع الینا فی تلك اللیلة قبل الصباح- (سیرت وحلان- ص ۱۷۰' ج ۲)

"وہ ایک رات مکہ سے نکلا- پھر آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچا- پھر اسی رات کو صبح ہونے سے پہلے ہم لوگوں کے پاس لوٹ آیا"-

ابھی قیصر نے اس کے متعلق کچھ اظہار خیال نہیں کیا تھا کہ ایک "بطریق" نے کہا' جو قیصر کے پاس ہی کھڑا تھا- اے بادشاہ! وہ اپنے اس بیان میں سچا ہے کہ وہ بیت

المقدس آیا ہے- قیصر نے یہ سن کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ بطریق نے کہا کہ میں ہمیشہ جب تک مسجد کے دروازوں کو بند نہیں کر لیتا تھا سوتا نہیں تھا- لیکن اس رات کو' جس کا ذکر کیا گیا' میں نے تمام دروازوں کو بند کر دیا لیکن ایک دروازہ رہ گیا جس کو میں بند نہیں کر سکا- تو میں نے مسجد کے خدام کو اور جو لوگ بھی اس وقت موجود تھے سب کو بلایا- ہم سب لوگوں نے مل کر بھی اس کو بند کرنا چاہا مگر اس کو ہلا بھی نہ سکے- پھر ہم نے بڑھئی کو بلایا- ان لوگوں نے اس کو دیکھا اور دیکھ کر کہا کہ ہمارے بس سے بھی باہر ہے- جب صبح ہوئی تو میں آیا اور دیکھا کہ اس دروازہ کے ایک گوشہ میں جو پتھر تھا' اس میں سوراخ ہے اور ایسے نشانات ہیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ کوئی جانور باندھا گیا ہے- تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس دروازہ کا بند نہ ہونا اسی سبب سے تھا- (سیرت نبویہ- علامہ وحلان- ص ۱۷۰' ج ۲)

اس کے بعد قیصر نے درباریوں سے کہا کہ کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ قیامت سے پہلے ایک نبی کے ظہور کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور اس کے بارے میں تم اس بات کے متوقع ہو کہ اس نبی کا ظہور بنی اسرائیل میں ہوگا- لوگوں نے کہا ہاں- اس پر قیصر نے کہا کہ اس نبی کو اللہ نے غیر بنی اسرائیل میں مبعوث کیا- نبوت اللہ کی رحمت ہے- وہ جہاں چاہے اس کو رکھے- (سیرت نبویہ' وحلان)

صحیح بخاری میں ہے (کہ نامہ مبارک کے پڑھے جانے سے اور ہرقل کی ان باتوں سے' جو برسردربار ہوئیں) اہل دربار میں برہمی پیدا ہوگئی اور شور و شغب شروع ہوگیا اور اہل عرب دربار سے اٹھادیے گئے- ابوسفیان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ دربار سے اٹھادیے گئے تو ہم نے اپنے رفقاء سے کہا:

لقد امر امر ابن ابی کبشه انه یخافه ملك بنی الاصفر فما ذلت موقنا انه سیظهر حتی ادخل الله علی الاسلام- (بخاری- باب کیف کابدء الوحی)

"ابن ابی کبشہ (۵) کے بیٹے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نے بہت بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے- روم کا بادشاہ بھی اس سے ڈرتا ہے- پھر ہمارے دل میں ہمیشہ کے لیے یہ یقین بس گیا کہ آپ غالب ہو کر رہیں گے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق نے مجھ کو مشرف باسلام کر دیا"-

ایک عجیب واقعہ: علامہ ابن جوزیؒ نے "سیرت عمرؓ" میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے:

جب قیصر روم نے اپنی قوم کے عمائد کو اسلام سے متنفر اور برہم پایا تو مصلحتاً مجلس برخاست کر دی اور دوسرے روز مجھے علیحدہ ایک عالی شان محل میں بلایا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک کمرے میں چاروں طرف تین سو تیرہ تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ قیصر نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ یہ سب تصویریں جو تم دیکھ رہے ہو، نبیوں کی اور پیغمبروں کی ہیں۔ بتا سکتے ہو کہ ان میں تمہارے پیغمبر کی کون سی تصویر ہے؟ میں نے بغور دیکھ کر ایک تصویر کی جانب اشارہ کیا کہ یہ تصویر ہے۔ قیصر نے کہا، بے شک یہی آخری نبی کی تصویر ہے۔

قیصر نے پھر مجھ سے دریافت کیا کہ اس تصویر کی داہنی جانب کی تصویر کو بھی پہچان سکتے ہو؟ یہ کس کی ہے؟ میں نے بتلایا کہ یہ نبی آخر الزمان کے ایک صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصویر ہے۔ قیصر نے پھر پوچھا، بتاؤ یہ بائیں طرف کی تصویر کس کی ہے؟ میں نے کہا، یہ ان کے دوسرے صحابی حضرت عمر فاروقؓ کی تصویر ہے۔

قیصر یہ سن کر کہنے لگا کہ تورات کی پیشین گوئی کے مطابق یہی دو شخص ہیں، جن کے ہاتھوں سے دین کی ترقی (۶) اوج کمال کو پہنچے گی۔

پاپائے روم ضغاطر کا واقعہ: بخاری شریف میں پاپائے روم "ضغاطر" کے متعلق نہایت مجمل یہ مذکور ہے کہ ہرقل نے رومیہ کے حاکم (ضغاطر) کو خط لکھا، جو ہرقل ہی کی طرح صاحب علم تھا اور خود "حمص" لوٹ آیا اور یہاں تک حمص میں مقیم رہا کہ ضغاطر کا جواب آگیا۔ اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ ﷺ کے نبی ہونے کے بارے میں ہرقل کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔

طبری میں محمد بن اسحاق کی روایت میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تم جس کی طرف سے دعوتی خط لے کر آئے ہو، وہ خدا کے سچے رسول ہیں مگر میری قوم میری پیروی نہیں کرے گی۔ وہ اس معاملہ میں، جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو، سخت برہم ہے۔ تم میرا خط لے کر رومیہ کے حاکم کے پاس جاؤ۔ وہ مذہبی حیثیت سے اسقف یعنی پاپا کا درجہ رکھتا ہے۔ اس نے اگر تصدیق کر دی تو پھر میرے لیے اس کا موقع نکلے گا کہ میں ان کو سمجھاؤں۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کو ضغاطر کے نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی مکتوب

دیا تھا۔ ان کو جانا ہی تھا۔ یہ رومیہ گئے اور ضغاطر کو قیصر کا خط دیا۔ ضغاطر نے جواب میں لکھا کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں:

صاحبک واللہ نبی مرسل نعرفہ بصفتہ ونجدہ فی کتبنا باسمہ۔

"تیرا صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم نبی مرسل ہیں۔ ہم ان کو ان کی صفات کی بنا پر پہچانتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کا نام پاتے ہیں"۔

اسی کے ساتھ ضغاطر کو جب حضرت دحیہ کلبیؓ نے مکتوب نبوی دیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو پڑھ کر اتنا متاثر ہوا کہ کلیسا میں جب عبادت کے لیے گیا تو بھرے مجمع کے سامنے یہ تقریر کی:

یامعشر الروم انہ قد جاءنا کتاب من احمد یدعونا فیہ الی اللہ عزوجل وانی اشھد ان لا الہ الا اللہ وان احمد عبدہ ورسولہ۔

"اے روم والو! ہمارے پاس (پیغمبر عالم) احمد کا خط آیا ہے۔ اس نے ہم کو خدا کی دعوت دی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک احمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں"۔

یہ سن کر رومی سخت برہم ہو گئے اور ضغاطر پر، باوجود اس کے ہر دل عزیز پاپائے روم ہونے کے، ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت دحیہؓ وہاں سے فوراً حمص آ گئے اور قیصر کو ضغاطر کا خط دیا اور ان کی شہادت کا واقعہ بھی بیان کیا۔ ضغاطر کے جواب اور اس کی شہادت کی خبر سن کر قیصر نے کیا کیا؟

سیرت حلبیہ اور بخاری شریف میں دو مختلف واقعوں کا ذکر ہے۔ ان دونوں واقعات میں تطبیق کی نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیصر نے عوام اور خواص کے جذبات کا اندازہ کرنے کے لیے دو کام کیے: عوام کو جانچنے کے لیے وہ کام کیا جو سیرت حلبیہ میں مذکور ہے اور خواص کو جانچنے کے لیے وہ کام کیا جو بخاری شریف میں مذکور ہے۔ سیرت حلبیہ میں ہے:

"قیصر کا ایک بڑا عالیشان محل تھا۔ اس کے تمام دروازوں کو بند کرا دیا اور اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ ہرقل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آیا اور ان کی پیروی اختیار کر لی۔ (یہ سننا تھا کہ) فوجی لوگ ہتھیار لگا کر اس کے محل کے گرداگرد چکر کاٹنے لگے۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ ہرقل کو قتل کر ڈالیں۔ ہرقل نے یہ دیکھ کر ان کو کہلا بھیجا کہ میں تمہاری دینی مضبوطی کا امتحان کر رہا تھا۔ میں تم سے خوش ہوا۔ فوجی لوگ بھی ہرقل سے خوش ہو گئے"۔

بخاری شریف میں یہ ہے کہ خط ملنے کے بعد ہرقل نے یہ کیا کہ:

"روم کے تمام بڑے بڑے معزز لوگوں کو ہرقل نے اپنے اس قصر (محل) میں جمع کیا جو حمص میں تھا اور حکم دیا کہ محل کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔ اس کے بعد اہل دربار کے سامنے آیا اور کہا: اے روم والو! اگر تمہیں فلاح اور ہدایت مطلوب ہے اور یہ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک محفوظ رہے تو اس پیغمبر عالم کی پیروی کرو۔

یہ سن کر رومی وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے تو دروازوں کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت کو دیکھا اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لوٹا کر لاؤ۔ جب وہ آئے تو کہا، میں نے اس وقت جو کچھ کہا، اس سے مقصود تمہاری دینی شدت کو دیکھنا تھا۔ وہ میں نے دیکھ لی۔ یہ سن کر رومی لوگ سجدہ میں گر گئے اور اس سے بہت خوش ہوئے۔ ہرقل کی یہی آخری حالت رہی (جس پر اس کی موت ہوئی یعنی تاج و تخت کی محبت کو اس نے اسلام پر ترجیح دی)"۔ (بخاری)

سیرت دحلان میں ہے کہ اس کے بعد قیصر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب لکھا اور حضرت دحیہؓ کے حوالہ کیا۔ اس میں لکھا تھا:

انی مسلم ولکنی مغلوب و ارسل بھدیة.

"میں مسلمان ہوں لیکن مغلوب ہوں۔ ہدیہ ارسال خدمت کر رہا ہوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سن کر فرمایا کہ خدا کا دشمن جھوٹا ہے، وہ

مسلمان نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے ہدیہ کو مسلمانوں میں تقسیم کرا دیا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیصر نے تقریباً دو سال کے اندر ہی غزوۂ موتہ میں مسلمانوں سے جنگ کی۔

(۲)

پاپائے روم ضغاطر کے نام

طبقات میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو قیصر روم کے پاس روانہ فرمایا تھا تو عیسائیوں کے مشہور اسقف ضغاطر کے نام بھی (جو رومیہ میں تھا اور ان کا دینی پیشوا تھا اور تورات و انجیل کا عالم تھا) ایک دعوتی خط دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ رومیہ جا کر پہنچا دینا۔ دعوتی مکتوب کے الفاظ یہ تھے:

الی ضغاطر الاسقف

سلام علیٰ من امن۔ انا علی کثر ذالک فان عیسی بن مریم روح اللہ و کلمته القاھا الی مریم الذکیة وانی او من باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسٰے وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن له مسلمون --- تا --- والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ (الوثائق۔ ص ۳۲)

(ترجمہ) "پاپائے روم ضغاطر کے نام

سلام اس پر جو خدا پر ایمان لایا۔ میں اس عقیدہ پر ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اللہ کی روح اور کلمہ ہیں۔ خدا نے اس کو پاکدامن مریم پر القا کیا۔ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر جو مجھ پر نازل ہوا ہے اور جو حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی

اولاد پر اتارا گیا ہے اور جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ اور جملہ دیگر انبیاء اپنے پروردگار کی جانب سے دیے گئے۔ ہم ان میں بحیثیت نبوت باہم کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمان بردار ہیں۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔

ان تمام مراحل کے طے ہو جانے کے بعد جب حضرت دحیہؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات کی رپورٹ پیش کر دی۔ تو رپورٹ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد مات کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ۔ (مسلم شریف)

"کسریٰ مر گیا اور اب اس کسریٰ کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو گا تو اس قیصر کے بعد دوسرا قیصر نہیں ہو گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ اللہ کی راہ میں ان دونوں کے خزانوں کو خرچ کرو گے"۔

اس ارشاد نبوی ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز اور رومی سلطنت کے بادشاہ ہرقل کے بعد دونوں سلطنتوں کے اقتدار کا زوال ہو جائے گا اور تخت روم و ایران پر پھر کسی دوسرے شخص کو یہ عظیم الشان اقتدار نصیب نہ ہو گا۔ یہ حرف بحرف پورا ہوا اور اسی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی کہ عہد فاروقی میں ان دونوں سلطنتوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور ان دونوں سلطنتوں کے خزانے ان کے تصرف میں آئے اور اس کو انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ میں خرچ کیا۔

قیصر روم کی آخری کوشش: طبری میں ہے کہ شام سے جب ہرقل قسطنطنیہ واپس ہونے لگا تو ذمہ دار لوگوں کو ایک مرتبہ پھر اس نے سمجھایا اور نہایت دردمندانہ طریق پر ان کو توجہ دلائی:

"تم ذمہ دار لوگ اس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ ہماری مقدس کتابوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر موجود ہے اور جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ جس نبی موعود کے ہم لوگ منتظر ہیں، اس کے

مصداق یہی ہیں۔ ہمارے لیے ان کی پیروی مناسب ہے تاکہ ہماری دنیا و آخرت دونوں محفوظ ہو جائیں"۔

اس کا جواب ان لوگوں نے یہ دیا کہ یہ ذلت ہم گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ عربوں کے ماتحت ہو جائیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ہماری سلطنت بڑی ہے اور ہم ہی دنیا کی سب سے بڑی قوم ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا: اگر آج تم اس پر تیار نہیں ہو تو بہت جلد عربوں کے مقابلہ میں تم کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ یہ کہہ کر ہرقل ناراضگی کے ساتھ اٹھا اور قسطنطنیہ روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت شام کو حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھا اور کہا: "اے سوریہ! ہمیشہ کے لیے میں تجھ سے رخصت ہوتا ہوں"۔

ایک ضروری تنبیہہ: قیصر روم کے نام ایک دعوتی خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے علاوہ اور بھی ہے جو ۷ھ کا نہیں ہے بلکہ یہ دوسرا خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے نام ۹ھ میں تبوک سے لکھا تھا۔ صحیح ابن حبان میں اس کی تصریح ان الفاظ میں ہے:

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الیہ ایضا من تبوک یدعوہ وانہ قارب الاجابۃ ولم یجب۔

(سیرت دحلان۔ ص ۱۷۱، ج ۲)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو تبوک سے بھی خط لکھا۔ اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ قبول کرنے کے قریب ہو گیا مگر قبول نہیں کیا"۔

قیصر کے نام حضور ﷺ کا دوسرا مکتوب: اس دوسرے مکتوب کے الفاظ یہ ہیں:

من محمد رسول اللہ الی صاحب الروم۔ انی ادعوک الی الاسلام فان اسلمت فلک ما للمسلمین وعیک ما علیھم۔ فان لم تدخل فی الاسلام فاعط الخیریۃ فان اللہ تبارک یقول۔ قاتلوا الذین لا

يومنون بالله ولا باليوم الاخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون - والا فلا تحل بين الفلاحين وبين الاسلام ان يدخلوا فيه او يعطوا الجزيه -

(الوثائق السیاسیہ - ص ۳۰)

(ترجمہ) "اللہ کے رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے بادشاہ روم کے نام۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو وہ سارے مفاد تم کو حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور وہ ساری ذمہ داریاں تم کو ہوں گی جو ان پر ہیں۔ اگر تم اسلام میں داخل نہیں ہوتے ہو تو جزیہ دو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر' نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین پر عمل پیرا ہیں تو ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

اور اگر تم کو یہ بھی منظور نہیں ہے تو تم اسلام اور اپنی رعایا کے درمیان حائل نہ ہو۔ وہ لوگ چاہے اسلام میں داخل ہوں یا جزیہ دیں"۔

(۳)

کجکلاہ خسرو پرویز کسریٰ فارس کے نام

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام مکتوب نبوی ﷺ لے جانے کا شرف حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو بخشا گیا تھا' اس لیے کہ وہ کسریٰ کے

پاس بہت آیا جایا کرتے تھے۔ چلتے وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ کو حکم ہوا کہ اس عالمی دعوت کے پیغام کو لے کر وہ بحرین جائیں اور بحرین کے حاکم کے توسط سے اس کو خسرو پرویز تک پہنچائیں۔ حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بحرین گئے اور حاکم بحرین منذر کے توسط سے ایران کے پایہ تخت "مدائن" پہنچ کر' خود سے مکتوب نبوی ﷺ کو خسرو پرویز کسریٰ فارس کے سامنے تخت پر رکھ دیا۔

خسرو پرویز کے حکم پر ترجمان آیا۔ اس نے مکتوب نبوی ﷺ کو پڑھا۔ پیغام رسالت کے الفاظ یہ تھے:

بسم الله الرحمن الرحيم - من محمد رسول الله الى كسرىٰ عظيم فارس - سلام على من اتبع الهدىٰ وآمن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا - اسلم تسلم فان ابيت فعليك اثم المجوس -

(ترجمہ) "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔ جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس پر سلام ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ تمام انسانوں کی طرف۔ تاکہ جو لوگ زندہ ہیں' خدا کا رسول ان کو خدا کا خوف دلائے۔ اسلام قبول کرو سلامتی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔ اگر انکار کرو گے تو تمام مجوس کی گمراہی کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا"۔

مکتوب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ عجم کے اس دستور کے خلاف تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے' اس میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ مکتوب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے اللہ کا نام تھا' پھر عرب کے دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا' اس کے بعد کسریٰ کا ذکر تھا۔ کسریٰ اپنے نام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر غضب ناک ہو گیا اور گرج کر چیخا اور خط کو پڑھے جانے سے پہلے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور حکم دیا کہ خط لانے والے کو نکال دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ دربار میں سے نکال دیے گئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے جب اس صورت حال کو دیکھا تو اپنی سواری پر بیٹھے اور وہاں سے چل پڑے۔ جب کسریٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے کہا کہ خط لانے والے کو حاضر کرو۔ کسریٰ کے آدمیوں نے ان کو ڈھونڈا مگر پتہ نہ چلا۔ (سیرت حلبیہ۔ ص ۳۶۹، ج ۲) بخاری شریف میں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ ان لفظوں میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) عبداللہ بن حذافہ سہمی کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ بحرین کے گورنر کو یہ خط دے دیں۔ گورنر بحرین نے اس مکتوب نبوی ﷺ کو کسریٰ تک بھجوا دیا۔ جب کسریٰ نے اس کو پڑھا تو اس کو چاک کر دیا"۔ (باب کتاب النبیؐ)

سہیلی نے "روض الانف" میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب پر جب کسریٰ نے غضبناکی اور برہمی کا اظہار کیا تو حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے اہل دربار کے سامنے ایک برجستہ تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

دربار ایران میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی تقریر:

"اے اہل فارس! ایک عرصہ دراز سے تم جہالت کی زندگی گزار رہے ہو۔ نہ تو تمہارے پاس خدا کی کوئی کتاب ہے، نہ کسی نبی کا تم میں ظہور ہوا ہے۔ جس مملکت پر تم کو بے جا فخر ہے، یہ خدا کی زمین کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔ خدا کی اس روئے زمین پر تمہاری حکومت سے پہلے بہت بڑی بڑی حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور اے بادشاہ! تجھ سے پہلے بھی بہتیرے بادشاہ گزر چکے ہیں۔ ان میں سے جس نے آخرت کی زندگی کو مقصود بالذات بنایا، وہ دنیا سے کامران اٹھا اور بامراد گیا۔ اور جس نے دنیا کو مقصود بالذات بنایا، اس نے اپنی آخرت کو برباد کر دیا۔ افسوس! میں جس "دعوت حق" کو لے کر تیرے پاس آیا ہوں، تو نے حقارت سے اس کو ٹھکرا دیا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ نہ تو حق کی آواز تحقیر سے دب سکتی ہے اور نہ تیری تکذیب تجھ کو اعلان حق کی زد سے بچا سکتی ہے"۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ جب مدینہ منورہ پہنچے تو خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو

کر تمام واقعات عرض کر دیے۔ آپ ﷺ نے رپورٹ سن کر فرمایا: "مزق ملک کسریٰ" کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی یعنی اس بدبخت نے مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ:

فدعا علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یمزقوا کل ممزق۔ (باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ و قیصر)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ ایرانی لوگ (اللہ کی جانب سے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں"۔

ابو عبیدہ کی کتاب "الاموال" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کو خط لکھا تو کسریٰ نے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا (یعنی ترجمان سے پڑھوا کر سنا) تو اس نے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور قیصر نے جب پڑھا (یعنی پڑھوا کر سنا) تو اس کو لپیٹا اور بحفاظت رکھوا دیا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب واقعات کی رپورٹ ملی) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فارس کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے اور رومی لوگوں کے حصہ میں بقا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جواب سن کر کسریٰ کے متعلق فرمایا "مزق ملکہ" اور قیصر کے متعلق فرمایا "ثبت ملکہ"۔ (مواہب لدنیہ۔ ص ۲۹۱)

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے چلے آنے کے بعد خسرو پرویز نے اپنی غضب ناکی اور برہمی میں صوبہ یمن کے گورنر "باذان" کو فرمان بھیجا کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ قریش کے کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم جاؤ اور اس سے کہو کہ اپنے دعویٰ سے باز آ جائے اور توبہ کرے ورنہ اس کا سر کاٹ کر بھیج دو۔ اس نے میری جناب میں ایسا خط لکھا ہے کہ اس کی ابتداء اپنے نام سے کی ہے، حالانکہ وہ میرا غلام ہے۔ (سیرت دحلان۔ ص ۳۶۹، ج ۲)

باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور خرخرہ نامی ایک اہل فارس کو کسریٰ کا خط دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور یہ خط لکھا کہ آپ ﷺ ان دونوں کے ساتھ دربار کسریٰ میں حاضر ہوں۔ یہ دونوں وہاں سے روانہ ہو کر طائف پہنچے۔ وہاں قریش کے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس سے ان لوگوں نے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ یہ دونوں مدینہ
پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ شہنشاہ کسریٰ نے مجھ کو
گورنر باذان کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کے پاس ایسے آدمی کو بھیجے جو آپ کو کسریٰ کے
پاس لے آئے۔ اور ہم لوگ اسی کام کے لیے آپ کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ اگر آپ
تعمیل حکم نہیں کریں گے تو وہ آپ کو اور آپ کے ملک کو تباہ کر دے گا۔ یہ لوگ فارس
کے رواج کے موافق ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھے۔ آپ
ﷺ کی طبیعت پر ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے میں گرانی ہوئی اور فرمایا کہ یہ صورت
اختیار کرنے کا حکم تم کو کس نے دیا؟ انہوں نے کہا: ہمارے رب (آقا) کسریٰ نے۔ اس
پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے رب (پروردگار) نے مجھ کو ڈاڑھی
بڑھانے اور مونچھ کٹانے کا حکم دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں آج
جاؤ، کل آنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ کسریٰ
(خسرو پرویز) پر اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے (شیرویہ) کو مسلط کر دیا ہے۔ وہ اپنے باپ
خسرو پرویز کو ۱۰ جمادی الاولیٰ شب سہ شنبہ ۷ھ کو قتل کر دے گا۔ جب وہ دونوں پھر
بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو اس کی اطلاع دے دی
اور باذان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ:

ان الله قد وعدني ان يقتل كسرىٰ يوم كذا من
شهر كذا۔ (سیرت حلبیہ۔ ص ۳۶۹، ج ۲)

"لاریب اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینہ میں فلاں روز
قتل کر دیا جائے گا"۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط باذان کو ملا تو اس نے توقف سے کام لیا اور
کہا کہ اگر یہ نبی ہیں تو ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ پھر حسب اطلاع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
باذان کے نام شیرویہ کا یہ خط پہنچا:

"امابعد۔ میں نے خسرو پرویز کسریٰ کو قتل کر دیا اور یہ میں نے فارس کے
مفاد کے لیے کیا، اس لیے کہ اس نے فارس کے معزز لوگوں کو ناحق قتل کیا
تھا، جس کی وجہ سے رعایا میں انتشار و اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ جب میرا یہ خط
تم کو ملے تو میری جانب سے وفاداری کا عہد لوگوں سے لو اور جس شخص کے

بارے میں کسریٰ نے تم کو لکھا تھا، جب تک میرا کوئی حکم تم کو نہ ملے، اس
سے تعرض نہ کرو"۔

جب باذان کو شیرویہ کا یہ خط ملا تو اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ مشرف
باسلام ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کی
اطلاع دے دی۔ (سیرت حلبیہ۔ ص ۳۶۹، ج ۲)

(۴)

ہرمزاں شاہ رامہرمز کے نام

"فتح الباری" میں علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے شاہ ہرمزاں کے نام دعوت نبوی
ﷺ کا ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

من محمد عبدالله و رسوله الى الهرمزان۔ انى
ادعوك الى الاسلام۔ اسلم تسلم۔

(ترجمہ) "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا
رسول ہے۔ ہرمزاں کے نام۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام
قبول کر اور سلامتی سے ہمکنار ہو جا"۔

"الوثائق السیاسیہ" میں اس کی تخریج "اصابہ" سے کی گئی ہے۔ اس کی ابتداء
"من محمد رسول اللہ الی الهرمزان" سے ہے۔ اس میں "عبداللہ و رسولہ" کے الفاظ
نہیں ہیں۔ ہرمزان خاندان شاہی کا ایک شاہزادہ تھا جس کی حکومت فارس کے محدود
علاقہ میں تھی۔ مکتوب نبوی ﷺ کون لے کر گیا؟ ہرمزان نے کیا جواب دیا اور کیا اثر
لیا؟ اس کا پتہ نہیں۔ تاریخی واقعات یہ بتاتے ہیں کہ اس نے عہد نبوت میں اسلام قبول
نہیں کیا۔ "الفاروق" میں علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
کے عہد خلافت میں اس نے اسلام قبول کیا، جس کی صورت یہ ہوئی:

"شوشتر" کی جنگ میں ہرمزان نے اپنے قلعہ سے اس شرط پر اترنا قبول کیا کہ

حضرت عمرؓ کے پاس اس کو بھیج دیا جائے اور جو کچھ فیصلہ ہو، حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے ہو۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے، جو سپہ سالار تھے، اس شرط کو منظور کر لیا اور حضرت انسؓ کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزاں جب حضرت عمرؓ سے ملے تو کیا ہوا؟ اب "الفاروق" کی زبان سے سنیئے:

"قادسیہ (کی جنگ کے بعد) ہرمزان نے کئی دفعہ "سعدؓ" سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔ شوشتر کے معرکہ میں دو بڑے بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزاں کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا، تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دے دی۔ اس نے کہا: عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا، تم ہمارے غلام تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں، مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لیے اس شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزاں نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی سے اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے"۔

(ص ۱۶۴)

(۵)

عزیزِ مصر مقوقس کے نام

"مقوقس" دراصل قبطی النسل تھا جو مصر کے اصلی باشندے تھے۔ اس کا نام جیسا کہ

مواہب لدنیہ میں ہے "جریج" تھا۔ اس کا لقب مقوقس تھا۔ رومتہ الکبریٰ کے جارحانہ عزائم سے قبطیوں نے عیسائیوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ مقوقس جو رومتہ الکبریٰ کی جانب سے مصر کا نائب السلطنت تھا، اس نے بھی مسیحی دین اختیار کر لیا تھا اور عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا۔ اس کا دار السلطنت مصر کا مشہور شہر "اسکندریہ" تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ میں جب شاہان عجم کو عالمی دعوت کے سلسلہ میں نامہ مبارک لکھا، تو مقوقس کے نام بھی لکھا اور ارشاد فرمایا کہ:

یا ایها الناس ایکم ینطلق بکتابی هذا الی صاحب مصر و اجره علی الله۔ (سیرت دحلان)

"لوگو! تم میں کون سا شخص بادشاہ مصر کے پاس میرا مکتوب لے کر جائے گا۔ اس کا اجر اللہ کی جانب سے اس کو ملے گا"۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے عرض کی کہ اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ حاطب! اللہ کی برکت تمہارے شامل حال ہو۔ حضرت حاطبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکتوب نبوی ﷺ لیا اور آپ سے رخصت ہو کر گھر پہنچے اور گھر والوں سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے اور سیدھے مصر پہنچے۔ جب وہاں مقوقس کو نہیں پایا تو اسکندریہ گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقوقس اپنے خصوصی ارکان کے ساتھ دریائے نیل میں تفریح خاطر کے لیے کشتی پر سیر میں مشغول ہے۔ حضرت حاطبؓ بھی ایک کشتی پر بیٹھ گئے۔ جب آمنا سامنا ہوا تو خط دکھلایا۔ مقوقس نے حکم دیا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب حضرت حاطبؓ پہنچے تو خط پیش کر دیا۔ مکتوب نبوی ﷺ کے الفاظ مبارک یہ تھے:

بسم الله الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول الله الی المقوقس عظیم القبط۔ سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوك بداعیة الاسلام۔ فاسلم تسلم۔ یوتك الله اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم القبط۔ یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله و لا

نشرک به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

(ترجمہ) "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کے نام۔ اما بعد۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو۔ سالم و محفوظ رہو گے۔ اللہ تجھ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو قبطیوں کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا۔

اے اہل کتاب! آؤ! اس کلمہ کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک بنائیں اور نہ باہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب بنائیں مگر وہ لوگ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ ہم لوگ خدا ہی کے ماننے والے ہیں"۔

مقوقس نے خط سن کر حکم دیا کہ اس کو ہاتھی کے دانت کی ڈبیہ میں رکھ کر خزانہ میں محفوظ کردو۔

اثناء گفتگو میں مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے اعتراض کیا کہ اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں تو کیوں نہیں انہوں نے اپنی قوم کے ان مخالفین کے لیے بددعا کی جنہوں نے ان کو اپنے وطن سے بے وطن کردیا؟--- حضرت حاطبؓ نے برجستہ جواب دیا:

"کیا تم کو اس کا اعتراف نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں؟--- تو انہوں نے اپنی قوم کے لیے جب انہوں نے ان کو اذیت دی اور صلیب پر چڑھانے کا ارادہ کیا' کیوں بددعا نہیں کی کہ اللہ ان کو ہلاک کردے!"

مقوقس نے کہا "بہت خوب! تم خود بھی دانا ہو اور جس کے پاس سے آئے ہو وہ بھی دانا ہیں"۔ حضرت حاطبؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور برجستہ یہ تقریر کی:

حضرت حاطبؓ کی تقریر:

"آپ ﷺ سے پہلے یہاں ایک شخص فرعون گزرا ہے جو اپنے کو "رب اعلیٰ" (بڑا خدا) سمجھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت کے نکال (عذاب) میں مبتلا کردیا۔ پس اس واقعہ کو اپنے لیے عبرت بنائے اور اپنی ذات کو دوسروں کے لیے عبرت گاہ نہ بنائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو قریش نے ان پر سخت برتاؤ کیا اور یہود ان کے

سب سے بڑے دشمن ہوگئے اور اہل کتاب میں "نصاریٰ" ان سے قریب تر ہوگئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہے۔ قرآن کی طرف آپ کو ہماری دعوت اسی طرح ہے جس طرح اہل تورات کو آپ کی انجیل کی طرف...... ہے۔ جو بھی نبی جس قوم کو اپنی بعثت کے وقت میں پاتا ہے' وہ اس کی امت ہوتی ہے اور اس پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ ان لوگوں میں ہیں جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کے عہد میں پایا ہے۔

ہم آپ کو مسیحی دین سے روکتے نہیں ہیں بلکہ اس پر عمل درآمد کے لیے کہتے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت انجیل کی بشارت اور توحید کی طرف عمل کے لیے توجہ دلاتے ہیں"۔

مقوقس نے حضرت حاطبؓ کی تقریر سن کر کہا کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بارے میں غور کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ نہ تو قابل قبول امر کا حکم کرتے ہیں اور نہ قابل قبول امر سے روکتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسی باتوں کا حکم کرتے ہیں جن کو عقل سلیم پسند کرتی ہے اور ایسی باتوں سے روکتے ہیں جن سے عقل سلیم نفرت کرتی ہے۔ میں ان کو نہ ضرر پہنچانے والا ساحر سمجھتا ہوں' نہ ان کو جھوٹا کاہن سمجھتا ہوں۔ میں ان میں نبوت کی علامتیں پاتا ہوں۔ میں اس پر غور کروں گا۔ (سیرت وحلان۔ ص ۱۷۳' ج ۲)

مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو چند روز مہمان رکھا۔ پھر حسب ذیل جواب دیا:

عزیز مصر مقوقس کا جواب:

لمحمد بن عبداللہ من المقوقس عظیم القبط۔ سلام علیک۔ اما بعد۔ فقد قرات کتابک و فهمت ما ذکرت فیه وما تدعوا الیه وقد علمت ان نبیا قد بقی و کنت اظن انه یخرج بالشام۔ وقد اکرمت رسولک و بعثت الیک بجاریتین لهما مکان فی القبط عظیم

و بکسوة واھدیت الیک بغلة لترکبھا والسلام علیک۔

(ترجمہ) "محمد بن عبداللہ کی خدمت میں قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے۔ امابعد۔ میں نے آپ کے خط کو پڑھا اور جس بات کی آپ نے دعوت دی ہے اور جو کچھ خط میں لکھا ہے میں نے سمجھا۔ بے شک مجھ کو علم ہے کہ ایک نبی کی بعثت باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کا ظہور شام میں ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت و مکرمت کی اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کر رہا ہوں جن کی قبطیوں میں بڑی عزت ہے اور آپ کے لیے کپڑے بھیج رہا ہوں اور ایک خچر آپ کی سواری کے لیے ہدیہ ہے۔ والسلام علیک۔

سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حاطبؓ کی مکرمت انہوں نے یہ کی کہ رخصت کے وقت ان کو سو اشرفی اور پانچ کپڑے دیئے تھے۔ یہ دونوں لڑکیاں جو انہوں نے بھیجی تھیں، ایک کا نام "ماریہ" اور دوسری کا نام "سیرین" تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیس کپڑے بھیجے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف اقوال کی بنا پر ہدایا کی ایک لمبی فہرست مذکور ہے۔ مثلاً عطریات، عمامے، ہزار مثقال سونا، پانی پینے کے شیشے کے پیالے، قیسر نامی ایک اور لڑکی، اس کے علاوہ بریرہ نامی ایک سیاہ فام لڑکی، ایک سیاہ فام لڑکا جس کا نام "مابور" یا "ماہور" تھا۔ ایک گدھا، ایک گھوڑا، کچھ شہد، ایک مربع (ڈبیہ) جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرمہ دانی، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی، مسواک وغیرہ رکھا کرتے تھے۔

سیرت حلبیہ میں یہ بھی ہے کہ مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک "طبیب" بھی بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واپس ہو جانے کا مشورہ دیا اور سمجھایا کہ ہم لوگ اس وقت تک نہیں کھاتے ہیں جب تک خوب بھوک نہ لگے اور جب بھی کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے ہیں۔ (ص ۳۷۳، ج ۲)

سیرت دحلان میں ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے کہا کہ چند باتیں رہ گئیں جن کو میں پوچھ نہ سکا۔ "کیا ان کی آنکھوں میں سرخی رہتی ہے؟" حضرت حاطبؓ نے

کہا "ہاں، ہمیشہ رہتی ہے"۔ پھر پوچھا "ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہے؟ وہ گدھے پر سوار ہوتے ہیں؟ وہ عمامہ باندھتے ہیں؟ کھجور اور سوکھی روٹی پر اکتفا کر لیتے ہیں؟ اپنے خاندان والوں سے جو تکلیف انہیں پہنچتی ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے ہیں؟"۔۔۔ حضرت حاطبؓ نے کہا کہ "یہ تمام باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں"۔

یہ سن کر مقوقس نے کہا کہ "میں یقین کرتا تھا کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے اور میرا گمان تھا کہ اس کا ظہور شام میں ہو گا، جہاں آپ سے پہلے نبیوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اب میں نے سمجھا کہ اس کا ظہور عرب ایسی بنجر زمین میں ہوا۔ اس کی اتباع پر قبطی ہمارے وفادار نہیں رہیں گے اور میرا دل مصر کی سلطنت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ان شہروں پر ان کا غلبہ ہو گا۔ ان کے اصحاب یہاں رہیں گے اور جو کچھ یہاں ہے اس پر قابض ہو جائیں گے"۔ (ص ۱۷۴، ج ۲)

اس تمام گفتگو کے بعد مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے کہا "اب تم لوٹ جاؤ اور ہماری گفتگو کا ایک حرف بھی تم سے قبطی لوگ نہ سنیں"۔ حضرت حاطبؓ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو مقوقس نے حفاظت کے لیے ایک فوجی دستہ ساتھ کر دیا۔ یہاں تک کہ میں جزیرۃ العرب میں داخل ہو گیا اور وہاں مجھ کو شام کا ایک قافلہ مل گیا جو مدینہ منورہ جا رہا تھا۔ میں قافلہ کے ساتھ ہو گیا اور فوجی دستہ واپس ہو گیا۔ (ص ۱۷۴، ج ۲)

جب حضرت حاطبؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو مقوقس کا جواب اور اس کے ہدایا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور مقوقس سے جو گفتگو ہوئی اس کی رپورٹ سنائی تو اس کے ہدایا کو قبول فرما لیا اور ارشاد فرمایا کہ بدنصیب کا دل سلطنت کی محبت میں مبتلا ہو گیا حالانکہ سلطنت ناپائیدار چیز ہے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا اس نے خود اعتراف کیا تھا۔ ۱۶ھ میں مصر اسلام کے مفتوحہ ممالک میں داخل ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحیثیت فاتح، مصر کے میدانوں میں اترے اور جو کچھ تھا اس پر قبضہ کر لیا۔

سیرت دحلان میں اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور مقوقس کا ایک واقعہ لکھا ہے جو ان کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کا ہے۔ حضرت مغیرہ کا بیان ہے کہ ثقیف کی ایک جماعت کے ساتھ ہم مقوقس کے دربار میں گئے ہوئے تھے تو مقوقس نے پوچھا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کے بارے میں تم لوگوں کا کیا برتاؤ رہا؟"

لوگوں نے جواب دیا: "ہم میں سے کسی نے اس کی اتباع نہیں کی"۔

مقوقس نے پھر پوچھا: "خود اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟"

لوگوں نے کہا: "کچھ نوجوان لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے"۔

مقوقس نے پھر سوال کیا: "وہ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟"

لوگوں نے بتایا: "وہ کہتا ہے کہ ہم فقط ایک خدا کی عبادت کریں اور آباؤ اجداد جن کی پوجا کرتے آئے ہیں، ان کو چھوڑ دیں۔ اور وہ نماز کی، زکوٰۃ کی، صلہ رحمی کی، ایفائے عہد کی دعوت دیتے ہیں۔ زنا، سود اور شراب کو حرام کہتے ہیں"۔

مقوقس نے یہ ساری باتیں سن کر کہا کہ "یہ اللہ کے نبی ہیں جن کی بعثت ساری دنیا کے لوگوں کے لیے ہوئی ہے اور جب اسلام کا سیلاب قبطیوں اور رومیوں تک پہنچے گا تو یہ لوگ ان کی اتباع کریں گے اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے۔ پھر جو اوصاف ان کے تم لوگ بیان کرتے ہو، ان سے پہلے گزشتہ انبیاء کے یہی اوصاف تھے۔ آخر کار کامیابی ان ہی کو ہوگی اور ان سے کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں رہے گا اور ان کے دین کا غلبہ وہاں تک ہوگا جہاں تک انسان اپنی سواری سے پہنچ سکے گا"۔

یہ سن کر ثقیف والوں نے کہا کہ "اگر دنیا کے تمام لوگ اسلام قبول کرلیں گے پھر بھی ہم اسلام میں داخل نہ ہوں گے"۔

مقوقس نے یہ جواب سن کر سرہلایا اور کہا کہ "تم لوگ ہنوز لہو و لعب میں مبتلا ہو اور اس کو مذاق سمجھ رہے ہو"۔ پھر قیصر روم ہرقل کی طرح مقوقس نے اور چند سوالات کیے، پھر اس کے بعد یہ پوچھا کہ "مدینہ کے یہودیوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ "یہودیوں نے اس کی مخالفت کی اور اس سے جنگ کی"۔

مقوقس نے کہا کہ "ان لوگوں نے حسد سے کام لیا ورنہ وہ لوگ ان کو اسی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جس طرح ہم جانتے اور پہچانتے ہیں"۔ (ص ۱۷۴، ج ۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جب اسکندریہ سے واپس ہوئے تو ان کے دل پر اسلام کی صداقت اور آپ ﷺ کی حقانیت کا بے حد اثر ہوا۔ راہ میں جب کوئی کنیسہ اور گرجا ملتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش

کرتے۔ بالآخر حسن اتفاق سے ایک بڑے عیسائی عالم سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ اس سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے جو گفتگو ہوئی، اس کا حاصل حسب ذیل ہے:

مغیرہ: "کیا تم کو کسی نبی کے ظہور کا انتظار ہے۔ اگر ہے تو تمہاری کتابوں میں اس کی صفات کیا ہیں؟"

عیسائی عالم: "بے شک ہم لوگوں کو ایک نبی کے ظہور کا انتظار ہے۔ وہ خاتم النبین ہوگا۔ ہم کو عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو ہم ان کی اتباع کریں۔ وہ نبی امی اور عربی ہوں گے۔ ان کا نام احمد ہوگا۔ ان کا حلیہ اور صفات یہ ہوں گی:

میانہ قد ہوگا۔ بڑی بڑی آنکھیں، جن میں سرخ سرخ ڈورے ہوں گے۔ سرخ و سپید رنگ ہوگا۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہنیں گے۔ معمولی غذا کھائیں گے۔ بڑی سے بڑی طاقت سے بھی خوف نہ کھائیں گے۔ ان سے جو جنگ کرے گا، وہ بھی اس سے جنگ کریں گے۔ ان کے ادنیٰ اشارہ پر ان کے صحابی اپنی جان نثار کردیں گے۔ ان کو اپنی اولاد، ماں باپ اور بھائیوں سے زیادہ محبوب رکھیں گے۔ ایک حرم (مکہ مکرمہ) سے ہجرت کرکے دوسرے حرم (مدینہ منورہ) میں قیام کریں گے، جس کی زمین پتھریلی ہوگی اور وہاں بکثرت کھجوروں کے درخت ہوں گے۔ ان کا دین، دین ابراہیمی ہوگا۔ تہبند اونچا باندھیں گے۔ ان کی بعثت عام ہوگی یعنی عالمی دعوت لے کر اٹھیں گے اور اس کا پرچار کریں گے"۔

ان باتوں کا اثر حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ پر نہایت گہرا پڑا اور یہی باعث بنا کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔ (حسن المحاضرہ للسیوطی)

(٦)

شاہ حبش نجاشی اصحمہ کے نام

یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ شاہ حبش نجاشی کے یہاں مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر حضرت عمرو بن امیتہ الضمری گئے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کے یہ پہلے قاصد تھے جو اسلامی دعوت لے کر دربار نجاشی میں گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو دو خط تحریر فرمائے تھے۔ ایک خط میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور دوسرے خط میں یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ وہ حضرت ام حبیبہؓ کا عقد آپ ﷺ سے کر دیں اور ان مہاجرین کو بھیج دیں جو اب تک حبشہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ان دونوں خطوں کے لے جانے والے حضرت عمرو بن امیہ الضمری ہیں۔ ہو سکتا ہے دونوں خط یکے بعد دیگرے لے گئے ہوں یا دونوں خط ایک ساتھ ہی لے گئے ہوں اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خطوں کا مضمون الگ الگ تھا' دونوں کا جواب بھی نجاشی نے الگ الگ دیا اور دعوت اسلام کے جواب میں جو خط نجاشی نے لکھا' اس میں عقد اور مہاجرین کے بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

سیرت وحلان میں ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ الضمری جب دربار حبش میں مکتوب نبوی ﷺ لے کر پہنچے تو مکتوب گرامی پیش کرتے ہوئے انہوں نے نجاشی کو' جس کا نام "اصحمہ" تھا' خطاب کر کے برجستہ تقریر کی۔

دربار حبش میں حضرت عمرو بن امیہ کی تقریر:

"اے اصحمہ! میرے ذمہ دعوت حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمہ دعوت حق کی سماعت ہے۔ آپ کی جو مہربانیاں ہم لوگوں پر رہی ہیں' اس اعتبار سے آپ گویا ہمارے ہی ایک فرد ہیں اور جس قدر آپ کی ذات کے ساتھ ہم لوگوں کا وثوق و اعتبار وابستہ رہا ہے' اس لحاظ سے گویا ہم آپ ہی کی جماعت کے ایک شخص ہیں۔ ہم نے جس بھلائی کی آپ سے امید کی' ہم اس سے بہرہ مند اور متمتع ہوئے اور آپ کی جانب سے جس خطرہ کا بھی ہم اندیشہ کر سکتے تھے' ہم اس سے بالکل امن میں رہے۔ ہماری طرف سے آپ پر انجیل حجت قطعی ہے اور آپ کے درمیان انجیل ایسا شاہد ہے جس کی شہادت رد نہیں کی جا سکتی اور ایسا حاکم ہے جس سے ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس نبی (عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی میں سراسر خیر و برکت کی توقع ہے اور فضیلت و بزرگی کی بہرہ مندی ہے۔ اگر آپ نے اس پیغمبر عالم

ﷺ کی پیروی نہیں کی تو آپ کے انکار کی مثال عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں یہودیوں جیسی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ذمہ دار انسانوں کی طرف اپنے قاصدوں کو دعوت اسلام کے لیے بھیجا ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے ہے' وہ امید دوسروں سے نہیں ہے اور جس بات کا اندیشہ ان سے ہے' اس کے متعلق آپ سے پورا اطمینان ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر کا لحاظ رکھیں گے"۔ (ص ۱۷۲' ج ۱)

اصحمہ حضرت عمرو بن امیہؓ کی اس پراثر تقریر اور فصیح و بلیغ اور دلیرانہ موعظت سے بہت متاثر ہوا اور برجستہ بلا تردد اس کا اظہار کیا:

"بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ وہی "نبی امی" ہیں جن کے ظہور کا ہم اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ بے شک جس طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت صحیح ہے' اس بارے میں میرے لیے مشاہدہ اور خبر دونوں برابر ہیں۔ لیکن اہل حبش میں میرے مددگار بہت کم ہیں' اس لیے تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنی قوم میں کافی مددگار پیدا کر لوں اور ان کے قلوب میں نرمی پیدا کر لوں"۔ (مواہب لدنیہ۔ ص ۲۹۲)

یہ کہہ کر نجاشی تخت شاہی سے نیچے اترا اور مکتوب نبوی ﷺ کو لے کر چوما' آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا۔ مکتوب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی عبارت یہ تھی:

مکتوب نبوی ﷺ بنام نجاشی

من محمد رسول الله الى النجاشى ملك الحبشة۔ اما بعد۔ فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو الملك القدوس السلام المومن المهيمن۔ واشهد ان عيسٰى بن مريم روح الله و كلمته القاها الى مريم البتول الطيبة الحصينة فحملت بعيسى فخلقه من روحه و نفخه كما خلق ادم بيده۔ وانى ادعوك الى الله وحده لا شريك له والموالاة

علی طاعته وان تتبعنی وان تومن بالذی جاء نی۔ فانی رسول الله۔ وانی ادعوک وجنودک الی الله تعالیٰ۔ وقد بلغت و نصحت فاقبلوا نصیحتی۔

(مواہب لدنیہ۔ ص ۲۹۲)

(ترجمہ) "اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ امابعد! میں اس خدا کی حمد تجھ پر پیش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی حقیقتاً مالک اور بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ سلامتی دینے والا ہے۔ امان دینے والا ہے۔ نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اللہ کی روح ہیں۔ اس کا کلمہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک دامن' برائیوں سے محفوظ' مریم بتول کی طرف ڈالا۔ پس مریم علیہما السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح اور اپنے نفخ (پھونک) سے پیدا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں تجھ کو خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور جو چیز خدا کی جانب سے میرے پاس آئی ہے' اس پر ایمان لائے۔ اس لیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تجھ کو اور تیرے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے تبلیغ کردی اور خیر خواہانہ نصیحت کردی۔ پس تم لوگ نصیحت کو قبول کرو"۔

جب مکتوب نبوی ﷺ پڑھا گیا تو نجاشی نے جواباً یہ تحریر لکھوائی:

مکتوب نجاشی شاہ حبش بجواب دعوت اسلام

الی محمد رسول الله من النجاشی اصحمه۔ سلام علیک یا رسول الله و رحمة الله و برکاته۔ الله الذی لا اله الا هو۔ اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول الله فیما ذکرت من امر عیسیٰ۔ فو رب السماء والارض ان عیسیٰ لا یرید علی ما ذکرت تفروقا انه

کما ذکرت و قد عرفنا ما بعثت به الینا فاشهد انک رسول الله صادقا مصدقا۔ وقد بایعتک وبایعت ابن عمک واسلمت علیٰ یدیه لله رب العالمین۔ الخ

(مواہب۔ ص ۲۹۲)

(ترجمہ) "اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اصحمہ نجاشی کی جانب سے۔ یارسول اللہ! سلام علیک و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اللہ کی ذات ایسی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد یارسول اللہ! آپ کا مکتوب مجھ کو مل گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ آپ نے (اپنے خط میں) ذکر فرمایا ہے' آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ بے شک وہ ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ ہم نے ان تمام باتوں کو سمجھ لیا جو آپ نے ہم تک پہنچائی ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ کی (الہامی کتابوں میں) تصدیق کی گئی ہے۔ میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے بیعت کرلی اور اسلام قبول کرلیا"۔

نجاشی شاہ حبش کے نام دوسرا مکتوب نبوی ﷺ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خط کے متعلق طبقات ابن سعد میں حسب ذیل تصریح ہے:

"دوسرے خط میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو حکم فرمایا ہے کہ آپ کا نکاح وہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب سے کردے۔ یہ ام حبیبہؓ اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کرگئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر عبیداللہ بن جحش (العیاذ باللہ) نصرانی ہوگیا اور مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط میں یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ مہاجرین کو مدینہ بھیج دو۔ نجاشی نے دونوں احکام کی تعمیل کی۔ حضرت ام حبیبہؓ کا آپ ﷺ سے نکاح کردیا اور چار سو دینار مہر میں دیے اور مہاجرین مسلمین کی ضروریات اور سامان سفر کا حکم دیا اور عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں سوار کرادیا"۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ بھیجا اور لکھا:

قد بعثت الیک بابنی- وان شئت اتیتک بنفسی- فعلت یارسول الله فانی اشهد ان ما تقوله حق والسلام علیک و رحمة الله و برکاته-

"میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو روانہ کر دیا۔ اگر آپ ﷺ کی مرضی ہو کہ میں خود حاضر خدمت ہوں تو یارسول اللہ میں آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ ﷺ پر اللہ کی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو"۔

لیکن جب سفینہ وسط دریا میں پہنچا تو ڈوب گیا۔ حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ستر آدمی تھے۔ سب کے سب صوف کے کپڑے پہنے تھے۔ ان میں چھیاسٹھ آدمی اہل حبشہ سے تھے اور آٹھ اہل شام سے تھے۔ جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ یٰسین ان پر تلاوت فرمائی، جس کو سن کر وہ سب لوگ بے اختیار رو پڑے اور سب کے سب ایمان لے آئے اور کہا یہ تو بعینہٖ وہی چیز ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ (مواہب- ص ۲۹۲)

(۷)

شاہ یمامہ ہوذہ بن علی الحنیفی کے نام

"یمامہ" عہد نبوت میں ایرانی حکومت کا صوبہ تھا اور کسریٰ کے زیر اقتدار عربی حکام گورنری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب سولہ مرحلہ پر تھا۔ اس وقت وہاں کا گورنر ہوذہ بن علی الحنیفی تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیط بن قیس عامری انصاری کو مکتوب نبوی ﷺ دے کر اس کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے وہ اکثر و بیشتر یمامہ آتے جاتے رہتے تھے۔

مکتوب بنام ہوذہ بن علی

بسم الله الرحمٰن الرحیم- من محمد رسول الله الٰی هوذه بن علی- سلام علی من اتبع الهدیٰ- واعلم ان دینی سیظهر الٰی منتهی الخف والحافر- فاسلم تسلم واجعل لک ما تحت یدیک- (طبقات ابن سعد)

"اللہ کے رسول محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ تم پر واضح ہو کہ میرا دین عرب و عجم کی حدود تک غالب ہو کر رہے گا۔ اس لیے تم اسلام قبول کر لو اور سلامتی سے ہمکنار ہو جاؤ۔ تمہارا ملک تمہارے قبضہ میں رہے گا"۔

حضرت سلیطؓ یمامہ پہنچے اور شاہ یمامہ ہوذہ کو مکتوب نبوی ﷺ پیش کر دیا۔ سیرت وحلان میں سہیلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سلیطؓ نے شاہ یمامہ کو خطاب کر کے یہ تقریر فرمائی:

شاہ یمامہ کے دربار میں حضرت سلیطؓ کی تقریر

"ہوذہ! تم بڑی سیادت کے مالک ہو، جو برباد ہو جانے والی ہے۔ اور تیرے پیشرو بہت سے جہنم میں ہیں۔ سردار وہی ہے جو ایمان سے مشرف ہو اور تقویٰ سے بہرہ مند ہو۔ تیری قوم تیری رائے و ہدایت سے سعادت حاصل کر سکتی ہے۔ لہٰذا تو اپنے کو شقاوت میں مبتلا نہ کر۔ میں تجھ کو بہترین چیز (اسلام) کی دعوت دیتا ہوں اور بدترین چیز (شرک و کفر) سے بچاتا ہوں۔ میں تجھ کو خدا کی عبادت کا امر کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت میں جنت ہے اور شیطان کی عبادت میں جہنم ہے۔ اگر تو میری نصیحت کو قبول کر لے گا تو اپنی مراد اور تمام توقعات سے بہرہ مند ہو جائے گا اور ہر طرح کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر تو انکار

کرے گا تو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی ذات پردہ کو ہٹا دینے والی ہے"۔ (ص ۷۷۱، ج ۲)

ہوذہ نے پوری متانت اور سنجیدگی سے تقریر سن کر یہ کہا:

"اے سلیط! مجھ کو خدا نے یہ سیادت دی ہے۔ اگر یہ سیادت خدا تجھ کو عنایت فرما دے تو تم کو بڑی شرافت حاصل ہو جائے۔ میں صاحب رائے ہوں۔ میں معاملات کو پرکھتا ہوں۔ مجھ کو موقع دو کہ میں آخری فیصلہ کر سکوں۔ پھر میں ان شاء اللہ تعالیٰ تم کو جواب دوں گا"۔

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ چند روز جواب کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ پھر ہوذہ نے کچھ ہدایا دیے اور مکتوب نبوی ﷺ کا یہ جواب دیا:

ہوذہ بن علی کا جواب

ما احسن ما تدعوا اليه واجمله وانا شاعر قومي وخطيبهم والعرب تهاب مكاني فاجعل لي بعض الامر اتبعك۔

(ترجمہ) "جس دین کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، بہت اچھا دین ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب ہمارے دبدبہ کا احترام کرتے ہیں۔ آپ مجھے اپنی حکومت میں شامل کر لیجیے تو میں آپ کی پیروی کروں گا"۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ ہوذہ کے دربار میں (دمشق کا) ایک بہت بڑا نصرانی عالم تھا جو ہوذہ کے جواب کے وقت موجود تھا۔ اس نے ہوذہ سے پوچھا کہ "تو نے اسلامی دعوت کیوں نہیں قبول کی"۔ ہوذہ نے کہا "میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لیتا تو (یہ خطرہ تھا کہ) اپنے ملک کا مالک نہ رہتا"۔ نصرانی عالم نے کہا "خدا کی قسم! اگر تم ان کی اتباع کر لیتے تو وہ تمہارے ملک کا مالک تم ہی کو بنا دیتے۔ یہ عرب کے "وہ نبی" ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور انجیل میں، جو ہم لوگوں کے پاس ہے، اس میں لکھا ہوا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ (ص ۶۷۳، ج ۲)

حضرت سلیطؓ جب مدینہ منورہ واپس آئے تو ہوذہ کے تحائف اور جواب خدمت نبوی ﷺ میں پیش کر دیا اور وہاں کی پوری رپورٹ سنا دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ایک چپہ زمین کا بھی اس طرح طالب ہوگا تو میں نہیں دوں گا۔ وہ اور اس کا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ قبول اسلام کے لیے یہ شرط اسلامی روح کے منافی ہے۔ یوں تو مکتوب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرما ہی دی تھی کہ تمہارا ملک تمہارے ہی قبضہ میں رہے گا۔ یعنی سلطنت و حکومت سے مجھ کو سروکار نہ ہوگا، لہٰذا اس اندیشہ کا یہ محل ہی نہ تھا کہ اتباع میں یہ خطرہ ہے کہ میں اپنے ملک کا بادشاہ نہ رہوں گا۔ اس بدبخت کی فہم نے باوجود صاحب رائے شاعر اور خطیب قوم ہونے کے اس کے ذہن کا امالہ اس طرف نہیں ہوا کہ اس اندیشہ اور خطرہ کا جواب تو مکتوب نبوی ﷺ میں موجود ہے۔

ہوذہ اس سعادت سے محروم رہا اور اس کا کفر پر خاتمہ ہوا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ آپ ﷺ جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر اطلاع دی کہ ہوذہ مر گیا۔ اسی موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور وہ میرے بعد قتل کر دیا جائے گا"۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ ہوذہ کی وفات ڈیڑھ سو سال کی عمر میں ہوئی۔

(۸)

شاہ دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کے نام

"حارث" قیصر کی جانب سے دمشق کا حاکم تھا اور "غوطہ" کے مشہور علاقہ میں رہتا تھا۔ یہ نہایت سرسبز جگہ تھی جہاں وافر مقدار میں پانی اور کثرت سے درخت تھے۔ اس کے پاس حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلامی کا مکتوب دے کر حضرت شجاع بن وہب اسدیؓ کو بھیجا۔ یہ سابقون اولون میں سے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یمامہ کی جنگ میں ان کی شہادت ہوئی۔

حضرت شجاعؓ کا بیان ہے کہ میں حارث کے پاس پہنچا تو وہ قیصر روم کی مہمانی کے انتظام میں مصروف تھا۔ میں حارث کے مکان میں دو تین دن ٹھہرا رہا۔ اس اثناء میں ایک حاجب سے ملاقات ہوئی جو رومی تھا اور اس کا نام مری تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا قاصد ہوں اور دعوت اسلامی لے کر آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ فلاں فلاں تاریخ تک تم اس سے مل نہیں سکتے ہو۔ وہ فلاں دن دربار کرے گا۔ چونکہ رابطہ قائم ہوگیا تھا' وہ ہم سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ ﷺ کی دعوت کے متعلق سوال کرتا رہتا تھا' میں اس کو بتا تا رہتا تھا۔ بالاخر توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوگئی اور اسلامی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی اور ایک روز اس پر گریہ طاری ہوگیا اور کہنے لگا "میں نے انجیل پڑھی ہے اور اس میں ان کی صفات کو میں نے پایا ہے۔ میں گمان کرتا تھا کہ ان کا ظہور شام میں ہوگا۔ اب میں نے سمجھا کہ ان کا ظہور "ارض قرظ" یعنی عرب میں ہوا۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں' لیکن میں ڈرتا ہوں کہ حارث مجھ کو قتل نہ کردے۔ اب یہ حاجب حضرت شجاعؓ کا پورا پورا احترام کرتا تھا اور اچھی طرح مہمانی کی خدمت انجام دیتا تھا مگر حارث کی جانب سے مایوسی کا اظہار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ قیصر سے ڈرتا ہے۔

ایک روز جب حارث نے دربار کیا اور حاجب سے میرا ذکر سن کر مجھ کو بلایا تو میں نے مکتوب نبوی صلے اللہ علیہ و سلم اس کے حوالہ کیا' جس کی عبارت یہ تھی:

مکتوب نبوی ﷺ بنام شاہ دمشق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی الحارث بن ابی شمر سلام علٰی من اتبع الھدٰی وامن بہ وصدق۔ وانی ادعوک ان تومن باللہ وحدہ لا شریک لہ یبقی لک ملکک۔

(ترجمہ) "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر غسانی کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اس پر ایمان لائے اور سچا جانے۔ میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ' جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ تمہارا ملک

تمہارے پاس باقی رہے گا"۔

جب مکتوب نبوی ﷺ پڑھا گیا تو اس نے مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ و سلم کو پھینک دیا اور برہم ہو کر بولا کہ میرا ملک کون چھین سکتا ہے۔ میں اس پر جارحانہ سبقت کروں گا' اگرچہ وہ یمن میں جا کر چھپا ہو اور غصہ میں مبہوت رات بھر دربار میں بیٹھا رہا اور فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور مجھ سے کہا کہ تم نے جو کچھ دیکھا ہے' اس کی خبر جا کر اپنے نبی کو پہنچا دینا۔ پھر قیصر کو اس صورت حال کے متعلق خط لکھ دیا۔ اس کا قاصد ایسے وقت پہنچا جبکہ حضرت دحیہ کلبیؓ' جو قیصر کے پاس خط لے کر گئے تھے' موجود تھے۔ جب قیصر نے حارث بن ابی شمر کا خط پڑھا تو حارث کو لکھا کہ تم حملہ کے ارادہ سے باز آ جاؤ اور اس خیال کو ترک کردو اور ہم سے بیت المقدس میں آ کر ملو۔ جب قیصر کا جواب آیا تو میں وہاں موجود تھا۔ مجھ کو بلا کر پوچھا کہ تم یہاں سے کب جانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا "کل"۔ تو اس نے حکم دیا کہ اس کو سو مثقال سونا دیا جائے۔ حارث سے جب میں رخصت ہو کر آیا تو اس کے حاجب مری نے چلتے وقت کپڑے اور زاد راہ ہدیتا دیئے اور کہا کہ میری جانب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں سلام عرض کر دینا اور یہ کہنا کہ میں ان کے دین کا پیرو ہوں۔

جب حضرت شجاع رضی اللہ عنہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور حارث کے واقعہ کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی حکومت ہلاکت کی راہ پر لگ گئی۔ اور مری کا سلام پہنچا کر جب اس کی حالت بیان کی اور جو کچھ اس سے باتیں ہوئی تھیں' ان کو دہرایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔

یہ ان چھ سفراء کا مختصر تذکرہ ہے' جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے ایک ہی دن روانہ فرمایا تھا' جو آٹھ مکتوب کے حامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ جو ایرانی حکومت کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس بھیجے گئے تھے' وہی ہرمزان کے نام کے خط کے بھی حامل تھے اور حضرت دحیہ کلبیؓ جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے' پاپائے روم ضغاطر کے خط کے بھی وہی سفیر تھے۔

اس کے علاوہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے دعوت اسلامی کے سلسلہ میں اور بھی ذمہ دار لوگوں کو خطوط لکھے تھے۔ جیسا کہ مسلم شریف کا یہ ٹکڑا ہم نقل کر چکے ہیں: "والٰی کل جبار یدعوھم الی اللہ" یعنی آپ نے قیصر و کسریٰ اور شاہ

جش نجاشی کے علاوہ تمام بااقتدار لوگوں کے نام خطوط لکھے تھے۔

ان خطوط کے متعلق اس اعتراف قصور کے ساتھ کہ ان تمام خطوط کا احاطہ اپنے بس سے باہر ہے، ہم ذیل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کچھ اور ایسے مکتوب پیش کر رہے ہیں جن کی حیثیت دعوت اسلامی کی ہے۔

(۹)

منذر بن ساوی شاہ بحرین کے نام

منذر بن ساوی--- یہ بحرین کے حاکم تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس دعوت اسلام لے کر حضرت علاء بن حضرمیؓ کو بھیجا۔ "شرح مواہب" میں ہے کہ ان کے نام کے مکتوب کے الفاظ کا کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔ "سیرت وحلان" میں ہے کہ منذر کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ خط منذر کو کب لکھا گیا تھا؟ "طبقات ابن سعد" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم منصرفه من الجعرانة(۷) العلاء بن الحضرمى الى منذر بن ساوى العبدى وهو بالبحرين يدعوه وكتب اليه كتابا فكتب الى رسول الله صلے الله عليه وسلم باسلامه وتصديقه- وانى قرات كتابك على البحرين فمنهم من احب الاسلام واعجبه ودخل فيه ومنهم من كره- وبارضى مجوس ويهود- فاحدث الى فى ذالك امرك-

"جعرانہ سے واپسی پر حضرت علاء بن الحضرمی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور خط تحریر فرمایا۔ منذر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں اپنے اسلام قبول کر لینے اور آپ کی تصدیق کے بارے میں خط لکھا اور یہ بھی لکھا کہ میں نے آپ کے اس خط کو پڑھا ہے جو آپ نے بحرین والوں کو لکھا ہے۔ بحرین والوں میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور محبوب سمجھا اور اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض نے اسلام کو ناپسند کیا۔ میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں۔ آپ مجھ کو ان کے بارے میں اپنے حکم سے مطلع فرمائیے"۔

سہیلی نے "روض الانف" میں لکھا ہے کہ حضرت علاء بن الحضرمیؓ جب منذر کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے منذر کو خطاب کر کے یہ تقریر کی:

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کی تقریر:

"اے منذر! تم دنیا کے معاملات میں بڑے عقلمند ہو۔ تمہاری دانش مندی آخرت کے بارے میں قصور کو راہ نہ دے۔ مجوسی دین (یعنی آتش پرستی) سب سے برا ہے جس میں نہ تو عربی مکرمت ہے اور نہ اہل کتاب کا علم ہے۔ یہ لوگ ان عورتوں سے بھی نکاح کو جائز رکھتے ہیں جن سے نکاح کرنے میں انسانی فطرت کو حیا اور شرم آتی ہے۔ یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں جو ان کو قیامت کے دن کھا جائے گی۔ تم عقل اور صحیح رائے سے محروم نہیں ہو۔ تم غور کرو کہ کیا یہ مناسب ہے کہ تم اس شخص کو اپنے دعویٰ میں سچا نہ سمجھو جس نے کبھی بھی جھوٹ سے اپنی زبان کو ملوث نہ کیا ہو اور جس نے کبھی بھی خیانت نہ کی ہو، تم اس کو امین نہ سمجھو۔ اور جس نے کبھی بھی وعدہ کی خلاف ورزی نہ کی ہو، اس پر وثوق نہ کرو۔ پس اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی ہی ہے تو وہ بلاشبہ نبی ہیں۔

خدا کی قسم کسی دانش مند کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کے ان احکام کے متعلق، جن کا وہ حکم کرتے ہیں، اپنی عقل کی روشنی میں یہ کہے کہ وہ اس کا حکم نہ کرتے اور ان احکام کے متعلق، جن کی وہ ممانعت کرتے ہیں، یہ کہے کہ کاش وہ اس سے منع نہیں کرتے اور نہ کسی دانش مند کے لیے اس کا موقع ہے کہ وہ کہے کہ کاش عفو و درگزر کے معاملہ میں کچھ اور لحاظ ہوتا یا سزا

اور مواخذہ کے بارے میں کچھ اور کمی ہوتی۔ اس دین کی ہر چیز ارباب عقل اور اہل فکر کے لیے بالکل قابل اطمینان ہے"۔

منذر غور سے سنتا رہا۔ حضرت علاء بن الحضرمیؓ نے جب تقریر ختم کی تو کہا کہ میں نے غور کیا اور میں نے سمجھا کہ جو کچھ میرے قبضہ میں ہے وہ صرف دنیا کے لیے ہے' آخرت کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور میں نے تمہارے دین کے بارے میں غور کیا تو میں نے سمجھا کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہے۔ ایسی حالت میں مجھ کو ایسے دین کے قبول کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے جس میں دنیاوی زندگی کے لیے انسیت اور سکینت ہے اور آخرت کی زندگی کے لیے راحت ہے۔ میں کل تک تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ اسلام کو کیوں قبول کرتے ہیں اور آج میں اس بات پر تعجب کرتا ہوں کہ لوگ کیوں اسلام کو رد کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی حاضری کے بارے میں غور کروں گا اور ان کے خط کے جواب پر بھی غور کروں گا۔

طبری اور ابن قانع کی نافع عبدی سے روایت ہے کہ منذر چند آدمیوں کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے لیکن ابو ربیع اور بعض اہل سیر کا خیال ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں وفد کی حیثیت سے جس منذر کا آنا ثابت ہے' وہ منذر بن عائذ ہیں' منذر بن ساوی نہیں ہیں۔ (سیرت حلبیہ۔ ص ۲۷۴' ج ۲ و سیرت وحلان۔ ص ۱۷۵' ج ۲)

حضرت علاء بن الحضرمیؓ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور منذر کا خط پیش کیا اور اس سے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی حالت بیان کی.......... تو آپ ﷺ خوش ہوئے اور اس کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا گیا:

مکتوب نبوی ﷺ بجواب خط منذر بن ساوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ کی طرف سے میں تجھ کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ بلاشبہ جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کو فائدہ پہنچاتا ہے' اور جو شخص میرے قاصد کی اطاعت کرے گا اور ان کے حکم کی اتباع کرے گا' دراصل اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس شخص نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اس نے میری نصیحت کو مانا۔۔۔ میرے قاصد تیرے مداح ہیں۔ یعنی تمہارے قبول حق اور ایمان لانے پر انہوں نے تمہاری ثنا اور تعریف کی۔

میں تیری قوم کے بارے تجھ سے سفارش کرتا ہوں۔ تم مسلمانوں کو جس حال میں مسلمان ہوئے ہیں چھوڑ دو۔ یعنی ان کے مال و املاک سے کچھ تعرض نہ کرو۔ میں نے خطاکاروں کو معاف کر دیا اور درگزر کیا۔ تم بھی ان لوگوں سے درگزر کرو اور جب تک تم اپنے آپ کو صلاحیت کا اہل بنائے رکھو گے' ہم اس میں دراندازی نہیں کریں گے۔ جو لوگ یہودیت اور مجوسیت پر قائم ہیں........ ان پر جزیہ واجب ہے"۔ (سیرت وحلان۔ ص ۱۷۵' ج ۲)

(۱۰)

جیفر اور عبد شاہ عمان کے نام

عمان عرب ہی کا ایک حصہ ہے جو خلیج فارس پر مشرقی عرب میں واقع ہے۔ امام احمدؒ کی حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا: میں اس زمین کو جانتا ہوں جس کو عمان کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک جانب دریا ہے۔ عمان (میم کی تشدید کے ساتھ) ایک دوسرا شہر ہے' جو شام میں ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

عہد نبوت میں یہاں جیفر اور عبد حکمراں تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے نام ذیقعدہ ۸ھ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوتی مکتوب لکھا' جس کو لے کر فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ گئے۔ اس مکتوب کا مضمون یہ تھا:

مکتوب بنام شاہ عمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبداللہ و رسولہ الی جیفر و عبد ابنی الجلندی۔ سلام علےٰ من

اتبع الھدی- امابعد فانی ادعوا کما بدعایۃ الاسلام- اسلما تسلما- فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا و یحق الحق علی الکافرین- و انکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما و ان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملکما زائل عنکما- و خیلی تحل بساحتکما و تظھر نبوتی علی ملککما کتب الکتاب ابی بن کعب و ختمہ صلے اللہ علیہ و سلم-

(سیرت وحلان- ص ۱۷۷، ج ۲)

(ترجمہ) "بسم اللہ الرحمان الرحیم- محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے- جیفر اور عبد فرزندان جلندی کی طرف- اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی- امابعد- میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں- تم دونوں اسلام اختیار کر لو اور سلامتی سے ہمکنار ہو جاؤ- میں سارے انسانوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں تاکہ میں (خدا کے عذاب سے) ان تمام لوگوں کو ہوشیار کر دوں جو زندہ ہیں اور خدا کے انکار کرنے والوں پر اتمام حجت ہو جائے- تم دونوں نے اگر اسلام کا اقرار کر لیا تو تم ہی دونوں کو ملک کا حاکم بنا دوں گا- اور اگر اسلام کے اقرار کرنے سے تم دونوں نے انکار کیا تو لاریب تم دونوں سے تم دونوں کی حکومت زائل ہونے والی ہے- اور ہمارے مجاہدین تمہارے میدان میں پہنچیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک میں ظاہر ہو کر رہے گی-

اس خط کو حضرت ابی بن کعبؓ نے لکھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہر لگائی"-

حضرت عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں مکتوب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور عمان پہنچ کر پہلے میں عبد سے ملا- اس لیے کہ دونوں بھائیوں میں عبد اپنے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بردبار اور نرم تھا- میں نے اس سے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں- مکتوب نبوی لے کر تمہارے اور تمہارے بھائی کی طرف آیا ہوں- عبد نے کہا کہ میرے بھائی جیفر کو ہم پر اولیت

حاصل ہے- وہ عمر میں بھی بڑا ہے اور بادشاہ بھی ہے- میں تم کو اس کے دربار میں پہنچا دوں گا تاکہ تم خود اپنے خط کو اس کے سامنے پڑھو- اس کے بعد عبد نے عمرو بن العاص سے پوچھا:

"تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟"

عمرو: "میں اللہ وحدہ' لاشریک لہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ خدا کے سوا جن کی بھی تم پرستش کرتے ہو' اس کی پوجا چھوڑ دو اور یہ کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم' اللہ کے بندے اور رسول ہیں"-

عبد: "عمرو! تم تو اپنی قوم کے سردار کے فرزند ہو' جن کی ذات اس کی مستحق ہے کہ ان کی پیروی کی جائے- بتاؤ تمہارے والد نے کیا کہا؟"

عمرو: "میرا باپ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا- میری دلی خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کرتے اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتے- پہلے میرے بھی انہی جیسے خیالات تھے- بالاخر اللہ تعالٰی نے مجھ کو اسلام کی ہدایت فرمائی"-

عبد: "تم نے اسلام کہاں قبول کیا؟"

عمرو: "نجاشی (۸) کے پاس اور نجاشی نے بھی اسلام قبول کر لیا"-

عبد: "تو اس کی رعایا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

عمرو: "اس کو بادشاہ باقی رکھا اور اس کی اطاعت کی"-

عبد: "کیا بڑے بشپ اور پادری نے بھی اتباع کی؟"

عمرو: "ہاں ان لوگوں نے بھی اتباع کی"-

عبد کو یہ بات نہایت اہم اور غیر معمولی معلوم ہوئی اور اس نے کہا: "عمرو! ذرا سوچ سمجھ کر بولو- انسان کو جھوٹ سے زیادہ رسوا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی"-

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے کذب بیانی نہیں کی ہے اور ہمارے مذہب میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے"-

پھر اس نے کہا:

عبد: "میں سمجھتا ہوں کہ قیصر روم ہرقل کو نجاشی کے اسلام کی اطلاع نہیں ملی"-

عمرو: "اس کو اطلاع مل گئی"-

عبد: "یہ تم نے کیسے سمجھا؟"

عمرو: "نجاشی ہمیشہ قیصر روم کو خراج دیا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تو اس نے کہا: خدا کی قسم! اگر ہرقل ایک درہم بھی مجھ سے طلب کرے گا تو میں نہیں دوں گا۔ ہرقل تک جب اس کی اطلاع پہنچی تو ہرقل کے بھائی نے اس سے کہا کہ کیا آپ نجاشی کو چھوڑ دیں گے اور اس سے کوئی مواخذہ نہیں کریں گے؟ آپ کا غلام ہو کر آپ کو خراج ادا نہیں کرے گا۔ اس نے نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ ہرقل نے کہا اس میں کیا ہے؟ ایک شخص نے ایک دین کو پسندیدہ سمجھا اور اپنے لیے اس کو اختیار کر لیا۔ بخدا شہنشاہی کی اگر پروانہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا ہے"۔

یہ سن کر عبد کو پھر تعجب ہوا اور اس نے کہا:

عبد: "عمرو! کیا بول رہے ہو۔ ذرا سوچ سمجھ کر بولو"۔

عمرو: "واللہ میں سچ سچ کہہ رہا ہوں"۔

عبد: "اچھا بتاؤ--- وہ کن کن باتوں کا حکم کرتے ہیں؟ اور کن باتوں سے منع کرتے ہیں؟"

عمرو: "وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ نیکی، صلہ رحمی کرنے کو کہتے ہیں۔ ظلم، عدوان، زنا اور شراب خواری سے منع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں"۔

یہ سن کر عبد نے کہا: "یہ باتیں کتنی اچھی ہیں جن کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کاش میرا بھائی میرا ہم خیال ہوتا تو ہم دونوں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان پر ایمان لاتے اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتے۔ لیکن میرا بھائی نہ تو اپنی سلطنت چھوڑنے پر راضی ہو گا اور نہ اس پر تیار ہو گا کہ وہ سرداری چھوڑ کر تابعداری اختیار کرے"۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ "اگر تمہارا بھائی اسلام قبول کر لے گا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی رعایا پر اسی کو حاکم بنا دیں گے۔ ان کے مالداروں سے صدقہ لیا جائے گا اور ان کے غریبوں پر اس کو لوٹا دیا جائے گا"۔

عبد نے پوچھا: "صدقہ کیا چیز ہے؟"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے تفصیل سے اس کے مسائل بیان کیے۔ پھر یہ چند دنوں

تک اس کے ہاں مقیم رہے۔ عبد اپنے بھائی کے پاس آتے جاتے رہے اور تمام باتوں کی خبر پہنچاتے رہے۔ پھر ایک دن عبد نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلایا اور کہا میرے ساتھ دربار میں چلو۔ حضرت عمرو بن العاصؓ جب دربار میں پہنچے تو جیفر کو مکتوب نبوی حوالہ کر دیا۔ اس نے نامہ مبارک کی مہر توڑی اور پورا خط پڑھا اور خط پڑھ کر بھائی کے حوالہ کر دیا۔ عبد نے بھی پورا خط پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ عبد بہ نسبت اپنے بھائی کے خط کے مضمون سے زیادہ متاثر تھا۔ پھر جیفر نے پوچھا کہ "قریش نے ان کے ساتھ کیا کیا؟" حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ "سب لوگوں نے طوعاً و کرہاً اتباع کر لیا"۔

پھر اس نے پوچھا کہ "اس کے ساتھ رہنے والے لوگ کیسے ہیں؟"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا "وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خوش دلی اور پوری رغبت سے اسلام قبول کیا ہے اور دنیا کی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اس کے دامن سے لپٹ گئے ہیں۔ اور اللہ کی توفیق وہدایت سے ان لوگوں نے اپنی عقل سے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ وہ گمراہی میں تھے"۔

پھر کچھ اور باتیں ہوئیں۔ پھر جیفر نے کہا "آج جاؤ، کل آ کر ہم سے ملو"۔

دوسرے دن جب حضرت عمرو بن العاصؓ جیفر کے پاس پہنچے تو جیفر نے کہا کہ "میں نے تمہاری دعوت پر اچھی طرح غور و فکر کر لیا۔ اگر میں ایسے شخص کی اتباع کروں جس کی فوج ہمارے ملک میں پہنچی تک نہیں، باوجود اس کے اپنے کو اس کے سپرد کر دوں تو میں عرب کا سب سے زیادہ کمزور شخص سمجھا جاؤں گا۔ حالانکہ اس کی فوج یہاں تک پہنچے تو ایسی جنگ لڑوں کہ کبھی سابقہ نہ پڑا ہو"۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا تو میں کل چلا جاؤں گا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے بلا بھیجا اور دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا اور دونوں بھائیوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔ (سیرت وحلان۔ ص ۱۷۶-۱۷۷، ج ۲)

"الوثائق السیاسیہ" میں اہل عمان کے نام جو خط ہے اس کا مضمون یہ ہے:

من محمد رسول الله الی اهل عمان۔ اما بعد فاقروا بشهادة ان لا اله الا الله وانی رسول الله وادوا الزكوة و خطوا المساجد كذا كذا والاغزو تكم۔ (ص ۷۰)

(ترجمہ) "اللہ کے پیغمبر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اہل عمان کے نام۔ امابعد۔ اس امر کی شہادت کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں اور زکوٰۃ ادا کرو اور مساجد کی تعمیر کرو۔ ورنہ میں تم لوگوں سے جہاد کروں گا"۔

جیفر اور عبد کے مشرف باسلام ہو جانے کے بعد صدقات کی وصولی کے لیے حضرت عمرو بن العاصؓ وہیں ٹھہر گئے۔ جیفر اس معاملہ میں ان کی پوری پوری اعانت کرتے تھے اور یہ ان کے تعاون سے رئیس اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس خدمت پر وہ اتنے دنوں تک وہاں مقیم رہے کہ ان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر وہیں ملی۔ (ابن سعد)

(۱۱)

یہود خیبر کے نام

یہود خیبر کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح ان میں بڑے بڑے جنگجو لوگ تھے' اسی طرح ان یہود میں ذمہ دار علماء بھی تھے۔ ان کی اسلام دشمنی گرچہ انتہا درجہ کی تھی اور بظاہر ان سے خیر کی توقع نہیں تھی' پھر بھی رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط ان کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

من محمد رسول الله صاحب موسى واخيه المصدق لما جاء به- الا ان الله قال لكم- يا معشر اهل التوره وانكم تجدون ذالك فى كتابكم "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ- تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا- سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ- ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ- كَزَرْعٍ اَخْرَجَ

شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا-

وانى انشدكم بالله وانشدكم بما انزل عليكم وانشدكم بالذى اطعم من كان قبلكم من اسباطكم المن والسلوى- وانشدكم بالذى ايبس البحر لآبائكم حتى انجاكم من فرعون وعمله- الا اخبرتمونى هل تجدون فيما انزل الله عليكم ان تومنوا بمحمد فان كنتم لا تجدون ذالك فى كتابكم فلا كره عليكم- قد تبين الرشد من الغى- فادعوكم الى الله ونبيه-

(ترجمہ) "محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو نبوت و رسالت میں حضرت موسیٰؑ کی طرح ہیں اور ان تمام باتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں جن کو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔ اے تورات کے ماننے والے لوگو! لاریب اللہ نے تم لوگوں سے کہا ہے۔ اور بلاشبہ تم لوگ اپنی کتابوں میں پاتے ہو کہ "اللہ کے رسول محمد اور ان کے ساتھی (صحابہ) منکرین پر بہت سخت ہوں گے اور باہم مہربان ہوں گے۔ تم ان کو دیکھو گے کہ کبھی رکوع کی حالت میں ہیں اور کبھی سجدہ کی حالت میں۔ اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ ان کے چہروں میں نماز کا اثر (نور) پاؤ گے۔ یہ اوصاف ان کے تورات میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی۔ یہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی' پھر اس کو قوی کیا۔ پس وہ موٹی ہو گئی۔ پھر اپنی جڑ پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ کاشتکار کو خوش کر دیا تاکہ ان کے باعث اللہ کفار کو غیظ میں مبتلا کر دے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے' اللہ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے"۔

میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور تورات کی قسم دیتا ہوں اور اس خدا

کی قسم دیتا ہوں جس نے من و سلویٰ ان لوگوں کو کھلایا جو تم سے پہلے اسباط تھے اور قسم دیتا ہوں اس خدا کی جس نے تمہارے بزرگوں کے لیے دریا کو خشک کر دیا اور فرعون اور اس کے اعوان و انصار سے نجات دی۔ تم لوگ بتاؤ کیا تم لوگ تورات میں پاتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ اگر تم اپنی کتاب میں نہیں پاتے ہو تو تم پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی ہے۔ پس میں تم لوگوں کو اللہ اور اللہ کے نبی کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔

(۱۲)

ہلال بن امیہ --- رئیس بحرین کے نام

عہد نبوت میں، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، بحرین کا حاکم منذر بن ساوی تھا جو دراصل فارس کے زیر اقتدار تھا۔ جب منذر کو مکتوب نبوی پہنچا اور وہ مشرف باسلام ہو گئے تو بحرین کا ایک سردار، جس کا نام "ہلال بن امیہ" تھا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام بھی ایک دعوتی مکتوب ارسال فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام انت۔ فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لا شریک وادعوک الی اللہ وحدہ، تومن باللہ و تطیع و تدخل فی الجماعہ فانہ خیرلک۔ والسلام علی من تبع الھدیٰ۔ (الوثائق السیاسیہ۔ ص ۶۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"تم سلامت رہو۔ میں تم پر اس خدا کی حمد پیش کر رہا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں اللہ واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اطاعت اختیار کرو اور اسلامی جماعت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ سلامتی ہو اس

شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو"۔

ہلال بن امیہ کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کا کیا جواب دیا۔ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟

(۱۳)

شاہان حمیر کے نام

حمیر کی مملکت کے محل وقوع کے متعلق ارض القرآن میں ہے "ملک یمن کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہو گا کہ وہ مغربی اور مشرقی دو حصوں پر منقسم ہے۔ قطعہ مشرقی جو اندرون مملکت سے ملحق ہے، "مملکت سبا" ہے۔ قطعہ مغربی جو ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے، "حمیر کی مملکت" ہے"۔ (ص ۲۷۳)

عہد نبوی میں یمن کے جنوبی حصہ پر جو حکومت قائم تھی، وہ حمیر کے نام سے موسوم تھی، جو مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھی۔ شاہان حمیر مذہباً عیسائی تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومیؓ کو ان کے نام دعوتی خط دے کر روانہ فرمایا جس کا مضمون یہ تھا:

الی الحارث و مسروح و نعیم بن عبد کلال من حمیر سلم انتم ما امنتم باللہ و رسولہ۔ وان اللہ وحدہ، لا شریک لہٗ بعث موسیٰ بآیاتہ و خلق عیسیٰ بکلماتہ قالت الیہود عزیر بن اللہ وقالت النصاریٰ اللہ ثالث ثلاثہ و عیسی بن اللہ۔ (الوثائق السیاسیہ۔ ص ۱۰۹۰)

(ترجمہ) "حارث اور مسروح اور نعیم بن عبد کلال حمیر والوں کی طرف تم پر اس وقت تک سلامتی ہو کہ تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر بھیجا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمہ سے پیدا کیا مگر

یہود کہتے ہیں کہ عزیز خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں"۔

جب حضرت عیاشؓ نے نامہ مبارک ان کو پہنچایا تو نامہ مبارک سن کر ان لوگوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور اپنے اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ شاہان حمیر کے خطوط اور ان کے مشرف باسلام ہونے کی اطلاع لے کر خدمت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں "مالک بن مرارۃ الرہادی" آئے۔ یہ واقعہ ۹ھ رمضان شریف کا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھہرائیں اور ان کی ضیافت کا انتظام کریں۔ پھر ان کے خط کے جواب میں ایک تفصیلی خط حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھا، جس میں زکوٰۃ اور جزیہ کے مفصل احکام ان کو لکھے گئے۔

اس مکتوب گرامی کا ابتدائی حصہ حسب ذیل تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله النبی الی الحارث بن عبد كلال والی نعیم بن عبد كلال والی النعمان قیل ذی رعین و معافر و همدان. اما بعد ذالکم فانی احمد الیکم الله الذی لا اله الا هو. اما بعد فانه قد وقع بنا رسولکم منقلب امن ارض الروم فلقینا بالمدینته فبلغ ما ارسلتم به وخبر ما قبلکم. وانبانا باسلامکم وقتلکم المشرکین وان الله هداکم بهداه. ان اصلحتم واطعتم الله ورسوله واقمتم الصلوٰة وآتیتم الزکوٰة الخ ("الوثائق السیاسیه" ص ۱۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول اور نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کے نام اور ہمدان، معافر اور ذی رعین کے رئیس نعمان کے نام۔ امابعد! میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد پیش کرتا

ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ارض روم سے لوٹنے کے بعد آپ کا قاصد آیا اور اس سے مدینہ میں ملاقات ہوئی۔ جس پیام کو لے کر تم لوگوں نے اس کو بھیجا تھا اس نے پہنچا دیا اور جو واقعات پہلے کے تھے ان کی اس نے اطلاع دی اور تم لوگوں کے مشرف باسلام ہونے اور مشرکین سے جنگ کے حالات بیان کیے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے بشرطیکہ صالح اعمال پر کار فرما رہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمانبردار رہے۔ نماز پڑھتے رہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔

(۱۴)

یوحنا بن روبہ حاکم ایلہ کے نام

"ایلہ" کا محل وقوع حجاز کی انتہا اور شام کی ابتداء میں بحر قلزم کے کنارے خلیج عقبہ کے ساحل پر ہے۔ یہاں کے حاکم یوحنا اور دیگر عمائد قوم کو آپ نے "تبوک" سے خط لکھا۔ تبوک ۹ھ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ بنفس نفیس جانا پڑا تھا۔ وجہ اس کی طبقات ابن سعد میں یہ لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام میں رومیوں نے کثیر مجمع اکٹھا کیا ہے۔ ہرقل نے اپنے لوگوں کو ایک سال کی تنخواہ دے دی ہے۔ قبیلہ لخم، جذام، عاملہ اور غسان بھی لائے گئے ہیں اور اپنے مقدمۃ الجیش کو "بلقاء" تک بھیج دیا ہے۔ "مواہب لدنیہ" میں طبرانی سے روایت ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور عرب قحط کی بنا پر بھوکے مر رہے ہیں"۔

اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار کی فوج روانہ کی۔

یہ اطلاعات معمولی نہ تھیں۔ اس کی مدافعت میں آپ کو مدینہ سے نکلنا پڑا۔ طبقات میں ہے کہ جب آپ روانہ ہوئے تو تبوک پہنچ کر قیام فرمایا۔ آپ کے ساتھ تیس ہزار صحابہ کی جمعیت تھی جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰)

رومیوں کو جب پیش قدمی کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی اطلاع ملی کہ تیس ہزار فدائیوں کی جماعت آپ کے ساتھ ہے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ منتشر ہوگئے۔ بیس روز تک آپ تبوک میں مقیم رہے۔ وہاں سے جب واپسی کا ارادہ ہوا تو "ایلہ" کے حاکم "یوحنا" کو اور دوسرے عمائد قوم کو حسب ذیل دعوتی مکتوب لکھا۔ یہ مکتوب گرامی اپنے مندرجات میں مفصل ہونے کی وجہ سے نہایت قیمتی دستاویز ہے' اس لیے ہم اس پورے مکتوب کو بلفظہ درج کرتے ہیں۔

الی یوحنا بن روبہ و سررات اھل ایلہ۔

سلم انتم - فانی احمد اللہ الیکم اللہ الذی لا الہ الا ھو - فانی لم اکن لا قاتلکم حتی اکتب الیکم - فاسلم او اعط الجزیتہ واطع اللہ ورسولہ و رسل رسولہ واکرمھم واکسھم کسوۃ حسنۃ غیر کسوۃ الغزاء - واکس زیدا کسوہ حسنہ فبما رضیت رسلی رضیت وقد علم الجزیۃ فان اردتم ان یامن البر والبحر فاطع اللہ ورسولہ ویمنع عنکم کل حق کان للعرب والعجم الا حق اللہ وحق رسولہ وانک ان رددتم ولم ترضھم لا آخذ منکم شیئا حتی اقاتلکم فاسبی الصغیر واقتل الکبیر فانی رسول اللہ بالحق - او من با اللہ وکتبہ ورسلہ - وبالمسیح بن مریم انہ کلمۃ اللہ وانی او من بہ انہ رسول اللہ -

وائت قبل ان یمسکم الشر فانی قد اوصیت رسلی بکم وائت حرملۃ ثلثۃ اوسق شعیرا - وان حرملۃ شفع لکم - وانی لو لا اللہ وذالک لم ارسلکم شیئا حتی تری الجیش وانکم ان اطعتم رسلی فان اللہ لکم جار و محمد ومن یکون منہ - وان رسلی شر

جلیل - وابی - وحرملۃ وحریث بن اسد الطائی - فانھم مھما قاضوک علیہ فقد رضیتہ وان لکم ذمۃ اللہ وذمۃ محمد رسول اللہ والسلام علیکم ان اطعتم - وجھزوا اھل مقنا الی ارضھم - ("الوثائق السیاسیہ" ص ۳۲)

"عمائدین ایلہ اور یوحنا بن روبہ کی طرف۔

تم پر سلامتی ہو۔ میں خدا کی حمد تم پر پیش کرتا ہوں۔ اللہ ہی کی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا جب تک تحریری حجت پیش نہ کردوں۔ اسلام قبول کرو یا جزیہ دینا منظور کرو۔ اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کے رسول کے قاصدوں کی فرمانبرداری کرو۔ ان کا احترام کرو۔ ان کو غزاء کے کپڑے (جو ریشمی ہیں اس) کے علاوہ اچھے کپڑے پہناؤ اور زید کو عمدہ لباس پہناؤ۔ جن باتوں پر یہ راضی ہوں گے میں بھی راضی ہوں۔ ان کو جزیہ کے احکام بتا دیے گئے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خشکی اور تری میں امن رہے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے حق کے سوا عرب و عجم کا کوئی حق تم پر نہیں رہے گا۔ تم امن سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

اور اگر تم نے ان کو رد کر دیا اور نہیں مانا تو میں تم سے کوئی چیز (ہدایا و عطایا) قبول نہیں کروں گا۔ اس کے نتیجہ میں تم سے میں جنگ کروں گا۔ نابالغ کو قید کرلوں گا اور بڑے کو قتل کردوں گا۔ اس لیے کہ میں خدا کا سچا رسول ہوں۔ میں اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' اور اس بات پر کہ مسیح بن مریم کلمۃ اللہ ہیں' ایمان رکھتا ہوں۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ عیسٰی علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں۔

صحیح راہ اختیار کرو' قبل اس کے کہ تم کو کوئی دکھ پہنچے۔ میں نے اپنے قاصدوں کو خوب سمجھا دیا ہے۔ حرملہ جو تین وسق لے کر آئے۔ حرملہ نے تمہاری سفارش کی ہے۔ اگر اللہ کے حکم کی تعمیل اور حرملہ کی سفارش کا خیال نہ ہوتا تو میں تم سے مراسلت نہ کرتا' بلکہ تم جنگ سے دوچار ہوتے۔ اگر تم نے میرے قاصدوں کی اطاعت کرلی تو اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم) اور جو اس سے وابستہ ہیں، سب کی پناہ تم کو حاصل ہے۔ میرے قاصد شرحبیل، ابی، حرملہ اور حریث جو فیصلہ تمہارے متعلق کریں گے، میں اس سے راضی ہوں۔ اور تمہارے لیے اللہ کا ذمہ اور محمد رسول اللہ کا ذمہ ہے۔ سلامتی ہو تم پر اگر تم فرمانبردار ہو گئے اور اہل مقنا (یہود) کے لیے۔ ان کے ملک میں جانے کے لیے زادِ راہ مہیا کر دو"۔

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے زرقانی سے بحوالہ ابن ابی شیبہ لکھا ہے کہ ایلہ کا سردار جس کا نام "یوحنا" تھا، حاضر خدمت ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا اور ایک سفید خچر بھی نذرانہ میں پیش کیا، جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ ("سیرۃ النبی" ص ۵۱۴، ج ۱)

"مقنا" ایلہ کے قریب ہی واقع تھا۔ وہاں یہودیوں کی آبادی تھی۔ اہل مقنا کے قاصد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا یقین دلایا اور حسب ذیل معاہدہ پر ان کا معاملہ طے پایا۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم. من محمد رسول الله الى بنى جنبته والى اهل مقنا. اما بعد. فقد نزل على انكم راجعين الى قريتكم فاذا جاء كتابى هذا فانكم امنون لكم ذمة الله و ذمة رسوله. وان رسوله غافر لكم سيئاتكم و كل ذنوبكم وان لكم ذمة الله و ذمة رسوله. لا ظلم عليكم و لا عدوى وان رسول الله جاركم مما منع نفسه.

فان لرسول الله بزكم و كل رفيق منكم والكراع والحلقة الا ما عفا عنه رسول الله و رسول رسول الله. وان عليكم بعد ذالك ربع ما اخرجت نخلكم و ربع ما صادت عروككم و ربع ما غزل نساء كم. وانكم برئتم بعد من كل جزية او سخره. فان سمعتم واطعتم فان

على رسول الله ان يكرم كريمكم ويعفو عن مسيئكم.

اما بعد فالى المومنين والمسلمين من اطلع من اهل مقنا بخير فهو خير له ومن اطلعهم بشر فهو شر له. وان ليس عليكم امير الا من انفسكم او من اهل رسول الله. والسلام (كتب على بن ابى طالب فى سنة تسع) ("الوثائق السیاسیہ" ص ۳۶)

"بسم اللہ الرحمان الرحیم

محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنی جنبہ اور اہل مقنا کے نام۔۔۔!

امابعد۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنے دیہات کو واپس جا رہے ہو۔ جس وقت میری یہ تحریر تمہارے پاس پہنچے تو تم لوگوں کو امن ہے اور تمہارے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ ہے۔ اللہ کے رسول نے تمہارے ہر طرح کے جرائم کو معاف کر دیا ہے اور تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ نہ تم پر کوئی ظلم ہو گا نہ زیادتی ہو گی۔ اور اللہ کے رسول جن چیزوں سے اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں، تمہارے لیے بھی محافظ ہوں گے۔

تمہارے تمام جنگی سامان، اسلحہ، زرہیں، گھوڑے، خچر، گدھے، ان کے نگراں غلام، رسول اللہ کے لیے ہوں گے۔ لیکن جو اللہ کے رسول اور رسول اللہ کے قاصد معاف کر دیں۔ اور تم لوگوں پر کھجور کے باغوں کی پیداوار کی چوتھائی اور بحری شکار کی چوتھائی اور عورتوں کے کاتے ہوئے سوت کی چوتھائی واجب الادا ہو گی۔ اس کے بعد تم ہر طرح کے جزیہ اور بیگار سے بری ہو۔ پس اگر تم نے سمع و طاعت سے کام لیا تو تمہارے ذی مرتبت لوگوں کی عزت کی جائے گی اور تمہارے مجرمین کو معافی دے دی جائے گی۔ امابعد۔ مسلمانوں کے لیے ہدایت ہے کہ جو اہل مقنا کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے گا تو وہ اس کے لیے بہتر ہو گا۔ اور جو ان کے ساتھ

برائی سے پیش آئے گا تو اس کے لیے برائی ہوگی۔ تم لوگوں پر یا تو تم ہی میں سے امیر ہو گا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں سے کوئی ہو گا"۔

(۱۵)

نجران کے بشپ (پادریوں) کے نام

نجران کا محل وقوع بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان ہے، جو مکہ مکرمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ عہد قدیم میں یہاں بنو اسماعیل کا ایک خاندان آباد تھا۔ اسلام کے کچھ پہلے سے روم و حبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا، جس کو وہ اپنا کعبہ سمجھتے تھے۔ اور عربوں میں کعبہ نجران سے مشہور تھا۔ اس میں ان کے بڑے بڑے پیشوا رہتے تھے۔ عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس زمانہ میں اس کا ہمسر نہ تھا۔ اس کعبہ نجران کی اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی اور تہتر گاؤں اس کے متعلق تھے۔ ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو مردوں کی آبادی تھی۔ اس کے حدود میں جو آ جاتا تھا، وہ ان کے نزدیک مامون ہو جاتا تھا۔ ان میں تین آدمی ایسے سربراہ تھے جو ان کے تمام معاملات کے منتظم تھے۔ ایک عاقب عبدالمسیح، جو سارے علاقے کے گورنر اور امیر تھے۔ انہی کی رائے پر وہ لوگ عملدرآمد کرتے تھے۔ دوسرے ابوالحارث، جو ان کے بلند پایہ اسقف (پادری) تھے۔ ان کے گرجا کے امام، ان کے مدارس کے منتظم اور بہت بڑے عالم تھے۔ تیسرے ایہم، جن کا لقب سید تھا۔ یہ علاقہ کے جج تھے اور دوسرے جماعتی کاموں کے منتظم بھی تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نجران کے پادریوں کو جو خط دعوت اسلام کے سلسلہ میں لکھا تھا، اس کا مضمون یہ تھا:

نجران کے پادریوں کے نام مکتوب

من محمد رسول الله الی اساقفة نجران۔ بسم اله

ابراهيم واسحاق ويعقوب۔ امابعد فانی ادعوكم الی عبادة الله من عبادة العباد۔ وادعوكم الی ولاية الله من ولاية العباد۔ فان ابيتم فالجزية وان ابيتم اٰذنتكم بحرب۔ ("الوثائق السیاسیہ" ص ۸۰)

(ترجمہ) "اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجران کے پادریوں کے نام۔ میں اسلامی دعوت شروع کرتا ہوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کے نام سے۔ امابعد۔ میں بندوں کی عبادت کی بجائے اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اس کا انکار کیا تو تم پر جزیہ واجب الادا ہو گا اور اگر تم لوگوں نے اس کا بھی انکار کیا تو پھر میں جنگ کا چیلنج کرتا ہوں"۔

دعوتی مکتوب ملنے کے بعد نجران کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، جو تقریباً ساٹھ آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اس میں "سید عاقب" بھی شریک تھے۔ ان کے علاوہ چوبیس سردار اور بھی تھے۔ جب یہ لوگ مسجد نبوی میں پہنچے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم صلیب پوجتے ہو، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہو تو مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔۔۔؟ اسی طرح اور باتوں پر بھی ان سے بحث و مباحثہ رہا۔ مگر جب یہ لوگ اسلامی دعوت کے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو سالانہ ایک مقررہ خراج پر ان سے مصالحت ہو گئی اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

سورہ آل عمران میں اس وفد کے مباحثہ اور مباہلہ کا ذکر ہے۔ سیر کی کتابوں میں نہایت تفصیل سے ان کے واقعات کا ذکر ہے۔ یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا۔ مواہب میں ہے:

كانت قصتهم سنة الوفود سنة تسع۔

(۱۶)

قبیلہ بکر بن وائل کے نام

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں عدنان کو قریش میں یہ خصوصی امتیاز حاصل

ہے کہ ان کے سارے قبائل اور بطون عدنان ہی سے جا کر ملتے ہیں۔ عدنان کے بیٹوں میں آئندہ نسل صرف معد سے پھیلی۔ معد کا لڑکا نزار تھا۔ نزار سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخ عرب میں خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔ انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر۔ ان میں انمار اور ایاد کم پھیلے، ربیعہ، قضاعہ اور مضر اپنی کثرت تعداد اور دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے خصوصی شہرت کے مالک ہوئے۔

ربیعہ بن نزار کی متعدد اولادیں ہوئیں، جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور جنہوں نے حکومتیں قائم کیں۔ اسی کی اولاد میں بکر بن وائل کا قبیلہ ہے۔ ان قبائل میں سے سب سے پہلے قبیلہ بکر بن وائل نے ہمسایہ حکومتوں کے مقابلہ میں وطنی استقلال کی بنیاد ڈالی۔ اس لیے ان کو عرب کے قبائل میں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کو بھی اسلام کی دعوت دی اور خصوصی طور پر ان کے نام مکتوب دعوت حضرت ظبیان بن مرثد سدوسی رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا:

من محمد رسول الله الیٰ بکر بن وائل۔ اسلموا تسلموا۔ ("الوثائق السیاسیہ" ص ۱۴۲)

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بکر بن وائل کے نام۔ اسلام قبول کرو، سلامتی سے ہمکنار ہو جاؤ"۔

(۱۷)

جانشین اصحمہ نجاشی کے نام

۹ھ میں تبوک سے فارغ ہو کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو بذریعہ وحی آپ کو خبر ملی کہ اصحمہ شاہ حبش کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انتقال کی خبر سنائی اور ان کو ساتھ لے کر جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی، تشریف لائے اور اس کے جنازہ کی غائبانہ نماز آپ ﷺ نے پڑھائی۔ صحیحین میں

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

ان النبی صلے الله علیه وسلم نعی النجاشی الیوم الذی مات فیه وخرج بهم الی المصلی فصف وکبر اربع تکبیرات متفق علیه۔ (مشکوٰۃ)

"جس دن نجاشی کی موت ہوئی، اسی دن اس کے مرنے کی خبر صحابہ کرام کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی۔ پھر صحابہ کرام کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے نکلے۔ جب صف بندی ہو چکی تو چار تکبیروں کے ساتھ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی"۔

اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے اصحمہ کے جانشین نجاشی کے پاس مکتوب دعوت لکھا۔ اس مکتوب کو لے کر کون صحابیؓ گئے، کیا جواب لائے، حدیث و سیرت کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔ اس کے اسلام لانے اور نہ لانے کے متعلق متداول سیر کی کتابوں میں کسی فیصلہ کا ذکر نہیں ہے۔ زرقانی شارح مواہب لدنیہ کی رائے ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔

حسب روایت بیہقی اس کے نام جو مکتوب لکھا گیا تھا، اس کی عبارت حسب ذیل تھی:

من محمد رسول الله الی النجاشی عظیم الحبشة سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔ وامن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له لم یتخذ صاحبة ولا ولدا وان محمدا عبده ورسوله۔ وادعوك بدعایة الله فانی رسوله فاسلم تسلم۔ یا اهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهد وابانا مسلمون فان ابیت فعلیك اثم النصاریٰ من قومك۔

(ترجمہ) "خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شاہ حبشہ

نجاشی کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا' نہ کسی کو بیٹا بنایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تجھ کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں' اس لیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسلام قبول کر سلامتی سے ہمکنار ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی ہم عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں اور نہ اللہ کے ساتھ باہم ایک دوسرے کو رب بنائیں۔ پس اگر وہ لوگ اس سے روگردانی کریں تو کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (اے نجاشی!) اگر تو انکار کرے گا تو تیری نصرانی قوم کی گمراہی کا گناہ تجھ ہی پر ہوگا"۔

(۱۸)

امیر بصریٰ کے نام

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی کو' جو بنی لہب میں سے تھے' شاہ بصریٰ کے پاس نامہ مبارک کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ موتہ پہنچے تو انہیں شرجیل بن عمرو الغسانی نے روکا اور قتل کر دیا۔ ان کے سوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی اور قاصد قتل نہیں کیا گیا۔

قدرتی طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کو حضرت حارثؓ کے قتل سے بے حد صدمہ ہوا کیونکہ قاصد کا قتل اس وقت بھی بین الاقوامی آئین کے خلاف تھا۔ مجبوراً اس کے قصاص میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک سریہ مرتب کرنا پڑا اور "موتہ" بھیجنا پڑا۔ اور اس طرح عملاً عیسائی حکومت سے ۸ھ میں جنگ چھڑ گئی۔ یوں تو اس کے پہلے ۷ھ ہی میں حارث بن ابی شمر شاہ دمشق نے مکتوب نبوی کو سن کر

مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا اور فوج کی تیاری کا حکم دے دیا تھا اور قیصر روم سے اجازت طلب کی تھی مگر قیصر کی ممانعت کی وجہ سے حارث اپنے ارادہ سے باز آ گیا تھا' جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جنگ موتہ میں شرجیل تقریباً ایک لاکھ فوج لے کر جنگ کے لیے نکلا۔ پھر خود قیصر روم ہرقل' قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر آیا اور "ماب" میں خیمہ زن ہوا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کے ساتھ اب تک جو تعلقات تھے' اس میں تبدیلی ہوگئی اور ان کی حیثیت محارب قوم کی ہوگئی اور اس کے بعد ان سے مراسلات میں ان کی یہ حیثیت پیش نظر رہی۔

لہٰذا مکتوب نبوی کے مطالعہ کے وقت اس کے صحیح مفہوم اور محل کو سمجھنے کے لیے یہ حقیقت پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ یہ مکتوب الیہ کو کن حالات میں لکھا گیا۔ یعنی اس وقت ان کے تعلقات کی نوعیت اسلامی نقطۂ نگاہ سے کیا تھی' تاکہ ذہن اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اہل کتاب کی خاص جماعت کے نام کے مکتوب میں جو مندرجات ہیں' وہی دنیا کے تمام عیسائی اور یہود کے لیے اسلامی نقطۂ نظر ہے۔ ایسا سمجھنا قرآن اور اسوۂ نبی اور خلافت راشدہ کی عملی زندگی اور ان کی سنت کے خلاف ہوگا اور خود مکتوب نبوی کے باہم تضاد کو مستلزم ہوگا۔ یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کے بعد ذہن بہت سی الجھنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

===================

حوالہ جات

(۱) ۱۰ھ۔ یہ طبقات کی تصریح ہے۔ طبقات میں یہ بھی ہے کہ جب یہ اپنی قوم میں گئے تو چار ماہ بعد حضور ﷺ کی رحلت ہوگئی۔ لیکن علامہ شبلیؒ نے ۹ھ لکھا ہے۔ (سیرۃ النبی۔ ص ۴۰' ج ۲)

(۲) علامہ وحلان نے اپنی سیرت نبوی میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

وعند عزمه صلى الله عليه وسلم على ارسال

الکتب و تکلمه مع اصحابه فی ذالک خرج یوما علی اصحابه- فقال یاایها الناس ان الله بعثنی رحمة و کافة فادوا عنی یرحمکم الله و لا تخلفوا علی کما اختلف الحواریون علی عیسٰی بن مریم فقال اصحابه و کیف اختلف الحواریون علی عیسٰی یارسول الله- قال دعاهم بمثل ما دعوتکم له- فاما من بعثه مبعثا قریبا رضی و سلم و اما من بعثه مبعثا بعیدا کره وابی- (ص ۱۶۸، ج ۲)

(۳) امام نوویؒ نے لکھا ہے:

کسریٰ لقب لکل من ملک من ملوک الفرس و قیصر لقب من ملک الروم- والنجاشی لکل من ملک الحبشة و خاقان لمن ملک الترک- (ص ۹۹، ج ۲)

(۴) تفسیر مظہری میں ہے کہ مکتوب دعوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو لکھنا اور ہرقل کا یہ انکار نہ کرنا کہ یہ کلمہ ہماری کتابوں میں نہیں ہے بلکہ تسلیم کرنا، یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قطعی دلیل ہے۔ نیز اس بات پر بھی حجت ہے کہ توحید الٰہی ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جس میں قرآن، تورات، انجیل کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرقل جو بہت بڑا عالم تھا اور تورات و انجیل کا ماہر تھا، ضرور رد کرتا کہ ایسی بات ہماری کتابوں میں نہیں ہے۔-۱۲

(۵) ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ سے کیوں تعبیر کیا؟ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں، بعض وجوہ یہ ہیں: (۱) عرب میں ایک شخص ابو کبشہ نامی گزرا ہے جو مشرکانہ عقائد کا مخالف تھا۔ (۲) آپ کے ننہالی لوگوں میں آپ کے کسی نانا کی یہ کنیت تھی۔ (۳) ابو کبشہ، حلیمہ سعدیہ، آپ کی رضاعی ماں کے شوہر کی بھی کنیت تھی۔-۱۲

(۶) اس واقعہ سے قرآن مجید کی اس آیت کی پوری پوری تصدیق ہوجاتی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ

یَعْلَمُوْنَ- (بقرہ- ع ۱۸)

"جن کو ہم نے کتاب دی (یعنی تورات و انجیل) وہ حضور کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ ان میں سے ایک فریق جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں"۔

قرآن مجید میں ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے چند اوصاف بیان کرنے کے بعد یہ ارشاد ہے:

ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ- (فتح- ع ۳، پ ۲۶)

اس سے یہ بات قرین قیاس ہو جاتی ہے کہ کسی فنکار تصور نے ان ہی اوصاف کو پیش نظر رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی تصویر بنائی ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق تاریخ کامل کا حسب ذیل واقعہ بھی اس امر کا موید ہے کہ اہل کتاب کے پاس ان کی شناخت کی پوری پوری علامت نوشتہ شکل میں موجود تھی اور اس پر ان کا پورا یقین تھا۔

۱۷ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے بیت المقدس کے محاصرہ کے وقت، وہاں کے کمانڈر ارطبون کو خط لکھا کہ شہر حوالہ کردو۔ خط کا لے جانے والا رومی زبان سے واقف تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کو تاکید کردی کہ کسی طرح اس کا اظہار نہ ہو کہ تم رومی زبان جانتے ہو، تاکہ وہ لوگ آزادی کے ساتھ جو کچھ خط کے سلسلہ میں گفتگو کریں، تم سنو اور اس کی آکر اطلاع دو۔

خط پڑھ کر ارطبون نے حاضرین مجلس سے کہا کہ عمرو بن العاص کا یروشلم (بیت المقدس) پر قبضہ ناممکن ہے۔ میں نے اس کو خوب غور سے دیکھ لیا۔ یروشلم کا فاتح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا حلیہ یہ ہوگا۔ پھر اس نے خاص وضع قطع کا حلیہ بیان کیا اور قاصد کو لاپرواہی سے واپس کردیا۔

قاصد نے واپس آکر سب واقعہ بیان کردیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا: یہ تو حضرت عمر فاروقؓ کا حلیہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس کی اطلاع دی اور جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس تشریف لائے تو ان لوگوں نے دیکھ کر پہچان لیا اور شہر حوالہ کردیا۔ (کامل- ص ۱۹۳، ج ۲، ملخصا)

(۷) جعرانہ۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے جہاں حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ محفوظ رکھے گئے تھے اور یہ معلوم ہے۔ یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔۱۲۔

(۸) حضرت عمرو بن العاصؓ نجاشی کے پاس دو مرتبہ گئے۔ پہلی مرتبہ قریش کے سفیر کی حیثیت سے جس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔ دوسری مرتبہ جنگ احزاب کے بعد گئے، جب وہ اسلام سے متاثر ہو رہے تھے۔ چنانچہ نجاشی کے لیے بہت سا چمڑا تحفہ لے کر حبش پہنچے۔ نجاشی نے ان کو خوش آمدید کہا۔ اتفاق سے نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس جا رہے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا یہ ہمارے دشمن کا فرستادہ ہے، اس کو قتل کے لیے میرے حوالے کر دیا جائے۔ نجاشی بہت برہم ہوا اور کہا: میں ایسے شخص کے قاصد کو قتل کے لیے تمہارے حوالہ کر دوں جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اپنی درخواست پر معافی مانگی اور پوچھا: کیا وہ واقعی ایسا ہے؟ نجاشی نے کہا: عمرو! تمہاری حالت پر افسوس ہے۔ میرا کہنا مانو۔ اس کی پیروی کرو۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہے۔ وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب ہوئے تھے--- یہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا: تو پھر ان کی طرف سے آپ مجھ سے بیعت لے لیجئے۔ نجاشی نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلام کی بیعت کر لی۔

پھر خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کے خیال سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے۔ ان سے پوچھا: ابو سلیمان! کہاں کا قصد ہے۔ وہ بولے: خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے۔ اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ حضرت عمرو نے کہا: خدا کی قسم! میں بھی اسی مقصد سے چلا ہوں۔ دونوں ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کر لی اور مکہ لوٹ آئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرو بن العاص مدینہ ہجرت کر گئے۔ ۱۲۔

عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے

دعاۃ نبوی ﷺ

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ چیز سامنے آگئی کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ تین طرح سے فرمائی۔ ایک تو یہ کہ خود سے خلوت میں جلوت میں، مجامع میں اور قبائل میں جا جا کر اسلام کو پیش کیا اور عالمی مشن کی عالمی دعوت سے ان کو روشناس کیا جو مکی اور مدنی زندگی کے سلسلہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سفراء کے ذریعہ ملوک عجم و عرب اور دیگر ذمہ داروں کے نام عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کے لیے مکتوبات بھیجے، جن کی مختصر روئیداد گزشتہ صفحات میں آپ کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔ تیسرے "دعاۃ" کے ذریعہ اور یہ طویل الذیل سلسلہ ہے، جن کے ہاتھوں مدنی زندگی کے دس سال کے اندر دس لاکھ مربع میل میں اسلامی تبلیغ اس طرح ہوئی کہ اس میں اسلامی آئین کے تحت مملکت اسلامی کا نظام دائر و سائر ہوگیا، جس میں کئی ملین کی آبادی تھی۔ آج کی دنیا اس کو جب سوچتی ہے اور اعداد و شمار سے معاملات کا نتیجہ نکالنے والے جب اسلامی مشن کی "دس سالہ" تبلیغ کو اس کی روشنی میں جانچتے ہیں، پرکھتے ہیں تو ان کو حیرت ہو جاتی ہے کہ اس طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ میل مربع کی تبلیغ کا اوسط نکلتا ہے۔

اس خدمت پر کتنے "دعاۃ نبوی" مامور تھے۔ اس کے متعلق میں نے عرض کی کہ یہ طویل الذیل سلسلہ ہے، جن کی خدمت پر اس مختصر رسالہ میں بحث نہیں ہو سکتی ہے۔

اس کے لیے وقت نے مساعدت کی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو "دعاۃ نبوی ﷺ" کے نام سے ہم ایک الگ رسالہ لکھیں گے۔ اس میں ان کی مساعی تبلیغ کا ذکر کریں گے، جس سے دنیا کے سامنے یہ بات نکھر کر آئے گی کہ اسلامی تبلیغ "دعاۃ نبوی ﷺ" نے کس طرح کی اور کس سادگی کے ساتھ اور کتنے موثر طریقہ پر کی۔ پھر بھی حضرت سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ کے قلم کی زبان سے یہاں اجمالاً اتنا پیش نظر رہے۔۔۔

"جن لوگوں نے مبلغین اسلام (دعاۃ نبوی ﷺ) کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا، ارباب سیر "وفود" کے نام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابن سعد میں ستر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاتی، مغلطائی اور زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں۔ لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصاء کیا ہے اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں۔ اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام بھی مبہم ہیں"۔ ("سیرۃ النبی" ص ۳۴، ج ۲)

گویا یہ وفود جو تمام اقصائے عرب اور حدود شام سے آئے تھے، یہ سب ان ہی "دعاۃ نبوی ﷺ" کی کارگزاری اور تبلیغ کے نتائج تھے اور ان دعاۃ نبوی ﷺ کی بابرکت دعوت و تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ یمن، عمان، بحرین، ایرانی اثرات سے کٹ گئے اور غسانیوں کے سوا تمام یہودی اور عیسائی رؤساء اور عیسائی قبائل رومیوں سے کٹ کر اسلامی مملکت کے ساتھ جڑ گئے۔ مثلاً دومتہ الجندل، ایلہ، جرباء، اذرح، تبالہ، جرش، بہراء، وائل، بکر، لخم، جذام، عاملہ وغیرہ۔

حاصل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اسلام کی عالمی مشن کی دعوت کو یورپ اور ایشیا تک پہنچا دیا، وہاں آپ نے اسلامی اثرات کو ایک طرف یمن، بحرین، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک پہنچا دیا۔

یہ حاصل دعوت ہے اس پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا، جو ساری دنیا کے لیے رحمتہ للعالمین بن کر آیا تھا اور جو مکہ مکرمہ سے اس طرح دعوت کی راہ میں ہجرت کر کے نکلا

تھا کہ اس کے ساتھ گنتی کے چند نفوس (یعنی تین آدمی) تھے اور جب اس کے بعد مکہ مکرمہ میں عمرہ کے قصد سے حدیبیہ تک آیا تھا تو سات سو صحابہ ساتھ تھے اور جب فتح مکہ کے قصد سے آیا تھا تو دس ہزار قدوسیوں کی جماعت ساتھ تھی اور جب حجتہ الوداع میں مکہ آیا تھا تو تقریباً ڈیڑھ لاکھ فدائیوں کی جماعت ساتھ تھی، جس میں بت پرست بھی تھے، یہودی بھی تھے، عیسائی بھی تھے، مجوسی بھی تھے۔ یعنی دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے اسلامی علم کے نیچے ایک ساتھ کھڑے تھے اور ایک قلادہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ان کے گلے میں پڑا تھا، جن کے سامنے پیغمبر عالم رہتی دنیا تک کے لیے، ساری دنیا والوں کے لیے، تاریخ عالم میں یادگار رہنے والا، اس "منشور انسانیت" کا اعلان عام فرما رہے تھے۔

(۱) ایھا الناس ان ربکم واحد۔ کلکم لآدم و ادم من تراب۔ اکرمکم عند اللہ اتقاء کم۔

(۱) "لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے۔ تم سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے ہیں۔ تم میں اللہ کے نزدیک وہی مکرمت اور عزت والا ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے"۔

(۲) لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی۔

(۲) "کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے لیکن تقویٰ کے سبب سے"۔

(۳) یا ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم۔

(۳) "لوگو! تم سب کے خون، تم سب کے مال اور تم سب کی آبرو، تم سب پر حرام ہے، یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو"۔

(۴) ایھا الناس ان لنسائکم علیکم حقا۔ ولکم علیھن حق۔

(۴) "لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہارے لیے بھی ان عورتوں پر حق ہے"۔

(۵) فلا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذ تم به لن تضلوا بعده کتاب الله و سنة نبیه۔ ("الوثائق السیاسیہ" ملخصا۔ ص ۲۱۴)

(۵) "میرے بعد کافرانہ زندگی کی طرف نہ لوٹنا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ (کر جا) رہا ہوں کہ اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو اس کے بعد تم گمراہی میں مبتلا نہیں ہو گے۔ وہ چیز خدا کی کتاب (قرآن) ہے اور خدا کے نبی کی سنت ہے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا "الا ھل بلغت؟" لوگو! بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ لوگوں نے کہا "نعم" ہاں، آپ ﷺ نے کر دیا۔ تو یہ سن کر آپ ﷺ نے پورے مجمع سے خطاب کر کے فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب۔

"اب حاضر لوگوں پر فرض ہے کہ وہ غائب لوگوں پر جا کر تبلیغ کریں"۔

فالصلوٰۃ والسلام علیہ وعلٰی الہ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین بعدو ما کان و ما یکون۔

اس کتاب کا موضوع سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک
ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ اس کے تعارف کی آسان شکل یہ ہے ک
مسلمان خود اس کا مطالعہ کریں اور غیر مسلموں کو مطالعہ کی ترغیب دیں۔ اگ
یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانوں کے لیے سیرت پاک داروئے شفا اور ہر مر
کا علاج ہے اور یہی اسلام کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ بھی ہے تو یہ زیر نظر کتاب
ان دونوں مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ کتاب کا پڑھنا' اس کا سمجھنا اور ا
زندگی کا دستور العمل بنانا ہی اس کتاب کی روح ہے اور جب مسلمانوں میں
روح پیدا ہوگی تو وہی ان کے لیے یوم النجات ہوگا۔

(مولانا محمد عثم

تخلیقات

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳